ورق ورق پر تیری عبادت تیرا فسانہ تیری حکایت
کتاب ہستی جہاں سے کھولی تیری محبت کا باب نکلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

* * *

جب یار نے رخت سفر باندھا، کب ضبط کا یارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا، کیا حال ہمارا اس دن تھا
جب خواب ہوئیں انکی آنکھیں، جب دھندلا ہوا ان کا چہرہ
ہر اشک ستارہ اس شب تھا، ہر زخم انگارہ اس دن تھا

حرف آغاز

غازی بابؒ کی شہادت کے موقع پر میں صرف چار روز جیل میں رہی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے رہائی نصیب فرمائی لیکن یہ چار روز کیا تھے، ایک ایک دن پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ تب دل یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اسلام کے جو شاہین پندرہ پندرہ سال زندانوں میں گذارنے پر مجبور ہیں، کس قدر باہمت لوگ ہیں۔ یقیناً یہ لوگ قابل فخر اور لائق تحسین ہیں جو ایک طویل عرصہ عقوبت خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ظلم و تشدد سہتے ہیں، اس کے باوجود یہ دیوانے اپنے مؤقف سے ذرہ برابر پیچھے نہیں ہٹتے۔ بلکہ رہائی پاتے ہی ایک نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ جہاد کا کام جاری رکھتے ہیں۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک طویل مدت پس زندان رہنے اور دشمن کا خوفناک تشدد سہنے کے باوجود یہ لوگ جہاد سے منہ نہیں موڑ لیتے؟؟؟

یہی وہ باریک نکتہ ہے جو دنیاداروں کی سمجھ سے بالاتر ہے، صاف ظاہر ہے جن لوگوں نے اپنی تمام زندگی ڈش اور کیبل کے آگے بیٹھ کر گذاری اور جن کی کم نصیبی نے انہیں ایک گھڑی بھی جہاد میں گذارنے کا موقعہ نہ دیا، بھلا وہ اس سرور و کیف سے کس طرح آشنا ہو سکتے ہیں؟

البتہ جو لوگ اس راز کو پا گئے، ان کا پھر دنیاوی ماحول میں دل نہیں لگتا، بلکہ گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ ہاں یہ بات اسلام کے غازی ہی جانتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں زخم کھانے، اور دکھ اٹھانے کا جو مزہ ہے دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں ہے۔

چونکہ یہ تمام داستان میری آپ بیتی پر مشتمل ہے۔ اس لئے اتنی لمبی تمہید باندھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی دینے کا بھی ایک مزہ ہے۔ یہ تمام داستان زخم زخم یادوں، آنسوؤں اور آہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ بلاشبہ غازی بابا شہید کی شہادت میرے لئے سانحۂ عظیم تھا..... اس عظیم سانحے پر جو میری حالت تھی اسے لفظوں میں بیان کیا ہی نہیں جا سکتا، لیکن الحمدللہ اس کے باوجود دل میں ایک خاص قسم کا سکون اور اطمینان تھا، میرے دل میں ایک لمحے کے لئے بھی کبھی یہ خیال نہ آیا کہ جہاد میں نہ آتی تو یہ حالات پیش نہ آتے۔

بلکہ ہر آزمائش، ہر نئی مشکل آنے کے بعد یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرا اللہ پاک سے تعلق مزید گہرا ہو گیا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ''میں ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہوں'' تب مجھ پر یہ راز کھلا کہ واقعی اللہ رب العزت شکستہ دلوں کو اپنیخاص محبت سے نوازتے ہیں اور محبوب حقیقی کی محبت زخموں کا مداوا بن جاتا ہے۔

یہ داستان تحریر کرنے کے دوران میں عجیب کیفیات سے گذرتی رہی، کبھی کبھی دل چاہا کہ اس کو چھوڑ دوں اور کبھی یہ کہ اس کو آگے بڑھاؤں۔ میں جب بھی کبھی لکھنے بیٹھتی ہوں تو اس میں مکمل طور پر ڈوب جاتی ہوں، تب مجھ سے کچھ لکھا جاتا ہے اور غازی بابا شہیدؒ کی داستان حیات یعنی ''جہاد ہند کا شہباز جرنیل'' لکھنے کے دوران میں یہ محسوس کرتی تھی کہ میں وادی کشمیر میں ہوں اور جہادیؒ ہر قدم پر میرے ساتھ ہیں۔ اس خوبصورت احساس کے ساتھ ساتھ ہی کتاب بہت تھوڑے عرصے میں مکمل ہو گئی۔

جبکہ یہ داستان تحریر کرنے کے دوران میں کئی صبر آزما مراحل سے گذرتی رہی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا وقت کی سوئی بہت پیچھے چلی گئی ہے اور میں زندگی کے اسی موڑ پر کھڑی ہوں جہاں وہ پیارا ہم سفر مجھ سے بچھڑ گیا تھا۔ چنانچہ یہ داستان الم اسی کیفیت اور اسی درد میں ڈوب کر لکھی گئی اس وجہ سے کتاب میں کئی مقامات پر جذبات کا بہت زیادہ اظہار کیا گیا اور میرے ساتھ میرا قلم بھی جذبات کی رو میں بہہ کر بہت دور نکل گیا ہے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اس بات کو دل پر نہ لیں کیونکہ مصیبت میں، دل میں غم اور آنکھ میں آنسو آنا ایک فطری امر ہے۔ باقی ہم سب کا عزم ہونا چاہئے کہ چاہے کتنی بھی مشکلیں کیوں نہ آئیں اپنے دین کے لئے قربانیاں دیں گے۔ انشاءاللہ

* * *

یہ سرگزشت لکھنے میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی میرا معین و مددگار نہ تھا۔ ہاں البتہ ابو محمد (سیف اللہ شاکر) کی میں ہمیشہ ممنون رہوں گی کہ انہوں نے نہ صرف مجھے اس ''نازک موضوع'' پر لکھنے کی اجازت دے دی بلکہ بعض معاملات میں میری رہنمائی بھی کرتے رہے اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے دوبارہ قلم تھامنے والے بھی وہی ہیں۔

میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا، جب حوادث زمانہ نے مجھے بالکل توڑ کر رکھ دیا، میرا سارا وجود کرچیوں میں بکھر گیا نہ صرف قلم و کاغذ سے، بلکہ تمام دنیا سے میرا ناطہ ٹوٹ گیا اور میں ایک خاموش پتھر کی مانند ہو کر رہ گئی۔

تب ابو محمد ہی تھے جنہوں نے میرے کرچی کرچی وجود کو سمیٹا، مجھے آہستہ آہستہ دوبارہ زندگی کی طرف لایا، قرطاس و قلم سے ایک بار پھر میرا رشتہ جوڑ دیا۔

''جہاد ہند کا شہباز جرنیل'' لکھنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ابو محمد نے مجھے یہ داستان لکھنے کی کیسے اجازت دے دی؟ اور بہت سے لوگوں نے ان کی اعلیٰ ظرفی کی تعریف کی۔

بلاشبہ وہ اس لائق ہیں کہ اس اعلیٰ ظرفی پر میں انہیں خراج تحسین پیش کروں اور یہ دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔

* * *

آخر میں میں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ میری کتاب ''جہاد ہند کا شہباز جرنیل'' ایک ایسے دور پر مبنی داستان ہے جب مجاہدین تعداد میں زیادہ تھے اور مضبوط پوزیشن میں تھے اس کے بعد حالات بدل گئے اور اپنوں کی بے اعتنائیوں نے مجاہدین کی مشکلات میں اضافہ کر دیا چنانچہ میری یہ آپ بیتی اسی مشکل دور کی عکاسی کر رہی ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فتح و نصرت میدان جنگ کے دو اہم جز ہیں۔ جن کے بغیر کوئی بھی جنگ مکمل نہیں ہو سکتی ہماری تاریخ گواہ ہے کہ مجاہدین اسلام نے جہاں میدان بدر سے لے کر قیصر و کسریٰ کے محلات تک فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے، وہیں بعض موقعوں پر انہیں ظاہری شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور مقرب بندوں سے ایسا ہی معاملہ فرماتا ہے کبھی وہ غالب آتے ہیں اور کبھی مغلوب تاکہ اس بات سے ان کے صدق اور اخلاص کا امتحان ہوتا رہے لیکن آخر کار فتح انہیں کو نصیب ہوتی

ہے۔

چنانچہ اس داستان میں بھی میں نے حقیقت کو چھپانے کی رتی برابر کوشش نہیں کی۔ قارئین سے گذارش ہے کہ مجاہدین پر آنے والے مشکلات کو پڑھ کر دل میں بوجھ نہ لیں نہ ہی یہ سمجھیں کہ مجاہدین کمزور ہو گئے ہیں اور جہاد کشمیر رک گیا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سال جہاد کشمیر نے ایسا رنگ دکھایا کہ بھارتی حکمران خود یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ''اب کشمیر کا فیصلہ ہو جانا چاہئے، الحمدللہ جہاد کشمیر جاری ہے اور کشمیر سے آخری بھارتی فوجی کے انخلا تک جاری رہے گا۔ انشاءاللہ

سعدیہ جہادی بمطابق 22 مارچ 2011
مظفرآباد آزاد کشمیر

* * *

زخم زخم سفر کی شروعات سے

جب میں جیل سے باہر آئی تو سب کچھ بدل چکا تھا آنکھوں کو تمام مناظر دھندلے دھندلے سے دکھائی دے رہے تھے جیسے میں ایک مدت کے بعد اس شہر کو دیکھ رہی تھی، اور اس شہر کی حسن و رعنائی کو جیسے گہن لگ گیا ہو۔

شبنم باجی ڈرگیٹ چوک تک میرے ساتھ تھیں، یہاں سے ہمارے راستے الگ ہو رہے تھے انہوں نے مجھے پچاس روپے کا نوٹ تھماتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا:

''میری بہنا! جانتی ہوں یہ رقم بہت حقیر ہے لیکن آزمائش کے اس طوفان میں میں آپ کے لئے صرف اتنا ہی کر سکتی ہوں''۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، اور میں ہاتھ میں پکڑے نوٹ کو خالی خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ دل کے ٹوٹے ہوئے تاروں سے یہ آواز آ رہی تھی: جہادی! اے رفیق سفر..... یہ آپ زندگی کے کس موڑ پر ساتھ چھوڑ گئے، مجھ سے تو آپ کے بنا ایک قدم بھی چلا نہیں جائے گا، آپ کے بغیر مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔

آنکھوں کے کنارے آنسوؤں سے بھیگ گئے، جب سر اٹھایا تو شبنم باجی جا چکی تھیں..... ادھر ادھر نظریں دوڑائیں سامنے جھیل پر نگاہیں ٹھہر گئیں..... یہاں سے ان کی یادوں نے گھیرنا شروع کیا..... کچھ عرصہ قبل ہم دونوں اسی راستے سے نشاط باغ گئے تھے جھیل ڈل کے کنارے کنارے ہونے والے اس سفر کا ایک ایک لمحہ یاد آیا، نشاط باغ میں ہنستا مسکراتا اور بھارتی فوج کو بے وقوف بنانے والا جہادی مجھے بے حد یاد آیا تو دل کیا چیخ چیخ کر روؤں..... دنیا کی بھیڑ میں رواں دواں ان لوگوں سے پوچھوں۔ اے لوگو! کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ اے ہواؤ..... اے فضاؤ..... کوئی تو مجھے اس کا پتہ پتا دو..... آخر وہ دیوانہ مجاہد کہاں چلا گیا؟ جو مجھ سے دور ہوتے ہی فوراً خط لکھ دیتا، اور بڑے پیار سے مجھے مخاطب کر کے لکھتا!

''جان جہادی! میں ہر لمحہ تمہیں یاد کرتا ہوں''

میری آنکھیں کئی دنوں سے اسے نہیں دیکھ رہیں، وہ مجھ سے ملے بغیر اتنی دور کیسے چلا گیا، جہاں سے نہ خط آ سکتا ہے نہ کوئی خبر ''اے محبوب! تم پہ سلام ہو، دل گرفتہ سعدی کی طرف سے، جسے آپ دکھوں اور رنجوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! آپ کے بعد زندگی میں کبھی راحت محسوس نہ کروں گی.....!

اے کاش! موت پر میرا اختیار ہوتا، تو میں ایک لمحہ بھی آپ کے بعد زندہ نہ رہتی۔

* * *

دنیا کی حقیقت

آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں لگ گئیں۔ میں نہ جانے کتنی دیر تک ان کی یادوں کے ساتھ بھٹکتی رہی۔ اچانک میرے کندھے کے ساتھ لگی سیرت فاطمہ مچلنے لگی تب میں خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔ یہ دیکھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا کہ میں نے اس ننھی سی جان کو ہر وقفے کے اندر دبایا ہوا ہے اور میں نہ جانے کب سے دھوپ میں کھڑی ہوں۔

جلدی سائے میں ہوگئی اب مجھے کسی ٹھکانے پر پہنچنے کی فکر لاحق ہوگئی قریب کھڑے ایک رکشے والے سے بات کی تو پتہ چلا وہاں تک ستر (70) روپے کرایہ لگے گا۔ میرے پاس وہی پچاس روپے کا نوٹ تھا جو اب تک میری مٹھی میں بند تھا۔

وہ پچاس روپے پر راضی نہ ہوا تو میں نے ایک دوسرے رکشے والے سے بات کی مگر اتنے پیسوں میں کوئی جانے کے لئے تیار نہ تھا مایوس ہوکر میں سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر سوچنے لگی اب کیا کروں گاڑی تو یہاں سے کوئی جاتی بھی نہیں۔ کوئی گئی بھی تو بڑے راستوں سے جائے گی جہاں راستے میں تلاشی کا خطرہ ہے۔

کھڑے کھڑے میری کمر دکھ گئی، ان کی جدائی نے پہلے ہی کمر توڑ دی تھی اس پر چار دنوں کے خوفناک حالات، ان دنوں کھانا بھی برائے نام ہی کھایا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ میری ٹانگیں میرے وجود کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھیں۔ اس پر فاطمہ میری گود میں تھی۔ ایک لمحے کے لئے خیال آیا کہ ادھر سڑک کے کنارے ہی بیٹھ جاؤں کیونکہ اب کھڑے رہنے کی سکت ہی نہ تھی پھر سوچا کہیں لوگ مجھے ''بھکارن'' سمجھ کر بھیک دینا نہ شروع کر دیں اس وقت میری حالت ہی کچھ ایسی تھی، پھٹا پرانا اور گھٹنوں سے اونچا برقعہ پاؤں میں وہی پولیس والے کے دیئے ہوئے پلاسٹک کے چپل..... اور غازی بابا کی شہزادی بیٹی کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا ان حالات میں اگر کوئی مجھے بھکارن سمجھتا تو اس کا کیا قصور؟ ہم واقعی اللہ کے راستے کے فقیر تھے..... تن کے کپڑوں کے علاوہ دنیا کی کوئی چیز بھی ہمارے پاس نہ تھی۔

اس وقت یہ بات خوب سمجھ میں آئی کہ اس دنیا کی حقیقت بس یہی ہے۔ یہ فانی دنیا شاہوں کو گدا بنانے میں ذرا دیر نہیں لگاتی..... کل تک میرے پاس سب کچھ تھا..... زندگی کی ہر خوشی میرے دامن میں تھی اور آج یہ حال ہے کہ زندگی کے دامن میں زخم زخم یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ دنیا کی یہ ظاہری شان وشوکت یہ رنگینیاں یہ چکا چوند صرف چند روزہ ہے۔ حقیقی اور دائمی خوشیاں تو صرف آخرت کی ہیں۔ اس لئے انسان کو دنیاوی خوشیوں کے بجائے آخرت کی دائمی خوشیوں کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

میں برقعے کے اندر سے بار بار آنسو پونچھ رہی تھی۔ کلائی پر نظر ڈالی مگر وہ بھی خالی تھی..... کاش گھڑی ہی پہنی ہوتی جو اس مشکل میں کام آتی پھر یاد آیا کہ جھڑپ والی رات عشاء کے وقت وضو کرتے ہوئے میں نے وہ اتار رکھی تھی۔ پھر دوبارہ پہننے کا موقعہ ہی نہ ملا وہ خوبصورت گھڑی بھی جہادی شہیدؒ کی نشانی تھی۔ جو ان کی دیگر نشانیوں کے ساتھ اس گھر کے ملبے تلے دب گئیں۔ میں یہ باتیں سوچ رہی تھی اس دوران رکشے والا خود ہی میرے پاس آ کر رکا اور دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کا کہا: میں نے کہا بھیا! میرے پاس وہی پچاس روپے ہیں..... کوئی بات نہیں بہن! آپ بیٹھ جائیں۔ شاید وہ میری آواز میں چھپے کرب کو بھانپ گیا تھا اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک پریشان حال لڑکی کی بے چینی کو کافی دیر سے دیکھ رہا تھا یا پھر اللہ پاک نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی، میں چپ چاپ بیٹھ گئی۔ رکشہ چل پڑا تو وہ بولا بہن جی! آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔ آپ کچھ بھی نہ دیں میں آپ کو وہاں تک چھوڑ دوں گا، میں خاموش رہی اور اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

پھر اس نے پریشانی کی وجہ پوچھی تب میں جواب دینے پر مجبور ہوگئی میں اسے یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ میں جرم جہاد میں قید کاٹ کر آئی ہوں۔ اس لئے سسرال والوں کے مظالم کی فرضی کہانی سنائی، جس سے وہ مطمئن ہوگیا۔

* * *

نصرت سے ملاقات

بہن جی مجھے سہارا دے کر کمرے میں لے آئیں اور پانی وغیرہ پلایا۔فوراً نصرت کو اطلاع دی گئی اس سے کب صبر ہوتا وہ بھی فوراً پہنچ آئی اس کی عزیز بہن لٹی ہوئی حالت میں آئی تھی مجھ سے ملکر زار وقطار رونے لگی، سعدی! بتاؤ یہ قیامت کیسے ٹوٹ پڑی.....میرا بھائی کہاں چلا گیا؟ کشمیر کی ایک ستم رسیدہ بہن جو حال ہی میں قید کاٹ کر اور بے پناہ اذیتیں سہہ کر آئی تھیں ایک پردیسی بھائی کے لئے نوحہ کناں تھیں۔

مجھے نصرت بے حد عزیز تھی اور اس سے مل کر نہ جانے کیا ہوا ایک دم مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی آنسو جیسے خشک ہو گئے، دل پتھر بن گیا اور دماغ ماؤف ہوگیا.....وہ مجھ سے بہت کچھ پوچھ رہی تھی مگر میں اس کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے پارہی تھی۔

جب شام گہری ہوگئی تو وہ مجھے اپنے گھر لے گئی ستم رسیدہ ماں اور بیٹی کو دیکھ کر گھر میں کہرام مچ گیا یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی غازی باباؒ کی شہادت کی خبر آئی ہو۔رابعہ اور اس کی امی بھی ادھر موجود تھیں۔سب لوگ اس پردیسی مجاہد کے لئے اشک بار تھے جوان کی عزت وآزادی کی خاطر اپنا عیش وآرام چھوڑ آیا تھا پھر ایک طویل عرصہ بھارتی درندوں سے اپنے مظلوم بہن بھائیوں کا انتقام لیتا رہا۔بالآخر خون کا آخری قطرہ قربان کر کے اسی سرزمین میں دفن ہوا۔

وہ لوگ پہلی مرتبہ غازی بابا شہیدؒ کی لاڈلی بیٹی کو پراگندہ حال میں دیکھ رہے تھے چنانچہ اسے ہاتھوں ہاتھ لے کر نئے کپڑے منگائے اور نہلا دھلا کر اسے پہنا دیئے۔میرے سامنے بھی کپڑے اور ضروریات زندگی کی ہر چیز رکھ دی گئی کوئی میری کلائی پر گھڑی باندھ رہا ہے کوئی ہاتھ میں پیسے تھما رہا ہے لیکن اس وقت وہ تمام چیزیں مجھے ہیچ نظر آرہی تھیں نہی مجھے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہورہی تھی اپنی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ کھونے کے بعد اب دنیا اور اس کی کسی بھی چیز کی میری نظروں میں کوئی وقعت نہ تھی۔گھر والے دیر تک میرے اردگرد بیٹھے رہے خود روتے تھے اور مجھے تسلیاں دیتے تھے بالکل اس شعر کی طرح

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ آپ مجھے حوصلہ دیتے ہوئے

وہ مجھے اس المناک سانحے کے متعلق پوچھ رہے تھے۔کیونکہ میں جو اس کی چشم دید گواہ تھی لیکن اس قیامت خیز رات کی داستان بیان کرنے کا حوصلہ مجھ میں کب تھا.....آج اتنے سال گذرنے کے بعد بھی جب کوئی مجھ سے یہ واقعہ پوچھتا ہے،تو اس کو بیان کرنا میرے لئے کسی امتحان سے کم نہیں ہوتا دن کا وقت ہو تو تمام دن دل بے سکونی کی لپیٹ میں رہتا ہے اور رات ہو تو ساری رات نیند نہیں آتی۔

اس دن تو مجھے بالکل چپ لگ گئی تھی جیسے کوئی خاموش پتھر،نصرت نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑا میری بہنا تم خاموش کیوں ہو۔رولو جی بھر کے رولو وہ اتنا پیارا شخص اب اس دنیا میں نہیں رہا اس طرح چپ رہو گی تو تمہارا دل پھٹ جائے گا۔

سعدی! میں تم پر قربان، جانتی ہوں آپ ''بھیا'' کو بے حد وحساب چاہتی تھیں اور اس غم پر صبر کرنا بھی اتنا آسان نہیں۔لیکن صبر کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں اور کیا آپ بھول گئی کہ شاید ان کی آرزو تھی جو آج پوری ہوگئی یہ کہتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں نصرت کی جذباتی گفتگو کے بعد بھی میری حالت ویسی تھی خاموش اور گمسم .....میں اپنے سر میں سخت تکلیف محسوس کر رہی تھی قید کے دوران بھارتی فوجی نے میرے سر میں گن کے جو بٹ مارے تھے اس وجہ سے کافی دنوں تک سر میں درد رہا اور چکر سا محسوس ہوا پھر اتنا یاد ہے کہ نصرت نے فوراً اپنی آغوش میں لے لیا اور میری آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔پھر کئی گھنٹوں تک میں ہوش وخرد سے بیگانہ رہی۔آنکھ کھلی تو رات کافی بیت چکی تھی۔میری دونوں ہمدرد بہنیں میرے پاس بیٹھی جاگ رہی تھیں۔اب میرے حواس کافی حد تک بحال ہو چکے تھے نصرت نے زبردستی مجھے دودھ کا گلاس پلایا، رابعہ کو کچھ

اشارہ کیا وہ فوراً باہر نکل گئی واپسی پر اس کے ہاتھ میں کافی سارے اخبار تھے دونوں نے ایک ایک کر کے تمام اخبار میرے سامنے پھیلا دیئے۔

* * *

مژدہ، وہ شخص آج خاموش ہو گیا

یہ سری نگر سے شائع ہونے والے مختلف اخبارات تھے جن کا اہم موضوع غازی بابا کی شہادت تھی اور ان کی مختلف تصاویر بھی اخبارات کی زینت بنی ہوئی تھیں اس کے علاوہ مختلف کالم نگاروں اور دانشوروں کے تجزیئے تھے ہر شخص کی زبان پر اس مرد مجاہد کے تذکرے تھے جو ادھر ڈوبا ادھر نکلا کے مثل نو سال تک دشمن سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا یہاں تک کہ دشمن اسے جن، بھوت یا سایہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ ہر تجزیہ نگار حیرت و اضطراب کے عالم میں ان کی سنسنی خیز زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کر رہا تھا اور زبان حال سے گویا کہہ رہا ہو

کل تک جو ٹوکتا تھا اہل کفر کو
مژدہ وہ شخص آج خاموش ہو گیا

نصرت نے اخبارات میرے سامنے پھیلا دیئے یہ دیکھو میرا بھائی شہید ہو گیا ہے ہماری آنکھیں اب انہیں نہیں دیکھ سکیں گی اے میرے پیارے بھائی! میں آپ پر قربان، کاش! اللہ آپ کے بدلے میری جان کا نذرانہ قبول کرتا، اور آپ کا سایہ مجاہدین کے سروں پر موجود رہتا وہ تصویر سے مخاطب ہو کر آہ و زاری کر رہی تھی رابعہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

میں نے دیکھا جسے دیکھنے کے لئے میری آنکھیں کئی دنوں سے ترس رہی تھیں اب ہر طرف اسی کا چہرہ نظر آ رہا ہے مگر کس حالت میں.....؟ لرزتے ہاتھوں سے ایک اخبار اٹھایا آج میں انہیں کئی دنوں کے بعد دیکھ رہی تھی.....مگر کس حالت میں؟ ہاں بالکل نئے انداز میں.....زخم زخم جہادی لہو رنگ جہادی اور راہ حق کے حسین تمغوں سے سجا ہوا جہادی.....

دیکھوں تو سہی کتنے تمغے ملے ہیں میرے یار کو.....ایک اور اخبار اٹھایا دیکھا تو وہ سر سے لے کر پاؤں تک ان تمغوں سے مزین ہیں، سینے پر، گلے پر، بازوؤں پر اور ماتھے پر، اور جسم کے دوسرے حصوں پر گولیاں لگی تھیں۔ زخموں سے خون بہہ رہا تھا لیکن چہرے پر انوار کی رم جھم اور ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ سجی تھی۔

جیسے کہہ رہے ہوں ''ارے کافر! میں دنیا میں بھی کامیاب تھا، آخرت میں بھی سرخرو ہو گیا ہوں، اس لمحے کے لئے تو میں نے سجدوں میں دعائیں مانگی تھیں۔ اب تم کرلو جو کرنا ہے میں نے اپنا مقصد حیات پا لیا'' قید کے دوران ان کے جسم کے ٹکڑے دیکھنے کے بعد یہ میرے صبر کا دوسرا امتحان تھا۔ وہ حسین چہرہ جسکے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی میری دنیا اداس ہو جاتی تھی۔ آج کئی دنوں بعد دیکھا تو اس حال میں کہ گرد و غبار سے اٹا ہوا اور خون میں ڈوبا ہوا۔

میرے شہید! وہ کتنی بے بسی کا عالم تھا، جب آپ مقتل میں مجھ سے چند قدم دور زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، تب میں آپ کو دیکھ نہ سکی۔

آپ کا سر گود میں رکھ کر چہرے کا گرد و غبار صاف نہ کر سکی، خدا کی قسم! میرا دل تو چاہتا تھا کہ اڑ کر آپ کے پاس پہنچوں اور آپ کے پامال لاشے سے لپٹ کر جان دے دوں۔ لیکن ہمارے درمیان ہزاروں ہندو کافر جو حائل تھے۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے صرف اپنی عزت کے ڈر سے صبر کا زہر پی لیا۔

میری نگاہیں تصویروں پر جمی ہوئی تھیں اور سوچ رہی تھی کہ اس وقت جنت کی حوریں اپنے کومل ہاتھوں سے میرے شہید کے زخموں کو صاف کر رہی ہونگیں۔

ہاں اے رفیق سفر..... بلاشبہ آپ حوروں اور فرشتوں کے جھرمٹ میں اپنے مہربان رب کی میزبانی کے مزے لوٹ

رہے ہونگے مگر یہ تو بتاؤ..... میں کیا کروں کیسے سہہ پاؤں گی یہ عظیم دکھ؟ آنسوؤں کے بندھ کھل گئے تھے غم کا آتش فشاں جو کئی دنوں سے سینے میں ابل رہا تھا ایک دم پھٹ پڑا۔

نصرت! کیا واقعی ''جہادی'' چلا گیا مجھے تنہا اکیلا چھوڑ کر..... ہم نے تو ساتھ جینے مرنے کا وعدہ کیا تھا، تقدیر نے میرے ساتھ کیسا دھوکا کیا۔ نہیں میری جان..... یہ سب قدرت کے فیصلے ہیں ہندوؤں کے اختیار میں کیا ہے، بھابی جو ساتھ والے کمرے میں تھیں فوراً اندر آئیں اور مجھے تسلیاں دینے لگیں بہر حال اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر ہے جس نے مجھے ہر موقع پر بے پناہ صبر و استقامت سے نوازا، ورنہ انسان تو بہت کمزور ہے۔

میری آنکھیں ان کی یاد میں صبح شام برستی تھیں، لیکن منہ سے کبھی اف تک نہ کی اور بین کرنے سے بھی اللہ پاک نے میری حفاظت کی اس بات سے دل کو ڈھارس بندھی تھی کہ میرا بھی وہی راستہ اور مشن ہے جو ان کا تھا میں ان کے لہو کے قطروں کو نشان منزل بنا کر اسی راستے پر چلوں گی اور ایک نہ ایک دن ان کے نشیمن تک پہنچ جاؤں گی۔ یہ فیصلہ میں نے پہلے دن ہی کیا تھا کہ ساتھیوں سے رابطہ ہوتے ہی میں اسلحہ حاصل کر کے کرن نگر B.S.F کیمپ پر فدائی حملہ کروں گی، لیکن اس سے ملاقات کی دعا کو آج تک شرف قبولیت نہیں بخشا گیا۔

* * *

بزدل فوجی بپھرے ہوئے عوام سے خائف تھے

جیل میں ہر وقت پوچھ تاچھ کا سلسلہ جاری رہتا تھا مجھے یہ ڈر تھا کہ میری اصلیت ان پر ظاہر ہوئی تو انجام کیا ہوگا؟ اس ڈر سے میں نے ان کا غم سینے میں دفن کر دیا، اور اپنے آنسو اندر ہی اندر دل میں اتارتی رہی۔

آج اُن کی شہادت کے بعد چھٹے روز میں نصرت کے گھر پہنچی فرصت اور تنہائی کے لمحات میسر آئے تو بچھڑنے کا غم بھرپور طریقے سے مجھ پر غالب آ گیا..... جی چاہتا تھا اڑ کر ان کے مزار تک جاؤں ان کی قبر سے لپٹ کر دل کی آگ ٹھنڈی کروں مگر ان کا مزار کہاں پر ہے یہ میں نے ابھی معلوم ہی نہیں کیا تھا میں نے نصرت سے سوال کیا وہ کب اور کہاں دفن ہوئے؟

یہ سن کر مجھے دھچکا سا لگا کہ وہ بہشت شہداء (عیدگاہ) میں دفن نہیں ہوئے۔ جبکہ ان کی آخری آرامگاہیں وہاں پر تیار کر لی گئی تھیں اس کے باوجود شہداء کی میتیں ادھر نہیں لائی گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہداء کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے پورا شہر اُمڈ آیا اس کے علاوہ دور دراز علاقوں سے بھی لوگ آ کر عیدگاہ گراؤنڈ میں جمع ہوئے کشمیری عوام اپنے اس عظیم محسن کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے کیونکہ وہ اپنے چاہنے والوں کے بیچ میں رہتے ہوئے بھی ان کے لئے اجنبی ہوتے تھے، حتیٰ کہ شبنم باجی والے بھی ان کی اصلیت نہیں جانتے تھے، مجھے یاد ہے انہوں نے روتے ہوئے مجھ سے شکوہ کیا کہ میں نے انہیں پہلے کیوں نہ بتایا اس کے علاوہ ہمارے خاص ہمدرد نصرت اور رابعہ کے گھر والے بھی بے خبر تھے البتہ دونوں بہنوں کو کسی وجہ سے علم ہو گیا تھا۔

یہی وجہ تھی جب ان کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چار سو پھیل گئی تو لوگ ہر طرف سے ان کا آخری دیدار کرنے کے لئے عیدگاہ میں جمع ہو گئے۔ نصرت نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ بھی صبح سویرے عیدگاہ جاتے اور رات کو مایوس ہو کر گھر لوٹتے لوگ مسلسل تین چار دن عیدگاہ آتے رہے کہ شاید شہداء کے جسد خاکی آ جائیں لیکن بھارتی فوجی انہیں مختلف کیمپوں میں لے جاتے رہے۔

لوگ شدت غم سے پاگل ہو رہے تھے ان کے عزائم انتہائی خطرناک تھے کہ جوں ہی بھارتی درندے شہیدوں کو لے آئیں گے یہاں سے زندہ سلامت واپس نہیں جائیں گے۔

بہشت شہداء سرینگر کا مرکزی مزار شہداء ہے عموماً مہمان شہداء کو اسی جگہ دفنایا جاتا ہے اس کے علاوہ مقام شہادت

صفا کدل ہونے کی بنا پر سب کو یقین تھا کہ ان کی تدفین ادھر ہی ہوگی لوگ بھی بھارتی فوج کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ ادھر بزدل فوج کو بپھرے ہوئے عوام کے سخت ردعمل کا اندازہ ہو چکا تھا۔ سو وہ عیدگاہ آنے کی ہمت نہ کر سکے انہوں نے انتہائی خفیہ طریقے سے شہداء کو کسی نامعلوم مقام پر سپرد خاک کر دیا۔

یہ کہانی سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا مجھے جہادی شہیدؒ کے یہ الفاظ یاد آئے جو انہوں نے ایک مرتبہ بہشت شہداء کے مقام پر کہے تھے ''انسان کی قبر اسی جگہ بنتی ہے، جہاں کی مٹی سے اسے بنایا گیا ہو اللہ کرے میری مٹی اس جگہ کی ہو اور میرا آخری گھر ادھر ہی بن جائے'' اے کاش! ان کا یہ ارمان پورا ہوتا، پتہ نہیں ظالموں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کشمیر کے سینکڑوں شہیدوں کی طرح انہیں بھی دریا برد کر دیا ہو۔ اس خیال سے میرا دل دہل گیا۔

ایسا سوچا جا سکتا ہے کیونکہ ان ہندو پلیدوں نے غازی باباؒ سے جو ہزیمت اٹھائی اس کے انتقام میں یہ کچھ بھی کر سکتے ہیں ان کی قبر کہاں بنی یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا یا اللہ مجھے تو ان کا آخری دیدار بھی نصیب نہ ہوا کیا قبر کی زیارت بھی نصیب نہ ہوگی میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے لیکن دل میں یہ عہد کیا..... میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک کہ ان کا مرقد تلاش نہ کروں۔

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
تیری جدائی میں اے جانے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتی ہوں کہاں گیا ہے
زمین کی رونق اجڑ چکی ہے فلک پہ بدر مبین نہیں ہے

* * *

روح سے خوف کا وہ سنگ گراں تو اترا

وہ رات میری زندگی کی مشکل ترین رات تھی میری روح پر ہمیشہ یہ خوف سوار رہتا کہ وہ مجھ سے بچھڑ نہ جائیں ان کے ہوتے ہوئے بھی ان سے بچھڑنے کا خیال مجھے اکثر رُلا دیتا تھا تب جہادی مجھے پاگل کہتے اور کبھی خود بھی افسردہ ہو جاتے کہ اگر ایسا ہوا تو اس دیوانی لڑکی کا کیا بنے گا؟ آخری دنوں میں تب ہم صفا کدل میں ہی تھے ایسا ہی کوئی واقعہ ہوا وہ باہر گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو میں نے اس حالت میں ان کا استقبال کیا کہ آنکھیں سوجھی ہوئی ہیں اور آنسو روکے نہیں رکتے پہلے وہ پریشان ہوئے کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے لیکن جب حقیقت حال کا علم ہوا تو چپ چاپ کپڑے تبدیل کئے پھر مجھے اپنے پاس بٹھایا کچھ دیر میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے۔

سعدی! کیا یہ طے نہیں ہوا تھا کہ آپ میرے قدموں کی زنجیر نہیں بنو گی؟ میں اپنا وعدہ کبھی نہیں بھولوں گی میں نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ تو یہ بے قراری کیوں؟ سعد یہ میں آپ کو بہادر دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں پتہ ہے نا کہ مجھے کم ہمت لوگ اچھے نہیں لگتے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میں کم ہمت نہیں ہوں اللہ جانے چند مہینوں سے مجھے یہ وسوسہ کیوں آتا ہے میں خود اس بات سے پریشان ہوں کہ ایسا خیال آنے کی وجہ کیا ہے میری آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں انہوں نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور محبت سے بولے:

سعدی! میں جانتا ہوں تم مجھے بہت چاہتی ہو اور اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں اس سے بھی بڑھ کر چاہتا ہوں تو غلط نہ ہوگا (یہ بات وہ اکثر مجھے کہتے تھے)

ہمارا جینا، مرنا، محبتیں، نفرتیں سب اللہ کے لئے ہیں اس لئے میری جان! مجھے اتنا نہ چاہو کہ بھلانا مشکل ہو جائے''

میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ''مجاہد بننا آسان ہے لیکن مجاہد کی بیوی بننا بہت صبر آزما کام ہے'' آج مجھے اس جملے کی حقیقت سمجھ میں آ رہی ہے۔

یہ آنسو بہت انمول ہیں.....انہیں یوں ضائع نہ ہونے دو..... یہ کہتے ہوئے وہ میرے آنسو اپنے ہاتھوں میں چھپاتے رہے۔ ہاں! واقعی وہ آنسو انمول تھے قیمتی تھے جنہیں ان کا کندھا ملا کرتا تھا.....خدا جانے اس شخص میں کیا سحر تھا، وہ مجھے اس قدر محبوب کیوں تھا شاید اس لئے کہ مجھے صرف اس سے محبت نہ تھی، بلکہ اس کے مشن سے بھی محبت تھی، اس کے جذبہ جہاد سے پیار تھا اس کی کلاشنکوف سے عشق تھا.....اور آلات حرب وضرب کی ہر چیز سے محبت تھی.....اس لئے وہ شخص یوں دل میں آ بسا کہ آج تک نکل نہ سکا، وہ بچھڑ کر بھی میرے ساتھ ساتھ رہتے ہیں ایک خوبصورت اور حسین یاد کی صورت میں۔

بہر حال آج وہ عظیم سانحہ رونما ہو چکا تھا.....اور میری روح سے اُن سے بچھڑنے کا خوف اتر چکا تھا یہ وہ رات تھی جس کی صبح سے میں نے زندگی کے ایک نئے کٹھن، مصائب وآلام سے پر سفر کی شروعات کرنی تھی۔ کل تک جن راستوں پر وہ مخلص ہم سفر میرے ہم قدم چل رہا تھا، اب ان راہوں پر آہیں اور سسکیاں میری رفیق سفر تھیں۔

روح سے خوف کا یہ سنگ گراں تو اترا
یوں بھی اک روز مجھے تم سے جدا ہونا تھا

* * *

خواب میں شہید کی زیارت

ہجر کی رات سسک سسک کر کٹ رہی تھی مجھے ان کی شہادت کا ہرگز دکھ نہ تھا کیونکہ شہادت تو راہ جہاد کا خاصا اور مجاہد کی مشقتوں کا انجام ہے، ہم لوگ ہر وقت اس سعادت والی موت کی تمنا کرتے تھے البتہ دکھ تھا تو صرف اپنی محرومی کا.....شکوہ تھا تو اپنی کم نصیبی کا.....ساتھ ہوتے ہوئے بھی میں اس سعادت سے محروم رہ گئی۔

کاش! اس شب تاریک میں وہ مجھے صرف ایک بار نظر آتے، جب میں مقتل میں انہیں تلاش کر رہی تھی، تب وہ کہاں تھے، مجھے کیوں نہ ملے؟ مکان میں چار سو اندھیرا تو تھا لیکن میری آواز تو وہ سن سکتے تھے یہ سوالات ایک عرصہ میری نیندیں اڑاتے رہے۔

شفیع بھائی نے ان کے بازو میں گولی لگتے دیکھی تھی بعد میں اخبار میں تصویر دیکھ کر اس بات پر یقین آ گیا کیونکہ زخم پر بہت سی ''سلوشن ٹیپ'' لگی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے وقتی طور پر خون روکنے کے لئے زخم پر ''ٹیپ'' لگا دی۔ بعض احباب کہتے تھے کہ ہو سکتا ہے زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے اُن پر غنودگی یا بیہوشی کی کیفیت طاری ہوئی ہو.....اس لئے وہ میری آواز سن نہ سکے ہوں۔

بہر حال اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے.....میری زندگی کے دن باقی تھے سو میں کیسے مر سکتی تھی۔

کافی رات بیت جانے کے بعد میری آنکھ لگ گئی خواب میں خود کو کسی اجنبی مقام پر کھڑا پایا.....میرے سامنے سے کچھ لوگ جہادیؒ کو ہاتھوں پر اٹھائے لے جا رہے ہیں.....وہ گردن گھما گھما کر میری طرف دیکھ رہے ہیں میں زور زور سے چلانا شروع کرتی ہوں! ارے رکو، چھوڑ دو انکو کہاں لے کر جا رہے ہو انہیں'' وہ آدمی میری آواز سن کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔

جہادی شہید مسکراتے ہوئے میرے پاس آتے ہیں ان کے کپڑے خون سے تر ہوتے ہیں مگر چہرہ بالکل صاف، چہرے پر نہ زخم کا نشان ہوتا ہے نہ خون کا.....میں اُن کو بازوؤں سے پکڑ کر سوال کرتی ہوں کہ..... مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں اور یہ کون لوگ ہیں؟.....جواباً وہ کہتے ہیں ''میں شہید ہوں اب مجھے انہی کے ساتھ ساتھ رہنا ہے'' میں اُن سے کہتی ہوں آپ شہید کہاں ہیں جب یہ لوگ آپ کو لے جا رہے تھے آپ زندہ تھے اور ادھر اُدھر دیکھ بھی رہے تھے.....انہوں نے جواب دیا وہ بظاہر

ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن حقیقت میں اپنے اندر خلوص ومحبت اور وفا شعاری کی ایک داستان سموئے ہوئے ہے انہوں نے کہا ''سعدی! میں تمہیں دیکھ رہا تھا'' اس وقت مجھے اس جملے کی خاص سمجھ نہ آئی لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ شہید وفا غازی باباؒ واقعی مجھے دیکھ رہے تھے اسی لئے وہ اُس وقت تک اپنے مرقد میں نہیں سوئے جب تک میں رہا نہ ہوئی ان کی پاکیزہ روح نے میرے اوپر سایۂ کئے رکھا، جبھی تو واضح ثبوت ہونے کے باوجود کافر میری اصلیت نہ جان سکے اور اس قدر ''سنگین جرم'' میں ملوث ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے باعزت رہائی عطا کی بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کی تدفین شہادت کے پانچویں روز ہوئی ٹھیک اسی روز جس روز میں رہا ہوئی۔

تدفین میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ اسلام کے اس مایۂ ناز جرنیل کو دیکھنے کے لئے بھارتی فوج اور حکومت کے اعلیٰ افسران دہلی سے سرینگر آتے رہے.....ساڑھے نو سال غازی باباؒ سے مار کھانے والی زخم خوردہ فوج نے سکھ کا سانس لیا، انڈیا میں دو دن جشن کا سماں رہا.....لیکن حقیقت میں وہ اب بھی ان زخموں کی چبھن محسوس کر رہے ہونگے۔

بزدل فوجیوں نے شہادت کے بعد انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کی مکروہ کوشش کی.....تبھی تو ''شہباز'' کا بازو بھی جسم سے علیحدہ کر دیا.....یہی وہ بازو تھا جس نے درجنوں بھارتی سور ماؤں کو خاک وخون میں تڑپا کر جہنم واصل کر دیا تھا۔ اور یہی وہ بازو تھا جس نے دہلی کے ایوانوں میں بیٹھے بھارتی حکمرانوں کی شہ رگ کو پکڑ کر یہ باور کرایا کہ مشرکو! تم یہ مت بھولو کہ کشمیری مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کر تم امن وسکون سے رہو گے.....اسلام کے فدائی تمہاری گردن ناپنے کے لئے دہلی تک بھی آسکتے ہیں۔

بالآخر 3 ستمبر 2003 کو امت مسلمہ کا قابل فخر جرنیل اپنے پامال لاشے سمیت رب کا مہمان بن گیا اور امت مسلمہ کے خوابیدہ نوجوانوں کو یہ پیغام دے گیا

وضو ہم اپنے لہو سے کر کے خدا کے ہاں سرخرو ہیں ٹھہرے
ہم عہد اپنا نبھا چکے ہیں تم فرض اپنا بھلا نہ دینا

* * *

بھارتی فوج کا پراپیگنڈہ

صبح میں نے نصرت کو خواب سنایا اور کہا وہ کسی طرح معلوم کرے کہ انہیں کس جگہ دفنایا گیا ہے نصرت نے جواب دیا کہ اس کا بھائی پہلے ہی اس کام میں لگا ہوا ہے۔ انشاءاللہ وہ بہت جلد پتہ چلا لے گا اس وقت ہمیں ساتھیوں کے متعلق بھی کوئی خبر نہ تھی کہ کون کدھر ہے البتہ نصرت کو عیدگاہ میں مشتاق بھائی (M.D پوائنٹ والے) ملے تھے ان کے بقول ساتھی میرے حوالے سے بہت پریشان ہیں.....اس وقت نصرت کو بھی میری کوئی خبر نہ تھی اس لئے وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکی۔

مجاہدین نے پہلے دن غازی باباؒ کی شہادت کی خبر کی تردید کر دی اور یہ بیان جاری کیا کہ ''وہ بخیر وعافیت ساتھیوں میں موجود ہیں'' یہ بیان جاری کرنے کا مقصد دشمن کو تذبذب کا شکار کرنا تھا کہ آیا وہ غازی باباؒ ہی ہیں یا کوئی اور.....اس بات سے واقعی بھارتی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ چنانچہ اگلے دن فوجی ذرائع نے سرینگر کے معروف اخبار (الصفاء) میں یہ خبر شائع کر دی کہ۔

''غازی بابا کی اہلیہ بی ایس ایف کی تحویل میں ہے اسے خفیہ رکھا گیا ہے اور اس کے ذریعے سے ہی ہم نے غازی بابا کو شناخت کر لیا۔ اس بات پر یقین کیا جا سکتا تھا اس لئے مجاہدین نے خاموشی اختیار کر لی کیونکہ میرا اچانک غائب ہو جانا میری گرفتاری کی تصدیق کرتا تھا دوسری طرف بھارتی ذرائع کا یہ دعویٰ بالکل ہوا میں تیر چلانے جیسا تھا کیونکہ نہ میری اصلیت ان پر ظاہر ہوئی اور نہ ہی جہادی شہید کی میت دکھائی گئی پھر شناخت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ شاید ان کا یہ بیان مجاہدین کا ردِعمل

دیکھنے کے لئے ہوتا کہ وہ بات کی تہہ تک پہنچ سکیں لیکن اللہ پاک نے ان کے وہ عزائم خاک میں ملا دیئے اور اپنے بندوں پر کھلی نصرت بھیج دی۔

میرے گھر والوں سے لے کر دیگر احباب تک سب کی نظریں ٹی وی سکرین پر لگی ہوئیں تھیں غازی بابا شہید کا موضوع کئی دنوں تک میڈیا پر چھایا رہا سب کا خیال تھا کہ اگر میں گرفتار ہوں تو آج یا کل مجھے کیمرے کے سامنے لایا جائے گا۔لیکن اللہ پاک کا لاکھ شکر ہے جس نے دشمن کی آنکھوں پر پردہ ڈالے رکھا اور مجھے اس صبر آزما، اذیت ناک مرحلے سے بچالیا۔

* * *

ایک بہن کا عظیم ایثار

ان کی شہادت کے تیسرے روز نصرت عیدگاہ گئی لوگوں کا جم غفیر بدستور وہاں موجود تھا.....ایک مرتبہ اس کی ملاقات مشتاق بھائی سے ہوئی.....انہوں نے نصرت کو بتایا کہ ہم ''دیدی کی گرفتاری کی خبر سن چکے ہیں آپ کو بھی علم ہو گیا ہوگا آپ یہ معلوم کریں کہ انہیں کس جگہ رکھا گیا ہے باقی کام ہم لوگ کر لیں گے۔

آپ کل شام اسی جگہ آیئے گا.....تب میں پتہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں یہ کہہ کر نصرت گھر واپس آ گئی اور سوچ و بچار میں پڑ گئی سرینگر میں گرفتار ہونے والی خواتین کو پہلے رام باغ تھانے میں رکھا جاتا ہے جو ایک تفتیشی مرکز بھی ہے یہ صرف عورتوں کے لئے مختص ہے البتہ ہماری وہاں موجودگی کے دوران وہاں ایک ''مرد'' قیدی بھی تھا۔

اس تھانے کا کنٹرول اسپیشل ٹاسک فورس یعنی S.T.F کے ہاتھ میں ہے حتیٰ کہ کشمیر کی بیٹیوں پر پوچھ تاچھ کے نام پر بہیمانہ تشدد بدنام زمانہ ''کارگو'' کیمپ کے آفیسرز کرتے ہیں۔تفتیش کے بعد جس پر جرم ثابت ہو.....اسے سنٹرل جیل اور دیگر جیلوں میں منتقل کیا جاتا ہے چنانچہ آج بھی سنٹرل جیل میں کئی کشمیری خواتین قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہی ہیں۔

نصرت تین ماہ قبل رام باغ سے رہا ہو کر آئی تھی وہ سولہ دنوں کے بعد ضمانت پر رہا ہوئی اور ابھی تک اس کا کیس چل رہا تھا۔اردو کا محاورہ ہے کہ.....''سانپ کا ڈسا رسیوں سے بھی ڈرتا ہے'' مگر اس بہادر بہن نے ایک مرتبہ سانپوں کے بل سے بمشکل بچ کر آنے کے بعد بھی یہ کام اپنے سر لیا وہ پہلے دشمن کی نظروں میں آ چکی تھی اگر انہیں ذرا بھی شک پڑتا کہ اس کا تعلق غازی باباؒ سے منسلک لوگوں سے ہے تو اس پر مصائب کے پہاڑ توڑے جاتے لیکن اسے کسی مشکل کی پرواہ نہ تھی کیونکہ وہ ایک بہادر دلیر مجاہدہ تھی اس کے علاوہ میرے ساتھ اس کا تعلق بھی بہت گہرا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ تلاش کی شروعات کہاں سے کی جائے سب سے پہلے اسے ''رام باغ'' کا خیال آیا.....مگر وہاں جانے میں مسئلہ یہ تھا کہ ادھر کا سارا عملہ اسے پہچانتا تھا.....اچانک اسے وہ ''پولیس والی'' یاد آئی نصرت نے اس کے ساتھ قید کے دنوں میں اچھے تعلقات بنائے تھے پولیس والی نے بھی کافی حد تک اس کے ساتھ تعاون کیا تھا.....گھر سے آنے والی کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ نصرت آتے ہوئے اپنا سارا سامان اس کو دے آئی تھی جس پر وہ اس کی بہت عقیدت مند ہو گئی تھی.....

چنانچہ نصرت نے اس سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا.....پھر اس نے اپنے ذہن میں ایک انوکھا منصوبہ بنایا.....اگلے دن وہ علی الصبح گھر سے نکلی سب سے پہلے لال چوک گئی وہاں سے رنگ برنگی چوڑیوں کا ایک ڈبہ اور کچھ دیگر چیزیں خرید لیں اپنے منصوبے سے پوری طرح مطمئن ہو کر وہ بے دھڑک رام باغ پولیس اسٹیشن جا پہنچی.....گیٹ پر کھڑے پہریدار کے ذریعے متعلقہ لڑکی کو بلوا بھیجا خوش قسمتی سے وہ ادھر موجود تھی وہ خوشدلی سے آ کر ملی اور اسے اندر لے گئی.....حال احوال پوچھنے کے بعد نصرت نے اسے بتایا کہ وہ دو ماہ سے جموں رشتہ داروں کے پاس گئی تھی.....(حقیقت میں وہ اتنا عرصہ بھارتی فوج کے ڈر سے روپوش رہی تھی).....واپسی پر سوچا کہ آپ کے لئے کوئی تحفہ لے جاؤں کیونکہ آپ نے مشکل وقت میں میری مدد کی تھی.....پولیس والی نے خوشی سے تحفہ وصول کیا اب وہ پوری طرح اس مجاہدہ کے دام میں آ گئی تھی اور کھل کر گپ شپ لگا رہی تھی باتوں باتوں میں

نصرت نے پوچھا.....آج کل کوئی قیدی وغیرہ ہے کہ نہیں؟.....ہاں! غازی بابا کے کیس میں کچھ بچے اور عورتیں ہیں.....اس نے راز داری سے کہا.....اچھا!.....وہ کون لوگ ہیں؟ نصرت نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا.....کپواڑہ کے رہنے والے ہیں.....آج کل صفا کدل میں رہتے تھے.....ان کے گھر میں ''غازی بابا'' کی خفیہ ہائیڈ تھی.....پورا گھر تباہ ہوگیا ان کا.....کبھی ان لوگوں پر ترس آتا ہے.....چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے ساتھ ایک بچی بہت ہی پیاری ہے.....اس کے ہاتھ میں چاندی کے کنگن ہیں.....جب وہ فیڈر کے لئے روتی ہے تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے (اشارہ فاطمہ کی طرف تھا).....نصرت ڈوبتے دل کے ساتھ اس کی باتیں سن رہی تھی اب اس کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ ہم لوگ ہی ہیں.....تاہم اپنی تسلی کے لئے اتنا کہہ دیا کہ مجھے بھی دکھاؤ وہ کون لوگ ہیں.....پولیس والی نے معذرت کر لی کہ آج ان لوگوں کو'' کارگو کیمپ'' لے جایا گیا ہے.....نصرت کا مشن مکمل ہو چکا تھا.....اس سے رخصت ہو کر وہ تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گھر واپس آئی راستہ بھر اسے تصور میں میری دردناک چیخیں سنائی دے رہی تھیں ہاں کچھ عرصہ قبل اُن در و دیوار نے اس کی دردناک چیخیں بھی سنی تھیں، میرا کیس تو اتنا بڑا نہ تھا لیکن سعدی تو.....اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہ پائی.....واقعی یہ بہت سنگین معاملہ تھا غازی بابا سے نسبت کوئی چھوٹی بات نہ تھی اس کے باوجود میری اتنی جلدی رہائی پر سب حیران تھے اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے جبکہ صفا کدل کے ایک افسر کے ہاتھ میرے کچھ ثبوت بھی لگے تھے.....وہ ایک کشمیری مسلمان تھا.....اور بعض اوقات پولیس یا فوج میں ایسے افسر کی موجودگی مجاہدین کے لئے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے دوسری طرف میری رہائی کے سلسلے میں شبنم باجی نے بھی خاصی دوڑ دھوپ کی.....انہیں اندازہ تھا کہ ان کے بچے ایک نہ ایک دن چھوڑ دیئے جائیں گے لیکن میری حقیقت معلوم ہونے کے بعد میری رہائی مشکل ہی نہیں ناممکن بن جائے گی.....وہ روزانہ اس وقت نئے وزیراعلیٰ کشمیر ''مفتی محمد سعید'' کی بیٹی محبوبہ مفتی کے پاس جاتی رہیں.....محبوبہ مفتی وزیراعلیٰ کی بیٹی ہونے کے علاوہ کشمیر اسمبلی کی وزیر بھی تھیں۔ شبنم باجی نے ان کے پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ میری بھانجی جو مہمان بن کر ہمارے پاس آئی تھی اسے رہا کیا جائے.....اس کے سسرال کا مسئلہ ہے.....وہ لوگ اسے طعنے دیں گے۔

وہ بھی چونکہ ایک عورت تھی اور مسلمان بھی اس نے تعاون کا یقین دلایا.....اس کے علاوہ سرینگر سے لے کر تراال تک اور کشمیر سے لے کر پاکستان تک ہزاروں ہاتھ میرے لئے دعا گو تھے اور مجاہدین کی دعاء تو انبیاء کی دعاؤں کی طرح قبول ہو جاتی ہے.....سو اللہ تعالیٰ نے مجھے رہائی نصیب فرمائی۔

میری رہائی کے بعد ایک ایس ٹی ایف اہلکار نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا وہ بہت چالاک اور شاطر لڑکی ہے اس نے ہمیں دھوکے میں رکھا اور اس کی رہائی کے لئے اوپر سے فون آیا.....اس بات سے اندازہ ہوتا ہے شاید محبوبہ مفتی کے تعاون سے میری رہائی عمل میں آئی۔

بہرحال بات کافی دور نکل گئی شام کو نصرت نے عیدگاہ کے مقام پر مشتاق بھائی کو بتایا کہ ہم لوگ رام باغ میں ہیں۔

* * *

ایک اور آزمائش

نصرت کے گھر میں میرا دوسرا دن تھا۔ صبح کا وقت تھا اچانک گیٹ پر دستک ہوئی ہم سب چوکنے ہو گئے بھائی نے گیٹ کھولا آگے تیمور بھائی کو کھڑا پایا وہ نصرت سے بات کرنا چاہتے تھے اور جلدی میں تھے.....نصرت فوراً گیٹ پر گئی تیمور بھائی کا سانس پھولا ہوا تھا اور بہت پریشان نظر آ رہے تھے نصرت نے آمد کی وجہ پوچھی تو وہ بولے.....عثمان بھائی ہمارے گھر میں تھے میں صبح کسی کام سے بازار گیا واپسی پر دیکھا پی ایس ایف نے پورے محلے کا کریک ڈاؤن کیا ہے میں وہاں سے ہی واپس بھاگا مجھے خدشہ ہے عثمان بھائی گرفتار نہ ہوئے ہوں کیونکہ فائر وغیرہ کی بھی آواز نہیں آئی.....آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ احتیاطاً

آپ گھر میں نہیں ٹھہرنا کیونکہ ہم دونوں یہاں سے کئی دفعہ اسلحہ لے کر گئے ہیں اس کو علم نہ تھا کہ میں ادھر موجود ہوں وہ صرف نصرت کو اطلاع دینے کی غرض سے آیا تھا..... یہ اطلاع دے کر تیمور بھائی گیٹ سے ہی واپس چلے گئے یہ خبر سن کر ہماری کمر مزید ٹوٹ گئی..... یا اللہ اب کہاں جائیں؟.....اماں جی سے مشورہ کیا انہوں نے یہی کہا کہ آپ دونوں کچھ دنوں کے لئے کہیں چلی جاؤ ہر طرف طوفان برپا ہے ایسا نہ ہو پھر کوئی مشکل بن جائے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان ظالموں سے بچایا یہ اس کا احسان ہے اب احتیاط کی ضرورت ہے.....اب تم دونوں تیاری کرلو.....ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئیں اندر آتے ہی میں بستر پر ڈھے گئی یا اللہ کیسی آزمائش ہے میں کہاں جاؤں ہمارے سارے ٹھکانے پکڑے جا چکے ہیں.....آزمائش کی اس گھڑی میں میرے سر پر کوئی دست شفقت رکھنے والا ہے نہ آنسو پونچھنے والا ان حالات میں یہ لوگ ہی میرا سہارا ہیں یہ سب لوگ مجھے بالکل اپنوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہر ایک میرے دکھوں کا بوجھ اپنے سر لینے کا خواہاں ہے.....اے اللہ میرے گھر والے، عزیز و اقارب سب مجھ سے دور ہیں لیکن تو تو شہ رگ سے بھی قریب ہے تو مجھے اس مشکل گھڑی میں تنہا نہ چھوڑنا اور اپنی رحمت سے دور نہ کرنا آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے.....سعدی! حوصلہ رکھو میری بہن میں جانتی ہوں کہ اس وقت آپ کو ہم سب کے سہارے کی ضرورت ہے لیکن..... کچھ نہ کہو نصرت.....اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں.....ادھر رہنا کسی صورت بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ آپ بھی دشمن کی نظروں میں ہو.....پھر کیا سوچا آپ نے؟.....اس نے پوچھا.....میرے ذہن میں فی الحال بہن جی والوں کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں اگر ان کا گھر محفوظ رہا ہو تو امید ہے وہاں سے بھائیوں کی بھی کوئی خبر مل جائے لیکن ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے.....وہ کونسی بات؟.....اس نے بے چینی سے پوچھا.....نصرت آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہائیڈ سے دشمن کو میرے کچھ ٹھوس شواہد ملے ہیں پولیس آفیسر نے بات کو اُدھر ہی ختم کیا لیکن جلد یا بدیر فوج کو پتہ چل ہی جائے گا میں برقعہ اوڑھ کر کسی حد تک محفوظ تو ہو جاؤں گی لیکن سیرت فاطمہ میرے لئے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ رام باغ سے لے کر صفا کدل، خانیار کیمپ تک سب نے اسے دیکھا ہوا ہے

اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے میں سیرت کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی.....ہم دونوں بڈگام جائیں گی وہ ویسے بھی میرے ساتھ مانوس ہے آپ کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے.....نصرت کی بات سے مجھے کچھ تسلی ہوئی واقعی بچی اس کے ساتھ کافی حد تک مانوس تھی کبھی کسی خاص کام کے سلسلے میں جاتے وقت میں اسے نصرت کے پاس ہی چھوڑ جاتی تھی..... لیکن اولاد سے دور ہو کر ماں کے دل کو کب قرار آتا ہے اس خیال نے دل کو پریشان کیا مگر فوراً ہی میں نے دل کو سمجھایا کہ اصل جہاد تو اب شروع ہوا ہے پہلے راہ جہاد کی کٹھن راہوں پر جہادی شہیدؒ جیسا مضبوط حصار میرے اردگرد ہوتا تھا اب ان دشوار گذار راہوں پر مجھے تنہا سفر کرنا ہے قربانی دینے کا مزہ تو اب ہے اس لئے مجھے حوصلہ بلند رکھنا چاہیے اگر میں تھک گئی یا ٹوٹ گئی تو منزل مجھ سے اور دور ہو جائے گی.....صبح دس بجے میں نے ان دونوں کو اشک بار آنکھوں سے الوداع کہا اور خود اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی رابعہ کی امی میری دگرگوں حالت دیکھ کر ساتھ چل پڑیں ان کے بقول میری حالت اتنی خراب تھی کہ انہیں خدشہ ہوا کہ میں راستے میں کہیں گر نہ جاؤں.....ہم نے سیدھے راستے کے بجائے دوسرا متبادل راستہ پکڑا جو خاصا لمبا تھا کیونکہ مین روڈ پر جگہ جگہ بنکرز بنے ہوئے ہیں اور ایک دو جگہ تلاشی بھی ہوتی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد ہم بمنہ کراسنگ پر پہنچے وہاں سے M.D پوائنٹ تھوڑا ہی دور تھا میں نے آنٹی سے گذارش کی کہ اب وہ واپس چلی جائیں وہ بذات خود ایک مجاہدہ خاتون تھیں اور کئی عسکری اصولوں سے واقفیت رکھتی تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی اصرار کے دعائیں دے کر مجھے رخصت کیا میرے ماتھے پر محبت کے بوسے نچھاور کئے اور خیال رکھنے کی بھرپور تاکید کی۔

* * *

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

پندرہ بیس منٹ کے بعد میں بہن جی کے گھر پہنچ گئی وہ مجھے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں یہ وہ لوگ تھے جن کی جہادیؒ کے ساتھ پرانی شناسائی تھی مجھ سے پہلے وہ لوگ انہیں جانتے تھے ان کی وفائیں شروع سے لے کر آخری دم تک غازی باباؒ کے ساتھ تھیں حالانکہ اس ''جرم'' میں بھارتی فوج نے ''زرّنہ گاندربل'' میں واقع ان کا آبائی گھر مسمار کر دیا اور ان کے بڑے بھائی کا سر قلم کر دیا..... یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ میری کتاب ''جہاد ہند کا شہباز جرنیل'' میں موجود ہے اس لئے یہاں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے دونوں میاں بیوی ''شہید'' کی یاد میں دیر تک آنسو بہاتے رہے میں سوچ رہی تھی کہ وہ کون سی آنکھ ہے جو اس مرد مجاہد کی جدائی میں اشکبار نہیں ہے وہ کونسا دل ہے جو ان کے فراق میں سوگوار نہیں میں جہاں بھی جاتی ہوں کشمیر کے لوگوں کو ان کے غم میں نوحہ کناں پاتی ایسے میں مجھے خیال آتا تھا کہ شاعر نے یہ شعر انہی کے لئے کہا ہے

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

کچھ حالت سنبھلی تو بہن جی میرے لئے چائے بنا لائیں میں نے ان سے ساتھیوں کے متعلق پوچھا تو وہ گویا ہوئیں:

اس دن یعنی 30 اگست کو عادل بھائی عرف حیدرؒ (ہٹیاں بالا آزاد کشمیر) اُدھر موجود تھے مشتاق بھائی صبح حسب معمول کام پر نکلے لیکن تھوڑی دیر بعد واپس آ کر بولے کہ شہر کے تمام راستے بند ہیں اور نور باغ صفا کدل میں فوج اور مجاہدین کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہو رہی ہے.....حیدر بھائی سخت پریشان ہوئے کہ نجانے وہاں کون ساتھی ہے انہوں نے ٹی وی چلایا تمام کارروائی براہ راست دکھائی جا رہی تھی.....غازی باباؒ کے محاصرے میں آنے کی خبر بار بار آ رہی تھی یہ خبر انتہائی پریشان کن تھی چنانچہ سب نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر ان کی حفاظت کی دعائیں مانگیں لیکن اوپر تقدیر لکھی جا چکی تھی تھوڑی دیر بعد انہوں نے مکان سے باہر آ کر دشمن پر آخری اور سخت حملہ کیا اس کے بعد وہ جام شہادت نوش کر گئے.....ان کا چہرہ نظر آتے ہی دونوں میاں بیوی بے قرار ہو کر رونے لگے لیکن حیدر بھائی انہیں تسلی دینے لگے کہ ''اللہ کا شکر ہے یہ غازی باباؒ نہیں ہیں یہ تو عابد بھائی ہیں''

حیدر بھائی کی اس بات نے دونوں کو حیران کر دیا لیکن جلد ہی انہیں اصل بات سمجھ آ گئی کہ استاد جی ہر کسی کے سامنے اپنا آپ ظاہر نہیں کرتے تھے اس لئے حیدر بھائی انہیں ''عابد'' سمجھ رہے ہیں.....حیدر بھائی کچھ عرصے سے سرینگر میں ان کے ساتھ کام کرتے رہے تھے اس لئے ہر ضروری یا غیر ضروری کام میں وہ ساتھیوں کے ساتھ ہوتے.....اس لئے وہ انہیں عام مجاہد سمجھ رہے تھے.....لیکن مشتاق بھائی والے انہیں پہلے سے جانتے تھے اور رفاقت کی طویل یادیں بھی ان سے وابستہ تھیں اس لئے لمحہ بہ لمحہ ان کا دکھ بڑھتا جا رہا تھا.....ٹی وی پر ان کا لہولہان لاشہ دیکھ کر تڑپ رہے تھے ان کی آہ وزاری دیکھ کر حیدر بھائی تعجب سے بولے بھائی شکر کرو اللہ پاک نے بڑے نقصان سے بچایا غازی بابا کا سن کر تو میری دھڑکنیں رکنے لگیں تھیں۔

تب انہوں نے حیدر بھائی کو سمجھایا کہ اسرار و رموز کے پردوں میں چھپا یہ روشن ستارہ ہی تو غازی باباؒ تھا وہ اس بات پر یقین کرنے پر تیار ہی نہ تھے جب انہیں یقین دلایا گیا تو وہ اپنا صبر وضبط کھو بیٹھے وہ اس بات پر ہمیشہ افسوس کرتے رہے کہ میں غازی بابا کی زیارت کی حسرت لئے کہاں کہاں پھرتا رہا.....مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جن کے ساتھ دن بھر میں ہنسی مذاق اور خوش گپیاں کرتا رہتا ہوں وہی میرے محبوب کمانڈر ہیں۔

اگلے دن ایک اور ساتھی عثمان خالد (ٹوبہ ٹیک سنگھ) بھی ادھر آ پہنچے ادھر ہائیڈ کا بھی کوئی انتظام نہ تھا گھر والے چاہتے تھے کہ یہ دو مجاہد کسی محفوظ مقام کی طرف چلے جائیں لیکنسر سینگر میں کرفیو لگا ہوا تھا.....اور شہر سے نکلنے کے تمام راستے بند تھے حیدر بھائی کو دو تین ماہ ہو چکے تھے اس لئے کچھ علاقوں اور راستوں سے واقفیت تھی البتہ خالد بھائی بالکل نئے تھے اور ان حالات میں حیدر بھائی بھی کوئی رسک نہیں لے سکتے تھے کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ دشمن کہاں کہاں بیٹھا ہوا ہے.....عثمان بھائی جو علاقے میں سینئر تھے ان سے بھی کوئی رابطہ نہ تھا.....کیونکہ اس وقت سیٹ پر رابطہ کرنا اپنی لوکیشن ظاہر کرنا تھا.....اور تیمور بھائی کی اطلاع کے مطابق وہ گرفتار بھی ہو سکتے ہیں یہ گھمبیر مسئلہ بن چکا تھا۔

* * *

ایک سوال اور اس کا جواب

ہوسکتا ہے یہ داستان پڑھتے ہوئے قارئین کے ذہن میں یہ خیال ہلچل مچا رہا ہو کہ آخر وہ مخبر کون تھا جس کی وجہ سے غازی بابا کی شہادت کا واقعہ پیش آیا..... وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بنا پر مجاہدین کو اس قدر نقصانات اٹھانا پڑے؟

یہ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے لیکن اس کا جواب اتنا ہی مشکل اور وضاحت طلب ہے..... یہ ایک ایسی گتھی ہے جسے سلجھانے کے لئے طویل صفحات درکار ہونگے..... بہرحال بعض باتوں کی وضاحت ضروری بھی ہے اور فائدہ مند بھی ہے اس لئے میں مختصر انداز میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہتی ہوں کہ ان کی شہادت کے ساتھ ہی جو چھاپوں اور گرفتاریوں کا وسیع سلسلہ شروع ہوا اس کے پیچھے کیا وجوہات تھیں۔

دراصل بات یہ تھی کہ شہادت سے کچھ دن قبل وہ پاکستان آنے کا پروگرام بنا رہے تھے شاید ستمبر کے آخر تک ہماری روانگی بھی ہوجاتی اس وجہ سے جہادی شہیدؒ نے ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے نائب راشد بھائی کو سونپ دیا تھا ساتھ ہی عثمان بھائی کو یہ حکم دیا کہ ان کی تشکیل کسی اور علاقے میں کی جارہی ہے لہٰذا وہ سرینگر، صفا کدل اور گاندربل کے تمام علاقوں کا سیٹ اپ انصار بھائی کو سمجھا دیں یہ کام ہفتے عشرے تک مکمل کرلیں۔

ہماری بدقسمتی کہیں یا اللہ رب العزت کی طرف سے بڑی آزمائش کہ عین اس وقت جب عثمان بھائی نے 95 فیصد کام انصار بھائی کے سپرد کیا، اور انہیں تمام رہائشی پوائنٹ، سامان رکھنے کی جگہیں اور سول میں کام کرنے والے مقامی افراد و ذرائع کے بارے میں مکمل واقفیت کرادیں، اچانک انصار بھائی گرفتار ہوگئے..... جس کی وجہ سے سماں ہی بدل گیا۔

وہ B.S.F کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ابتدائی انٹراگیشن میں دشمن ان سے کچھ اہم راز اگلوانے میں کامیاب ہوگیا، ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ دشمن اتنی پھرتی کا مظاہرہ کرے گا اور پہلے ہی مرحلے میں ان سے راز لینے میں کامیاب ہوجائے گا..... اس کے باوجود جہادی نے اسی رات عثمان بھائی کے ذریعے قمروادی K.P پوائنٹ سے کچھ اہم کاغذات ،میٹرکس اور کچھ اسلحہ نکلوالیا۔

29 کی صبح قمروادی میں چھاپہ پڑا دشمن نے یہ زبردست چال چلی کہ نہ نذیر بھائی کی گرفتاری کا راز افشاء ہوا نہ ہی اس وقت انہوں نے ہائیڈ کے ساتھ تعرض کیا۔

نذیر احمد پر خوفناک تشدد کرکے اس سے مستری کا پتہ لگایا گیا..... کیونکہ دشمن جانتا تھا کہ مستری کو یقیناً دوسری ہائیڈوں کا بھی علم ہوگا..... مستری نثار احمد اور نذیر احمد دونوں ''کوکرناگ'' (اسلام آباد) کے رہنے والے تھے..... 29 اگست کو دن کے وقت کوکرناگ میں چھاپہ پڑا بدقسمتی سے مستری گھر میں موجود تھا اسے گرفتار کیا گیا اور شامل انٹراگیشن کیا گیا..... چنانچہ اس کی نشاندہی پر رات کے ڈھائی تین بجے ہماری ہائیڈ پر چھاپہ پڑا..... یہ تمام کارروائی دشمن کی کوئی منصوبہ بندی نہ تھی محض ایک قدرتی امر تھا..... یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا 28 اگست کی شام کو انصار بھائی کی گرفتاری 29 کی صبح نذیر احمد اور اسی دن سرینگر سے کئی کلومیٹر دور کوکرناگ سے مستری کو گرفتار کرلیا گیا۔ مستری بھی اتنی دور کا ہونے کے باوجود رات کے اندھیرے میں سیدھا صفا کدل آ پہنچا۔

حالانکہ جہادی ایسے افراد کو جگہ کا اصل نام نہیں بتاتے اور انہیں گلیوں میں گھما پھرا کر غیر معروف راستوں سے پوائنٹ تک لے آتے..... تاکہ انہیں اصل جگہ کا علم نہ ہوسکے بہرحال یہ دنیا کی مسلمہ حقیقت ہے کہ تقدیر کے آگے تدبیریں فیل ہوجایا کرتی ہیں۔

غازی باباؒ کی شہادت کی تصدیق کے بعد دشمن کے لئے انصارؒ بھائی کی اہمیت بڑھ گئی اور ان کی انٹراگیشن کے لئے انٹیلی

جنس اداروں کی اسپیشل ٹیمیں آ گئیں پھر انہوں نے انصارؒ بھائی پر جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ مختلف انجیکشن لگا کر بہت سی اہم معلومات حاصل کر لیں۔ جس کی مدد سے دشمن نے سرینگر، گاندربل، صفاپورہ اور ترال تک بہت سے علاقوں میں چھاپے مار کر کئی ہائیڈیں اور اسلحہ پکڑ لیا۔ اس کے علاوہ سول میں کام کرنے والے اہم ترین افراد کو بھی دھر لیا گیا۔

* * *

مجاہدین پر کیا بیتی

ان کی شہادت کے بعد مجاہدین کے لئے دوسرا اہم مسئلہ جو تھا وہ یہ سوال تھا کہ ہماری بہن اور سیرت فاطمہ کہاں اور کس حال میں ہیں..... اگر دشمن کے بقول وہ گرفتار ہو گئیں ہیں تو..... ان کی رہائی کی کیا صورت ہو گی؟..... میری گرفتاری مجاہدین کے لئے بہت بڑا صدمہ اور غیرت کا امتحان تھا، ان حالات میں جبکہ وہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں بھی نہ تھے زندہ رہنا دشوار اور موت کو گلے لگانا آسان معلوم ہوتا تھا۔

اس وقت سرینگر میں عثمان بھائی..... حیدر بھائی اور عثمان خالد (ٹوبہ ٹیک سنگھ) موجود تھے تینوں میں صرف عثمان بھائی علاقے میں پرانے اور وہاں کی فیلڈ سے مکمل واقف تھے..... حیدر بھائی علاقے میں بالکل نئے آئے تھے..... عثمان بھائی اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے دونوں ساتھیوں کو محفوظ مقام کی طرف نکالنا چاہتے تھے بلکہ غازی بابا شہیدؒ کے بدلے میں انتقامی کارروائی بھی کرنا چاہتے تھے..... وہ چاہتے تھے کہ ساتھی زیادہ دور بھی نہ ہوں تاکہ بوقت ضرورت اگر کارروائی یا میری رہائی کے سلسلے میں ان کی ضرورت پڑے تو انہیں بلانے میں دشواری نہ ہو..... اب مسئلہ یہ تھا کہ ساتھیوں کے ساتھ رابطہ کیسے قائم ہو اس کی صرف دو صورتیں تھیں کہ یا تو وائرلیس سیٹ پر پرانے نمبروں اور ٹائم پر رابطہ کیا جائے (جن کا دشمن کو انصار بھائی کے ذریعے علم ہو چکا تھا) جس کا یہ نقصان تھا کہ دشمن کو مجاہدین کی لوکیشنز سمجھنے میں آسانی ہوتی..... دوسری صورت یہ تھی کہ خود جا کر ساتھیوں کو وہاں سے نکال لیں لیکن اس کے لئے انہیں ایک لمبا راستہ طے کرنا تھا کیونکہ ساتھی بمنہ میں تھے اور عثمان بھائی سوپور بائی پاس کی طرف..... حالات اتنے خراب تھے کہ انہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی لیکن جب پانی سر سے گذر جائے تو انسان ساری احتیاطیں چھوڑ دیتا ہے سو انہوں نے پہلا رسک لیتے ہوئے ساتھیوں کو ایک درمیانی جگہ آنے کا کہا..... اور وہاں پہنچ کر ان سے ملاقات کی..... چنانچہ انہوں نے دونوں مجاہدین کو گاندربل کی طرف نکلنے کا کہا..... اور حیدر بھائی کو بتایا کہ آپ وہاں سلیم بھائی سے ملیں..... فلاں جگہ اسلحہ وغیرہ موجود ہے وہ ان کے ساتھ مل کر کسی اور جگہ محفوظ کر لیں تاکہ بوقت ضرورت میں آپ کو بلاؤں تو آپ بمع اسلحہ مجھ سے آ ملیں تب تک میں فاطمہ اور بہن جی کا پتہ کراؤں گا ان تین پستلوں اور تین گرنیڈوں سے ہم ان کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے..... ساتھیوں نے کہا ٹھیک ہے آپ جب ہم کو بلائیں گے ہم انشاءاللہ پہنچ جائیں گے..... انہوں نے رابطے کے اوقات اور فریکوئنسی نمبر تبدیل کر کے ساتھیوں کو رخصت کیا..... ساتھیوں کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ اس بات پر غور و فکر کرنے لگے کے فاطمہ والوں کے بارے میں کس سے معلوم کریں..... مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ تمام لوگ جن کی مدد سے وہ معلومات کرا سکتے تھے گرفتار ہو چکے تھے..... دوسری بڑی وجہ جو ان کے لئے بہت بڑا مسئلہ بن چکی تھی یہ تھی کہ 21 جون کو ان کی اور غازی بابا شہید کی قمر وادی چوک میں B.S.F کے ساتھ جو جھڑپ ہوئی تھی اس میں عثمان بھائی کا شناختی کارڈ دشمن کے پاس ہی رہ گیا تھا (یہ واقعہ شہباز جرنیل میں مفصل آیا ہے) اب انصار بھائی کو پکڑنے کے بعد دشمن اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ لوگ کس ''بھیس'' میں کام کرتے ہیں چنانچہ ایک طویل عرصے کے بعد یہ راز طشت از بام ہو گیا کہ..... سرینگر میں دن دھاڑے درجنوں بھارتی فوجیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہ کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟..... یہ سوال دو سال تک بھارتی ایجنسیوں کے لئے دردسر بنا رہا اور اب انصار بھائی کی گرفتاری اور غازی باباؒ کی شہادت کے بعد یہ راز افشاء ہو چکا تھا..... عثمان بھائی کے کارڈ پر موجود تصویر اسی ''بھیس'' میں

تھی جس میں وہ کام کر رہے تھے جوان کی شناخت کا بڑا ذریعہ تھی.....دشمن نے اس تصویر کو کئی انچ بڑی کر کے اور مختلف کاپیاں بنوا کر کیمپوں میں لگوا دیں.....دشمن جان چکا تھا کہ یہ آدمی غازی باباؒ کا قریبی ساتھی ہے اس لئے گرفتار ہونے والے ہر شخص سے ان کے بارے میں پوچھ تاچھ کی جاتی تھی کئی لوگوں کو بکتر بند گاڑیوں میں بٹھا کر سرینگر کی سڑکوں پر ان کی تلاش شروع ہوگئی جب دشمن ہر موڑ پر گھات لگائے بیٹھا ہوا ہو، تمام ذرائع بھی مسدود ہو چکے ہوں.....اس وقت انسان دعاؤں کے سوا کر ہی کیا سکتا ہے وہ بہت جذباتی قسم کے انسان تھے اور اس وقت چونکہ سب سے زیادہ قریب بھی وہی تھے چنانچہ اپنے اوپر عائد ذمہ داری کا تقاضہ انہیں کچھ کرنے پر اکسا رہا تھا.....انہیں غازی باباؒ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت تھی اور جہادی شہیدؒ بھی ان کے کام اور اخلاص کی اکثر تعریف کرتے رہتے تھے اب جب ان کے استادؒ کی عزت دشمن کی قید میں تھی اور وہ کچھ کرنے سے قاصر تھے ان حالات میں وہ خود کو غم والم کے پہاڑ کے نیچے دبا ہوا محسوس کر رہے تھے.....اگر ہمارے محبوب ترین کمانڈر کی عزت پر آنچ آ گئی تو ہمارے لئے زندہ رہنا بے کار ہے..... چنانچہ انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک بہن جی اور ننھی سیرت فاطمہ کو صحیح سلامت نہ دیکھوں گا یا انکی شہادت کی کوئی مصدقہ اطلاع نہ پاؤں گا کوئی میٹھی چیز حلق سے نہ اتاروں گا.....واضح رہے اس وقت اخبارات میں ہمارے حوالے سے مختلف خبریں آ رہی تھیں اور شہادت کی خبریں بھی آ رہی تھیں یہ افواہیں بھی پھیل گئیں تھیں کہ وہ گھر کے اندر موجود تھیں اور ملبہ کے نیچے دب کر شہید ہوگئی ہیں.....رابعہ کی امی اور نصرت دو دفعہ صفا کدل آئیں اور اس ملبے کے ڈھیر کو میرا مدفن سمجھ کر رو دھو کر واپس ہوگئیں، خیر زندگی اور موت کے مالک نے مجھے زندہ رکھنا تھا سو اب تک زندگی کی قید میں ہوں.....تیسرے دن انہوں نے اپنے کل اثاثے ایک میگا روف پسٹل، وائرلیس سیٹ اور 5 عدد گرنیڈ سنبھالے اور وہاں سے نکل کھڑے ہوئے گھر والوں نے انہیں بہت سمجھایا کے حالات سخت خراب ہیں صفا کدل، نور باغ کے پورے علاقے میں کرفیو نافذ ہے ایسے میں باہر نکلنا نقصان کا باعث بن سکتا ہے لیکن انہوں نے کسی کی نہ سنی اور نکلنے کا مصمم ارادہ کر لیا.....گھر والوں نے کہا ٹھیک ہے مگر ہم آپ کو اکیلا نہ جانے دیں گے مالک مکان جسے ساتھی بھائی جان کہتے تھے نے اپنا موٹر سائیکل نکالا اپنی 9 سالہ بچی کو آگے بٹھایا اور عثمان بھائی کو پیچھے بیٹھنے کا کہا.....عثمان بھائی تذبذب کا شکار ہوئے اور ان سے کہا بھائی جان نہ جانے آگے کیا حالات پیش آئیں گے آپ اور بچی کے لئے مشکل پیدا ہوگی.....بس ہماری فکر چھوڑ دیں ہماری جانیں آپ کی جانوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں..... بھائی جان کے اصرار پر وہ ان کے پیچھے بیٹھ گئے وہ ایک لمبا راستہ کاٹ کر راضیہ کدل کے ایریئے میں پہنچ گئے وہاں سے انہوں نے بھائی جان کا شکریہ ادا کر کے انہیں واپس بھیجا اور خود پیدل تیمور بھائی کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے.....تیمور بھائی کا کچھ تعارف میری کتاب ''شہباز جرنیل'' میں ہو چکا ہے وہ بوقت ضرورت مسلح ہو کر کام کرتے تھے مگر عموماً سول انداز میں رہتے تھے ان کا گھر شہر کے گنجان آباد علاقے ''نوہٹہ'' میں تھا.....اس کا محل وقوع ایسا نہ تھا کہ رہائش کے طور پر استعمال کیا جا سکے اس لئے مجاہدین وہاں پر سامان وغیرہ رکھتے تھے تیمور بھائی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن غازی باباؒ کی جدائی میں رونے لگے عثمان بھائی نے انہیں تسلی دی اور کہا تیمور بھائی.....استاد جی کی شہادت ہمارے لئے کڑی آزمائش ہے مگر اس وقت بہن جی اور انکی بچی کی حفاظت ہمارا اولین فرض ہے پھر انہوں نے تیمور بھائی کو تمام حالات بتائے اور کہا کہ میں آپ کے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ ان دونوں کا پتہ کرا دیں.....آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں میرے خیال میں سب سے پہلے صفا کدل تھانے سے معلوم کرنا چاہئے کیونکہ ابتدائی کیس ادھر ہی بنا ہوگا تیمور بھائی نے انہیں یقین دلایا کہ وہ یہ کام انتہائی جان فشانی سے کریں گے.....رات کو انہوں نے طوبیٰ کے ذریعے حیدر بھائی سے رابطہ کیا.....ان کے بحفاظت پہنچنے پر اللہ کا شکر ادا کیا حیدر بھائی نے گاندربل اور صفاپورہ کے حالات انتہائی تشویشناک بتائے اب وہ انہیں واپسی بھی نہیں بلا سکتے تھے کیونکہ ان کے پاس کوئی محفوظ ٹھکانہ نہ تھا سو خیال رکھنے کی تلقین کر کے سیٹ بند کر لیا.....اگلے دن تیمور بھائی علی الصبح صفا کدل کی طرف روانہ ہوئے اور انہیں ادھر ہی ٹھہرنے کا کہہ دیا..... تیمور بھائی کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد انہیں عجیب سی بے چینی اور گھٹن محسوس ہونے لگی..... یا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامی کیفیت بھی کہہ سکتے ہیں.....ان کا دل انہیں وہاں سے نکلنے پر اکسا رہا تھا چنانچہ وہ گھر والوں کو یہ کہہ کر وہاں سے نکل گئے کہ میں شام کو واپس آؤں گا شام تک وہ یوں ہی ادھر

اُدھر وقت گذارتے رہے مغرب سے ذرا دیر قبل وہ دوبارہ تیمور بھائی کی طرف جانے لگے اچانک راستے میں انہیں ایک مقامی لڑکا ملا وہ انہیں پہچانتے ہی ان کی طرف دوڑ پڑا اور ان سے لپٹ کر رونے لگا یہ ننھا اور کم سن مجاہد ''عمر'' تھا جو ہچکیوں کے درمیان ان سے کہہ رہا تھا..... بھائی جان..... آپ کہاں پھر رہے ہیں آپ کو معلوم نہیں حالات کتنے خراب ہو گئے ہیں..... غازی بابا شہید ہو گئے ہیں..... خدا کے لئے آپ اپنا خیال رکھیں انہوں نے زار و زار روتے عمر کو تسلی دی اور ان کے گھر کی خیریت پوچھی وہ بولا ہمارے گھر میں خیریت ہے البتہ آج (تیمور بھائی کے علاقے کا نام لے کر بولا) اُدھر چھاپہ پڑا ہے اس طرف ہرگز نہ جایئے گا یہ سن کر ان کا ماتھا ٹھنکا پھر اس سے تفصیل پوچھی..... معلوم ہوا کہ ان کے وہاں سے نکلنے کے آدھ پونہ گھنٹہ بعد ہی وہاں B.S.F اور S.T.F نے چھاپہ مارا گھر سے کچھ بارود بھی پکڑا گیا ہے وہ یہ سمجھے کہ شاید تیمور بھائی کو صفا کدل تھانے میں کسی نے پہچان لیا ہے اور وہ گرفتار کر لئے گئے شاید یہ چھاپہ بھی ان کی نشاندہی پر پڑا ہو مگر بعد میں یہ شک غلط ثابت ہوا ان کے صفا کدل پہنچنے سے قبل ہی انہیں گھر میں چھاپے کی اطلاع مل گئی وہ یہ سمجھے کہ عثمان بھائی گرفتار یا شہید ہو نگے..... اسی روز تیمور بھائی نے نصرت کے گھر آ کر ہمیں اطلاع دی اور پھر خود بھی کسی گاؤں میں روپوش ہو گئے کیونکہ اب ان کی تلاش بھی شروع ہو چکی تھی اب وہ بے حد پریشان ہو گئے..... تیمور بھائی گرفتار نہ بھی ہوئے ہوں تب بھی وہ گھر کا رخ نہیں کریں گے کیونکہ گھر سے بارود پکڑا گیا تھا اب رہی سہی آخری اُمید بھی ختم ہو گئی انہیں سوچوں میں گم پا کر عمر بھائی بولے بھائی جان آپ پریشان ہو گئے..... کیا وہاں کوئی ساتھی موجود تھا؟..... اور ابھی آپ نے کدھر جانا ہے؟..... دوسرے سوال پر وہ چونک گئے اور سوچنے لگے کہ اب وہ کہاں جائیں گے جبکہ رات بھی شروع ہو گئی ہے عمر بھائی اگرچہ نوعمر تھا مگر انتہائی جذباتی اور جوشیلا نوجوان تھا جہاد اور مجاہدین کے ساتھ بے پناہ تعاون کرتا تھا..... بھائی عبدالرحمٰن قندھاری اکثر ان کے گھر ٹھہرتے تھے عمر کی ذہنی تربیت بھی اسی عظیم مجاہد کے ہاتھوں ہوئی تھی وہ جہاد میں شامل ہونے کے لئے ہمیشہ ضد کرتا تھا لیکن وہ نہ صرف کم عمر بلکہ اپنے گھر کا واحد ''مرد'' تھا اس لئے ساتھی اس کو سمجھا بجھا کر ٹال دیا کرتے تھے..... عثمان بھائی کو پریشانی میں مبتلا دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ ادھر ہی جا رہے تھے وہ انہیں اپنے گھر لے گیا گھر والے انہیں جانتے تھے کیونکہ وہ ایک دفعہ انصارؒ بھائی کو لے کر ادھر گئے تھے..... انہیں انصار بھائی کی گرفتاری کا بھی علم ہو چکا تھا اس کے باوجود انہوں نے مجاہد کو بخوشی گھر کی دوسری منزل میں ٹھہرالیا سونے سے قبل انہوں نے تمام کمروں میں گھوم پھر کر جائزہ لیا تاکہ اگر چھاپہ پڑا تو کہاں مورچہ سنبھال کر لڑا جا سکے گا..... رات آہستہ آہستہ گذر رہی تھی وہ بستر پر لیٹے لیٹے خود کو کسی نئی آنے والی مصیبت کے لئے تیار کر رہے تھے ان حالات میں نیند کا آنا خواب وخیال ہی تھا آخر ہم کب تک یوں چھپتے پھرتے رہیں گے آخری ہی سہی ہمیں کوئی اقدام کرنا چاہیے..... چنانچہ انہوں نے ایک حتمی فیصلہ کیا اور طوبیٰ کے ذریعے حیدر بھائی وغیرہ کو اگلے دن سرینگر آنے کا کہا..... پتہ نہیں اس رابطے کا کیا نتیجہ نکلے گا اس سے قبل تیمور بھائی کے گھر سے بھی انہوں نے صرف ایک رابطہ کیا تھا اور صبح وہاں چھاپہ پڑا یوں لگ رہا تھا جیسے دشمن دن رات ان کے رابطوں پر کان لگائے بیٹھا رہتا ہے وہ دیر تک تفکرات کے جنگل میں بھٹکتے رہے پھر نہ جانے رات کے کس پہر انہیں نیند آئی..... تقریباً نصف شب کا وقت تھا ان کے دروازے پر دستک ہوئی انہوں نے فوراً اپنا اسلحہ سنبھالا اور حالات کا جائزہ لینے لگے دوسری دستک کے ساتھ ہلکی سی آواز آئی بیٹا دروازہ کھولو..... انہیں اطمینان ہوا کہ آرمی نہیں ہے دروازہ کھولا تو سامنے عمر بھائی کی والدہ اور بہن کو پایا بیٹا آپ ہوشیار ہو جائیں سامنے سڑک کے پار ٹاسک فورس کی گاڑیاں آ کر رکی ہیں ہم چھت سے صورت حال دیکھتے ہیں ان کے چہروں پر ذرا بھی خوف نہ تھا..... حالات کے ستائے ہوئے اس مسافر نے اسلحہ باندھا، جوتے پہنے اور کھڑکی سے حالات کا جائزہ لینے لگا اس گھر سے سو میٹر دور ایک سڑک تھی اس کے پار والے محلے میں چھاپہ پڑا تھا گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تلاشی ہوتی رہی بالآخر 1 بجے کے قریب گاڑیاں واپس ہوئیں اب سب کی نیند اڑ چکی تھی اور باقی رات سب لوگوں نے جاگتے ہوئے اور ذکر واذکار کرتے ہوئے گذاری صبح ہوتے ہی وہ وہاں سے نکل گئے حیدر بھائی سے ملاقات کے لئے مقررہ جگہ پہنچے دونوں ساتھی پہلے سے ہی موجود تھے ان کے ساتھ ایک مقامی ساتھی سلیم بھائی بھی تھے حیدر بھائی نے انہیں بتایا کہ صفاپورہ اور گاندربل سے کون کون اہم لوگ گرفتار ہوئے اور جس سامان کو محفوظ کرنے کے لئے انہیں گاندربل بھیجا گیا تھا وہ

انکے پہنچنے سے چند گھنٹے قبل پکڑا جا چکا تھا ساتھی بروقت وہاں پہنچ گئے تھے لیکن دن دھاڑے وہ سامان دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتے تھے اس لئے رات کا انتظار کیا جبکہ دشمن دن رات کی قید سے آزاد کام کر رہا تھا انہوں نے رات ہونے سے قبل ہی سامان پر قبضہ کر لیا..... دونوں ذمہ داروں کی شہادت اور پے در پے حادثات کی وجہ سے مجاہدین انتہائی دلبرداشتہ ہوئے تھے، بڑوں کا سایہ سر سے کیا اٹھا تھا کہ حالات کی تند و تیز آندھی انہیں خشک پتوں کی طرح اڑائے پھر رہی تھی چنانچہ حیدر بھائی کہنے لگے..... بھائی جان! استاد جی کی شہادت اور بہن کی گرفتاری کے بعد ہماری زندگیوں کا کیا فائدہ ہمیں دشمن پر حملہ کرنا چاہیے بے شک جان ہی چلی جائے کم سے کم ضمیر کا بوجھ تو اترے گا..... حیدر بھائی کی تقریر سن کر شدت جذبات سے سب کی آنکھیں بھیگ گئیں پھر عثمان بھائی بولے..... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں حیدر بھائی! اب حالات واقعی برداشت سے باہر ہو رہے ہیں اگر بہن جی کی عزت پر کوئی آنچ آئی تو ہم استاد جی شہید کو کیا جواب دیں گے میں نے اسی لئے آپ دونوں کو بلایا ہے کہ اس حوالے سے کوئی آخری اور حتمی فیصلہ کر لیں۔

مجاہدین کے جذبات دیکھ کر سلیم بھائی آگے بڑھے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں خدا کے لئے جذبات کی بجائے ہوش سے کام لیں سلیم بھائی! یوں بزدلوں کی طرح بیٹھے رہنے سے اچھا ہے ہم شہادت پا کر سرخرو ہو جائیں ہم لوگ تو شہادت کی تلاش میں یہاں آئے ہیں حیدر بھائی نے پرعزم لہجے میں کہا..... لیکن آپ لوگوں کے پاس نہ رہنے کی جگہ ہے نہ ہی مکمل سامان..... اس مختصر سے اسلحہ کے ذریعے آپ کا اپنا دفاع بھی مشکل ہے کیا آپ لوگوں کو استاد جی شہید کی نصیحت یاد نہیں رہی کہ ''حقیر سے فوجی کے لئے جان خطرے میں نہ ڈالنا''..... عثمان بھائی! ایک مجاہد کی جان بہت قیمتی ہے میرا مشورہ ہے فی الحال آپ لوگ سرینگر سے نکل جائیں حالات بہتر ہونے پر دوبارہ آ کر کام کو سنبھالیں استاد جی شہید کے مشن کو آگے بڑھائیں اور پھر دشمن سے انتقام بھی لے لیں، انشاء اللہ دشمن کو غازی باباؒ کا خون بہت بھاری پڑے گا، دشمن کو معلوم ہو چکا ہے کہ آپ تین افراد ہی ادھر موجود ہیں اور اس فیلڈ سے واقف ہیں وہ آپ لوگوں کو بڑی شدت سے تلاش کر رہے ہیں تاکہ اس فیلڈ کے جاننے والے تمام افراد کو ختم کر کے نجات حاصل کر لیں..... سلیم بھائی نے لمبی تقریر کی اور یہ بھی کہا کہ آپ لوگ بہن جی کی وجہ سے پریشان ہیں تو اس حوالے سے میں آپ کو مکمل معلومات کر کے دوں گا..... سلیم بھائی انتہائی ہوشیار قسم کے سابقہ مجاہد تھے کئی دفعہ گرفتار ہوئے اور جیل حکام سے ساز باز کر کے رہائی حاصل کرتے اور دوبارہ کام شروع کر دیتے غازی بابا شہیدؒ کے قریبی لوگوں میں سے تھے مجاہدین نے ان کا مخلصانہ مشورہ قبول کر لیا ان کے ساتھ اگلے دن ملاقات کا وقت طے کر کے رخصت ہو گئے..... عثمان بھائی نے سوپور سے مقامی ساتھی عامر بھائی کو پہلے ہی بلوایا ہوا تھا تاکہ ایمرجنسی کی مدت میں وہ ساتھیوں کے کام آ سکیں انہوں نے عامر بھائی سے ملاقات کر کے دونوں ساتھی ان کے حوالے کئے اور انہیں سوپور جانے کا کہہ دیا..... دونوں مجاہد اصرار کرنے لگے کہ ہم آپ کو یہاں ان حالات میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے یا آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں یا ہم بھی ادھر ہی رہیں گے انہوں نے بڑی مشکل سے ساتھیوں کو قائل کیا اور کہا سلیم بھائی سے صورت حال معلوم کر کے وہ خود بھی سوپور آئیں گے کسی ایمرجنسی کی صورت میں آپ کو بلا لوں گا چار و ناچار وہ لوگ جانے کے لئے تیار ہوئے۔ عثمان بھائی اب آئندہ کے معاملات پر غور و فکر کرنے لگے ان کے پاس اب صرف ''بائی پاس والا پوائنٹ'' ہی باقی رہ گیا تھا مگر وہ کافی دور تھا آنے جانے میں کئی مشکلات درپیش تھیں اگلے دن انہوں نے اسی علاقے میں سے یعنی نوہٹہ کے گردونواح میں سلیم بھائی سے ملاقات کرنی تھی مجبوراً انہوں نے رات پھر عمر بھائی کے گھر گذارنے کا فیصلہ کیا۔

رات خیریت سے گذر گئی صبح نماز فجر کے بعد عمر بھائی دوڑتے ہوئے ان کے پاس آ گئے بھائی جان پورے محلے کا کریک ڈاؤن ہو گیا ہے فوج بڑی تیزی سے گھیراؤ کر رہی ہے..... عمر نے ورزشی لباس پہنا ہوا تھا اور اس وقت وہ باہر ورزش کے لئے ہی گیا تھا عثمان بھائی نے اس کو کہا تم اسی انداز میں دیکھ کر آؤ آرمی کہاں کہاں موجود ہے..... عمر بھائی بھاگتے ہوئے گئے اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر بولے قبرستان والی سائیڈ خالی ہے جلدی کریں نکلتے ہیں..... چنانچہ دونوں چھوٹی چھوٹی گلیاں کراس کرتے ہوئے اور دشمن سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے علاقے سے نکل گئے..... اسی دن انہوں نے سلیم بھائی سے ملاقات کی اور

انہیں صبح کے واقعے کے بارے میں بتایا..... سلیم بھائی بولے..... میں نے آپ کو پہلے بھی کہا کہ ادھر رہنا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر ہے..... خیر اس بات کو رہنے دیں..... بہن جی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا عثمان بھائی نے ان سے الٹا سوال کیا..... میں نے صفا کدل تھانے پتہ کروایا ہے..... ان کی رپورٹ کے مطابق مالک مکان محمد شفیع اور ان کی اہلیہ زیر حراست ہیں..... اسکے علاوہ ان کی دو بیٹیاں اور بھانجی گرفتار ہوئی تھیں..... بیٹی اور بھانجی ایک ایک بچے کی ماں ہیں دونوں کی شادی سوپور میں ہوئی ہے تین چار دن کی تفتیش کے بعد بے گناہ ثابت ہونے پر انہیں رہا کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ اس کیس میں کوئی بھی خاتون گرفتار نہیں ہے سلیم بھائی کی معلومات سے کسی قدر تسلی ہوئی کہ ہوسکتا ہے وہ گرفتار نہ ہوں یا پھر ان دو خواتین میں سے ایک ہوں بہر حال انہوں نے کہا وہ اس معاملے میں مزید معلومات کریں گے..... اس کے بعد عثمان بھائی ''بائی پاس'' بھائی جان والے پوائنٹ پر چلے گئے..... ٹھیک ایک ہفتہ بعد سلیم بھائی نے انہیں بتایا کہ بہن جی دشمن کو دھوکہ دے کر نکل گئی ہیں لیکن انڈین آرمی کو ان کی دوبارہ شدت سے تلاش ہے..... انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا دوسرے تیسرے دن اس علاقے کا بھی کریک ڈاؤن ہو گیا گھر کے اندر کچھ اینٹیں وغیرہ پڑی ہوئی تھیں گھر والوں نے اینٹوں کو اس انداز میں رکھا کہ اندر ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ بنے اور باہر کیجانب اینٹیں برابر نظر آئیں..... وہ اپنا سامان لے کر اندر بیٹھ گئے گھر والوں نے اوپر سے اینٹیں برابر کر دیں..... بہر حال یہ دشمن کے لئے ایک نظری دھوکہ تھا لیکن اللہ پاک نے دشمن کو اندھا کیا اور انہوں نے اس طرف توجہ نہ دی بالآخر کپواڑہ کے ذمہ دار قاری آصف صاحب نے ان بکھرے ہوئے مجاہدین کو کپواڑہ بلا لیا..... یوں غازی باباؒ کی شہادت کے ستر ہویں دن سرینگر کے محاذ کا آخری مجاہد کپواڑہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ تھے وہ دردناک حالات جو غازی باباؒ کی شہادت کے بعد مجاہدین پر گذرے..... اب اصل کہانی کی طرف آتے ہیں۔

* * *

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

اس دن میں بہن جی کے گھر ہی تھی شام کے وقت سلیم بھائی بھی ادھر آ پہنچے وہ مشتاق بھائی کے علاقے سے ہی تعلق رکھتے تھے دونوں کے آپس میں گہرے تعلقات تھے..... بہر حال میں انہیں نام کی حد تک جانتی تھی مگر جہادی شہیدؒ سے اکثر ان کا ذکر سنا تھا..... گھر والوں نے انہیں میری گرفتاری اور رہائی کا بتایا انہی کی زبانی ہمیں ساتھیوں کے حالات اور خیریت کا علم ہوا..... انہوں نے پردے میں مجھ سے بات کی اور صفاپورہ سے گرفتار ہونے والے میرے کئی عزیز و اقارب کے بارے میں بتایا بہر حال میں ان کے لئے دعاء کے سوا کیا کر سکتی تھی..... انہوں نے جہادی شہیدؒ کی جدائی پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرنے کے بعد کہا کہ ''آپ کی حفاظت ہمارا اولین فرض ہے ہم آپ کے بھائی زندہ ہیں لیکن ادھر آپ کسی طور بھی محفوظ نہیں ہیں کیونکہ آرمی نے مشتاق بھائی کے آبائی علاقے میں ان کی تلاش شروع کر دی ہے..... انہوں نے گھر والوں کو بھی مشورہ دیا کہ وہ لوگ بھی کچھ دنوں کے لئے گھر میں نہ رہیں..... کیونکہ ساتھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے اور ایک عارضی سی ہائیڈ بھی وہاں موجود تھی..... سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ فوج نے سرینگر میں تمام کرایہ داروں اور نئے رہائشیوں کی چھان بین شروع کر دی تھی ان حالات میں وہاں ٹھہرنا حماقت کے سوا کچھ نہ تھا حالات ایک مرتبہ پھر ٹھکانہ چھوڑنے کا تقاضہ کر رہے تھے مگر جائیں تو جائیں کہاں؟..... زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ہم پر تنگ ہو رہی تھی..... یا اللہ تیری راہ کے یہ لٹے ہوئے مسافر کہاں اپنا سر چھپائیں تیرے دشمنوں نے ہمارے گرد حصار تنگ کر لیا ہے اے مالک کائنات تو ہمیں اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے..... میری حالت ایسی تھی جیسے تپتے صحرا میں کوئی مسافر راستہ بھول گیا ہو اور اپنے کارواں سے بچھڑ گیا ہو جب فاطمہ یاد آتی تو میرا دل مزید تڑپنے لگتا تھا میں نہیں جانتی تھی کہ اس کا کیا حال ہے اور کیا میں اسے دوبارہ دیکھ سکوں گی کہ نہیں..... کاش! میرے پاس سرف ایک پسٹل ہوتا پھر میں ایک جگہ بے فکر ہو کر بیٹھی رہتی اور دشمن سے ٹکراؤ ہونے کی صورت میں شہادت پا لیتی

لیکن ابھی کئی آزمائشیں باقی تھیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

* * *

کنگن کی طرف سفر

رات کو ہم نے تمام حالات پہ غور وفکر کر کے وہ جگہ چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کر لیا..... طے یہ ہوا کہ صبح میں اور بہن جی کنگن کی طرف جائیں گی وہاں ان لوگوں کے کوئی واقف کار تھے اور کوئی جگہ نہ پا کر پہاڑوں کی وادی کنگن جانے کا فیصلہ کیا..... یہ علاقہ سرینگر سے تقریباً 35 کلومیٹر شمال مشرق میں واقع ہے..... صبح ناشتہ کرنے کے فوراً بعد ہم نے تیاری کر لی جب ہم بمنہ سے روانہ ہوئے عین اس وقت پارم پورہ (قمر وادی) میں زوردار دھماکے ہوئے اس کے بعد فائرنگ شروع ہوئی..... ہر طرف افرا تفری پھیل گئی گاڑیوں کی نقل وحرکت متاثر ہونے لگی ہم لوگ کسی نہ کسی طرح صدرہ پہنچ گئے۔

یہاں سے ہم نے کنگن جانے والی بس پر بیٹھنا تھا اسی دوران یہ خبر پھیل گئی کہ بھارتی درندوں نے پارم پورہ میں دو جوانوں کو بارود باندھ کر انتہائی سفاک طریقے سے شہید کر دیا..... دونوں کے جسم کے پرخچے اڑ گئے فوج کی اس ظالمانہ حرکت پر عوام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی اور احتجاج کی فضا بن گئی..... شہر میں اسی وقت پہیہ جام ہڑتال کا اعلان ہوا جو دو دن جاری رہی دور دراز علاقوں سے آئی ہوئی گاڑیاں واپس جانے لگیں کافی تگ ودو کے بعد ہمیں کنگن جانے والی ایک بس پر جگہ مل گئی..... یہ راستہ گاندربل سے ہوتے ہوئے کنگن سونہ مرگ اور ''دراس کرگل'' تک جاتا ہے سہ پہر کے قریب ہم منزل پر پہنچے میرے لئے وہ علاقہ اور لوگ سب اجنبی تھے پہاڑوں کے حصار میں اور خوبصورت جھرنوں اور آبشاروں والی حسین وادی اپنی مثال آپ ہے عام حالات میں ادھر جاتی تو قدرت کے حسین نظاروں سے خوب لطف اندوز ہوتی لیکن اس وقت مجھے وہ سارے مناظر دھواں دھواں نظر آتے تھے کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جب اندر کی دنیا اداس ہو تو باہر بھی سب کچھ ویران دکھائی دیتا ہے..... بہن جی کو میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ میرے متعلق کچھ نہ بتانا انہوں نے میرا تعارف اپنی سہیلی کے طور پر کرایا..... جو سرینگر سے گاؤں سیر وتفریح کے لئے آئی ہے..... وہ بہت با اخلاق اور ملنسار قسم کے لوگ تھے..... ان کی لڑکیاں زیادہ وقت میرے پاس بیٹھی رہتیں تھیں کیونکہ میرا تعارف ہی اس انداز سے کرایا گیا تھا..... لیکن میں نہ تو وہاں سیر وتفریح کے لئے گئی تھی نہ ہی اس چیز کا دل کرتا تھا آخر کار میں نے پہاڑوں پر چل نہ سکنے کا عذر کر کے بمشکل جان چھڑائی..... وہ بہت صبر آزما وقت تھا مجھے اپنے میزبانوں کے سامنے صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے رکھنا پڑتی تھی جو بہت مشکل کام تھا جہادیؒ کو جدا ہوئے کچھ ہی دن گذرے تھے ان کے جسم کے ٹکڑے، خون میں بھیگا ہوا چہرہ ابھی تک آنکھوں میں بسے ہوئے تھے..... میرے دل کی دنیا اجڑ چکی تھی ان حالات میں مسکرانا تو درکنار آنسوؤں پر قابو پانا ہی انتہائی مشکل کام تھا..... اس گھر میں اکثر جہادی شہیدؒ کا تذکرہ ہوتا تھا کوئی کہتا تھا سنا ہے ان کی بیوی بھی اور ایک بچی بھی..... دوسرا بولتا ارے یہ بھارتی فوج نے یوں ہی شوشہ چھوڑا ہے..... اور ہو بھی سکتا ہے وہ اتنے عرصے سے ادھر لڑ رہے تھے..... پتہ نہیں اس بیچاری کا کیا حال ہوگا..... ہم لوگوں سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہو رہا ہے اس کا تو اتنے قریب کا رشتہ ہے..... اکثر ناشتے اور کھانے کے اوقات میں ان کے بچوں میں اس طرح کی گفتگو ہوتی رہتی میں ساتھ والے کمرے میں چپ چاپ یہ باتیں سنتی رہتی اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی دعائیں مانگتی رہتی تھی..... انتہائی کربناک حالات تھے وہ، ایک طرف اس مخلص ہمسفر کی جدائی دوسری طرف اپنوں سے دوری جو ایسے موقع پر زخموں پر مرہم رکھ دیتے، اس پر مستزاد ہر وقت دشمن کا دھڑکا، بدلتے حالات کبھی کدھر بھاگنے پر مجبور کرتے اور کبھی کدھر دھکیل دیتے تھے اس وقت میں اکثر یہ بات کہتی تھی کہ ''اللہ تعالیٰ'' ان مشرکوں کو غارت کرے انہوں نے

مجھے جہادیؒ کا غم بھی نہ منانے دیا.....اس حقیقت کو جاننے کے باوجود کہ ''شہید'' کی موت دائمی زندگی کی نوید ہے اور شہیدوں پر رویا نہیں کرتے، میں کہتی ہوں کہ وہ شخص ایسا تھا کہ اس کے لئے اگر میری آنکھیں تا عمر روتی رہتیں تب بھی اس کی وفاؤں اور محبت کا حق ادا نہیں ہو سکے گا، ایک مدت گزرنے کے بعد بھی ان کی ہر یاد میرے دل میں زندہ ہے اور یہ زخم اب بھی کبھی کبھی رسنے لگتا ہے۔

* * *

اس کی رحمت نے مجھے سہارا دیا

اس وقت تو تمام زخم ہرے تھے مجھے یاد ہے جب درد فرقت مجھے بے قرار کر دیتا تو میں رات کی تنہائی میں سب سے نظر بچا کر کمرے سے باہر نکل جاتی ارد گرد کھڑے فلک بوس پہاڑوں کو دیکھ کر گماں ہوتا تھا کہ میرا جہادیؒ ان پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے ہاں یہی تو اس کی پناہ گاہیں تھیں..... پھر خیال آتا نہیں وہ ادھر نہیں بلکہ کہیں اور ہے.....مگر کہاں؟.....کیا اس آسمان کی وسعتوں میں، ان ستاروں کے جھرمٹ میں یا کہیں اور؟.....پھر میں انہیں تلاش کرتے کرتے آسمان کی وسعتوں سے آگے کسی اور دنیا میں پہنچ جاتی.....لمحوں میں دنیا سے عدم تک کا سفر طے کر آتی.....زبان پر فقط یہ صدائیں ہوتیں.....اللہ.....اللہ.....اللہ.....اس سے آگے میں کچھ بھی نہ کہہ پاتی کیونکہ وہ تو سب جانتا تھا.....آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں اور زبان پر پُر درد صدائیں.....اللہ.....اللہ.....اللہ.....سبحان اللہ.....اس وقت اسم ''اللہ'' کی جو تاثیر محسوس ہوتی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی شاید پہلے کبھی اتنی عاجزی اور محبت سے اپنے خالق کو پکارا بھی نہ تھا مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی میرے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہے اور بے قرار دل کو قرار آ گیا ہے.....اس کے بعد تو مجھے درد دِل کے لئے نسخہ میسر آ گیا جب ان کی یاد دل کو تڑپانے اور جلانے لگتی میں فوراً گوشۂ تنہائی میں جا کر آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنے پیارے رب کو پکارتی.....اللہ.....اللہ.....اللہ.....تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے یہ غم مجھ پر اس قدر غالب آ گیا ہے کہ ایک ایکپل گذارنا محال ہے یا اللہ تو نے ہی یہ غم دیا ہے تو ہی اس کا دارو (مداوا) کر دے اگر تیری رحمت نے مجھے تھام نہ لیا تو میں ٹوٹ جاؤں گی بکھر جاؤں گی..... مجھے محسوس ہوتا تھا کہ درد میں ڈوبی یہ صدائیں سیدھا عرش تک جاتی ہیں اور آسمان سے گویا آواز آ رہی ہے کہ..... ہاں میری بندی میں بصیر ہوں سمیع ہوں سب کے احوال پر نظر رکھتا ہوں اور غم کے ماروں کی فریاد سنتا ہوں، تو غم نہ کر تجھے صلہ ضرور ملے گا ادھر نہ سہی ایک دوسری دنیا میں جو ہمیشہ رہنے والی ہے.....اس وقت مجھے یہ بات سمجھ میں آئی کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے.....ہم اپنے اللہ سے دل لگا کر تو دیکھیں کہ اللہ پاک ہمارے ساتھ کتنی محبت کرتا ہے اور اپنے بندوں کو کس کس انداز سے نوازتا ہے خدا کی قسم! جب میں پرنم آنکھیں لئے سجدے میں اپنے رب سے باتیں کرتی تو مجھے لگتا تھا کہ میری مہربان ''ماں'' نے مجھے اپنی آغوش محبت میں چھپا لیا..... ہے شاید پڑھنے والوں کو یہ باتیں فلسفہ لگیں.....افسانہ لگیں یا پھر اسے مبالغہ آرائی سمجھا جائے لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ یہ تمام حالات حقیقت پر مبنی ہیں.....مجاہد پر اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی نوازشیں ہوتی ہیں یہ محاذ پر ہی پتہ چلتا ہے میں ایک ادنیٰ اور حقیر سی انسان ہوں.....لیکن اس بات کا مشاہدہ ضرور کیا ہے کہ محاذ پر لڑنے والا مجاہد اللہ رب العزت کے کس قدر قریب ہوتا ہے وہ ایک عجیب قسم کی نورانیت اور روحانیت محسوس کرتا ہے.....میں نے بہت لوگوں کو کہتے سنا کہ محاذ پر دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اور اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے وہ کہیں اور نصیب نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو جہاد کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔

* * *

تیرے ظلم و جبر بالا ہی سہی

ہم نے کنگن میں امن وسکون سے کچھ دن گذارے وہ لوگ بھی خوشدلی کے ساتھ ہماری خدمت کررہے تھے مگر ہم آخر کب تک اُن پر بوجھ بنے رہتے آخر کار ہم نے واپس سرینگر جانے کا ارادہ کرلیا اس وقت سرینگر میں ایک حشر برپا تھا چناروں کی دھرتی ظلم وجور کی آگ میں سلگ رہی تھی اس کے باوجود ہمارے حوصلے بلنداورعزائم پختہ تھے کہ کچھ بھی ہوجاہے کتنے ہی طوفان آئیں راہ جہاد پر ہمارے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ آگے ہی بڑھتے رہیں گے ہم مکار ہندو پر یہ ثابت کریں گے کہ۔

تیرے ظلم و جبر بالا ہی سہی
میرا حوصلہ بھی کمال ہے

ہمیں تازہ ترین حالات کا کچھ علم نہ تھا نہ ہی یہ معلوم تھا کہ مزید کئی خاندان پس زنداں کردیئے گئے اور کئی ہائیڈیں بھی پکڑی گئیں مجھے سیرت فاطمہ کی کچھ خبر نہ تھی کیونکہ اس وقت ہمارے پاس موبائل فون نہیں ہوتے تھے اور پی ٹی سی ایل عموماً ہر گھر میں نہیں ہوتا تھا..... مجھے اس کو دیکھے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ گذر چکا تھا اور اس سے قبل میں نے کبھی اتنے زیادہ دنوں کے لئے اسے دور نہیں کیا تھا اس کا خیال پل پل میرے دل کو کچوکے لگا رہا تھا وہ اپنے ''بابا'' سے بے حد مانوس تھی بلکہ ہم دونوں ہی تو اس کی کائنات تھے اب یوں اچانک اپنی کائنات سے بچھڑ کر اس کے معصوم دل پر کیا بیت رہی ہوگی خدا ہی جانتا ہے.....اس وقت وہ بہت چھوٹی سی تو تھی صرف ایک سال چار ماہ اور تیرہ دنوں کی لیکن قد کاٹھ، ذہانت، اور شرارتوں کی وجہ سے اپنی عمر سے کافی بڑی نظر آتی تھی نصرت نے جب اسے اس کے بابا کی شہادت والی تصویر دکھائی تو وہ فوراً پہچان گئی اور تصویر پر محبت سے بوسہ دیا.....اس کی حرکت نے ہم سب کو رلا دیا تھا تب میں نے اللہ پاک کا شکر بھی ادا کیا کہ کافروں نے ہمیں اس کے بابا کی میت نہ دکھائی ورنہ شاید فاطمہ ان کی میت سے لپٹ جاتی اور بابا جانی بابا جانی کہہ کر انہیں جگانے کی کوشش کرتی.....اکثر وہ انہیں نیند سے جگانے کے لئے ان کے سینے پر سوار ہوتی اور اپنی پیاری آواز میں پکار پکار کر انہیں جگاتی..... پھر دشمن ہمیں آسانی سے شناخت کرلیتا لیکن کافروں کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کیونکہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ تھی اس کا خیال آتے ہی دل کرتا تھا کہ اڑ کر سرینگر پہنچ جاؤں اور اسے واپس بلالوں لیکن اگلے لمحے میں دل کو سمجھاتی کہ مجھے ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رکھنا ہے آخر کار مقررہ وقت پر ہم واپس آئے جب میں نصرت کے گھر پہنچی تو اللہ رب العزت نے ایک ماں کے بے قرار دل کے سکون کا سامان کر رکھا تھا..... وہ دونوں مجھ سے تھوڑی دیر پہلے آچکی تھیں..... فاطمہ سے مل کر یوں لگا جیسے اس کے بابا مجھ سے آملے ہوں نصرت نے مجھے بتایا کہ بچی ابھیتک ''شاک'' کی کیفیت میں ہے کسی بھی فوجی یا وردی والے پولیس اہلکار کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوجاتی اور میری آغوش میں چھپ جاتی تھی..... میں خود بھی محسوس کررہی تھی کہ اس دن کے بعد وہ چپ چپ اور خوفزدہ سی رہنے لگی ہے بھارتی فوج کے مکروہ چہرے اور مظالم دیکھ کر خوف اس کے ننھے دل میں بیٹھ گیا تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ہی کم ہوتا گیا..... میں نے نصرت کو کنگن جانے کی تمام روداد سنائی اور ساتھیوں کے حالات بھی بتائے ان حالات میں رابطے کی کوئی صورت نہیں بن سکتی چلو اللہ کا شکر ہے کہ وہ لوگ خیریت سے ہیں یہ انہوں نے اچھا کیا کہ یہاں سے نکل گئے باتیں کرتے کرتے اس کے چہرے پر اداسیوں کے بادل چھا گئے اور کہنے لگی اب میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی دیکھو تو کیا حالت بن گئی ہے کون خیال رکھنے والا تھا ادھر..... مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ ان دنوں کچھ کھایا پیا ہی نہیں.....رکو! میں آپ کے لئے دودھ لاتی ہوں یہ کہہ کر وہ فوراً باہر نکل گئی اور میں سوچنے لگی آہ میری بہن زندہ رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کھانا ہی تھا یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس لئے ہم اس میں خیانت بھی نہیں کرسکتے کیا پتہ وہ اپنی امانت کب واپس لے لے۔

* * *

قرض کی ادائیگی اور متاثرہ گھرانے کی امداد

میں تمام دن اوپر والے کمرے میں گذارتی بچی کو بھی باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا تاکہ میری وہاں موجودگی کا کسی کو علم نہ ہو اس دوران ایک بات مجھے بہت پریشان کر رہی تھی، دن رات سوچنے کے باوجود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہی تھی..... بات یہ تھی کہ جہادی شہیدؒ نے برزلہ سرینگر میں ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا وہ ایک کشادہ کمرہ کچن باتھ روم اور چھوٹے سے ٹیرس والا خوبصورت سیٹ تھا وہاں عموماً میں رہتی تھی ہم دونوں کے علاوہ نصرت والوں کو اس کا علم تھا کیونکہ نصرت یا اس کی بھتیجی کبھی کبھی میرے ساتھ وہاں رہنے آ جاتی تھیں دو تین ماہ سے ہم نے اس کا کرایہ نہیں دیا تھا اور مجھے حدیث پاک کے یہ الفاظ یاد آ کر بے چینی ہوتی تھی کہ..... خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے..... میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے شہید پر کسی قسم کا بوجھ رہے میں جلد از جلد ان کا قرض ادا کرنا چاہتی تھی لیکن مسئلہ پیسوں کا تھا اس وقت یہ حال تھا کہ کہیں آنا جانا پڑتا تھا تو کرایہ کا انتظام بھی نصرت ہی کرتی تھی..... یہ بات میری طبیعت پر سخت ناگوار گذرتی تھی کیونکہ میں حساس طبیعت کی مالک تھی لیکن اس وقت میں اس قدر مجبور تھی کہ اللہ کے بعد وہی لوگ میرا سہارا تھے..... برزلہ والے گھر میں ہمارا کچھ سامان بھی پڑا ہوا تھا..... چابی میرے پاس ہوتی تھی اور وہ جھڑپ والے دن گم ہو گئی تھی..... میں نے اس بات پر بھی غور و خوض کیا کہ مالک مکان کو کرایہ کے عوض وہ سامان دے دیا جائے لیکن چار پانچ ہزار کی رقم کے آگے اس مختصر سے سامان کی کیا حیثیت دوسری بات شاید وہ اس کے لئے رضامند بھی نہ ہوں..... میری پریشانی کو دیکھتے ہوئے نصرت کہنے لگی آپ فکر نہ کریں ہم دونوں گھر مل کر کچھ انتظام کر لیں گے..... نہیں نصرت خدا کے لئے ایسا کچھ بھی نہ کرنا نہ ہی رابعہ والوں سے بات کرنا..... میں آپ کی بے چینی کو دیکھ کر مشورہ دے رہی ہوں قرض حسنہ کے طور پر ہی سہی بعد میں بھائیوں سے رابطہ کر کے لوٹا دینا نصرت پر جوش انداز میں بولی..... اس کی دلیل میں وزن تھا میں قرض کے طور پر رقم لے سکتی تھی اور رابعہ والوں کے لئے یہ کچھ مشکل بھی نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت کچھ دے رکھا تھا..... لیکن جانے کیوں مجھے قرض لینا شروع سے ہی ناپسند تھا آج بھی میں تھوڑے سے پر بھی گذارہ کر لیتی ہوں مگر قرض لینے سے گھبراتی ہوں میں نے نصرت سے کہا کہا آپ لوگوں کے مجھ پر بہت احسانات ہیں موجودہ حالات میں آپ سب نے میرے ساتھ جو تعاون کیا اور مصیبت کے وقت میرا ساتھ دیا وہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتی لیکن تم اس معاملے کو ادھر ہی رہنے دو اللہ تعالیٰ کوئی سبب بنا دیں گے وہ ہماری مجبوریوں کو خوب جانتا ہے..... عشاء کی نماز پڑھ کر اللہ پاک سے خوب دعائیں کی اور اپنی حاجت اللہ پاک کے سامنے رکھ دی رات کو سونے کے لئے بستر میں لیٹی تو آنکھیں بند کر کے بھی میں یہی سوچ رہی تھی اچانک مجھے یاد آیا کہ میرے پاس ایک سونے کا کڑہ (کنگن) تھا..... وہ کہاں رکھا ہے؟..... اسے میں اتارنے کے بعد بھول ہی گئی تھی..... نصرت کو اٹھایا اور کڑے کی تلاش شروع کر دی ہم دونوں کا سامان ایک ہی بیگ میں ہوتا تھا تھوڑی تلاش کے بعد کڑا مل گیا خوشی سے میری آنکھیں چمکنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشکل آسان فرما دی صبح ہوتے ہی ہم اس کو فروخت کر دیں گے پھر برزلہ جائیں گے میں نے نصرت کو آگاہ کیا..... وہ نہیں چاہتی تھی کہ کڑا فروخت کیا جائے میں نے اس کو سمجھایا..... پیاری بہنا اس دن کام نہ آیا..... تو پھر کب؟..... قبر میں تو لے کر جانے سے رہے ویسے بھی اب مجھے اس کی کیا ضرورت وہ جس کے دم سے یہ سب کچھ اچھا لگتا تھا وہ تو چلا گیا اب چپ چاپ سو جاؤ کل ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں صبح دس بجے ہم لال چوک گئے کڑا سات ہزار سے اوپر رقم میں فروخت ہوا وہاں سے سیدھا برزلہ گئے..... مالک مکان کو ایک دکھ بھری مگر فرضی کہانی سنائی اور تالا تڑوایا ان کی رقم ادا کرنے کے بعد کچھ پیسے بچ گئے ان سے اپنے لئے برقعہ اور کچھ ضروری چیزیں خرید لیں کیونکہ اب تک میں نصرت کے کپڑوں پر ہی گذارہ کر رہی تھی..... چنانچہ ہم نے جلدی جلدی سامان سمیٹنا شروع کیا جس میں ایک گیس سلنڈر، چولہا، ایک عدد کارپٹ، چند برتن اور کھانے پینے کا کچھ سامان شامل تھا یہ سامان ہم نے گھر سے ہی شبنم باجی کو دینے کا ارادہ کیا تھا سو نصرت ان کی بچیوں کے لئے کپڑے وغیرہ بھی ساتھ لائی تھی..... رابعہ نے بھی دل کھول کر تعاون کیا..... اللہ تعالیٰ ان بہنوں کی اخلاص والی قربانیاں قبول فرمائے..... یہ متاع کل ایک رکشے میں سما گئی دوسرے میں ہم دونوں بیٹھ گئیں اور برزلہ علاقے کے ایک دوسرے محلے کی طرف روانہ ہوئیں..... شبنم باجی کا گھر چونکہ مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا تھا

زندگی کی ہر آسائش سے بھرا ہوا گھر انہوں نے اللہ کے راستے میں قربان کر دیا تھا اب وہ لوگ ایک ایک چیز کے لئے محتاج تھے.....قید کے دوران ایک دفعہ ہمیں صفا کدل سے خانیار لے جایا جا رہا تھا ایک پولیس آفیسر کہنے لگا.....کیا خوبصورت گھر تھا.....کیسے کیسے قیمتی سوٹ اس گھر کے ملبے سے نکل رہے ہیں تم لوگوں نے اپنے عیش وعشرت پر خود ہی لات ماردی.....بہر حال اس عقل کے اندھے کو کون بتاتا کہ یہ سب تو دنیاوی چیزیں ہیں پھر مل سکتی ہیں ہم تو اس راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں جو صرف ایک بار ملتی ہے.....ان کا نہ صرف گھر تباہ ہوا بلکہ چھ افراد کا واحد کفیل شفیع بھائی بھی شدید زخمی ہو گئے تھے ابھی تک ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا تھا.....مجاہدین کی کسی گھر میں بھارتی فوج کے ساتھ معرکہ آرائی ہو تو ظالم ہندو ہر حال میں مکان کو تباہ کر دیتے ہیں چاہے مجاہدین باہر آ کر مقابلہ کیوں نہ کریں چنانچہ مجاہدین کا یہ اصول ہے کہ اپنے جنگ زدہ اور متاثرین بھائیوں کے ساتھ کچھ مالی تعاون کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو کچھ ریلیف مل جائے مذکورہ بالا گھرانے کی جہاد کے ساتھ کافی قربانیاں تھیں.....محمد شفیع بھائی کا بڑا بھائی مجاہد تھا اور بھارتی فوج سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو چکا تھا چنانچہ جہادی نظریے کی بنیاد پر انہوں نے اپنی مرضی سے گھر میں ہائیڈ بنوائی لیکن اب ان کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہ تھی اور تعاون کے مستحق تھے مگر خراب حالات کی وجہ سے بروقت تعاون نہ ہو سکا.....جب میں رہا ہوئی اس وقت محمد شفیع ہسپتال میں زیر علاج اور زیر حراست تھے مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ رہا ہوئے ہیں کہ نہیں، نہ ہی ان کے گھر والوں کے بارے میں کچھ علم تھا.....تاہم شبنم باجی کی ایک سہیلی برزلہ علاقے میں رہتی تھی.....رہائی کے بعد پہلی رات ہم اس کے گھر ٹھہرے تھے اسی سے شبنم باجی نے میرے لئے برقعہ لیا تھا انہوں نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ میرے ساتھ رابطہ انہی خاتون کی وساطت سے ہوگا.....میں ادھر رات کے وقت گئی تھی اور صبح سویرے نکل گئی تھی مجھے اس گھر کا صحیح پتہ بھی نہ تھا البتہ ذہن میں راستے کے کچھ دھندلے نقوش باقی تھے خوش قسمتی سے ہمیں گھر تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی خاتون خانہ نے ہمارا بہت اکرام کیا اور بتایا کہ شبنم باجی کل ادھر آ جائیں گی ہم نے سامان ان کے حوالے کیا اور کہا یہ امانت انہیں دے دیجئے گا اور یہ پیغام بھی کہ میں پھر آؤں گی فی الحال اتنا ہی ممکن ہو سکا.....واپسی پر میرا دل مطمئن تھا شہید کا قرض بھی ادا ہو گیا اور شبنم باجی کی تھوڑی بہت امداد کرنے پر مجھے بے حد خوشی ہو رہی تھی شام کو ہم بھوکے پیاسے اور تھکے ماندے گھر واپس آئے.....فاطمہ نے مجھ سے ملکر ناراضگی کا اظہار کیا شاید وہ سمجھی تھی کہ ماں جی پھر مجھے چھوڑ کر چلی گئی.....میں اور نصرت رات کو دیر تک جاگتی رہتی تھیں کیونکہ اس کے سوا میرا کوئی غمخوار نہ تھا اور وہی میری ہمراز بھی تھی اس رات پھر ان کی قبر کا ذکر چلا دل بے قرار ہو گیا کیونکہ بھائی جان کی کوششوں کے باوجود اس حوالے سے کچھ معلوم نہ ہوا تو دل گھبرا سا گیا.....آخر ظالموں نے میرے شہید کو کہاں چھپا دیا؟.....پہلے تو کسی شہید کے ساتھ ایسا نہ ہوا یہ سوچ کر میرا دل پھٹنے لگتا تھا کہ آخر وہ اچانک کہاں چھپ گئے نہ جنازہ دیکھا نہ قبر کا پتہ، بھلا ایسے بھی کبھی دل کو قرار آئے گا.....میں نے تو اس رات انہیں اپنے سامنے ہنستا مسکراتا اور جیتا جاگتا ہی دیکھا تھا بھلا میں کس طرح دل کو یقین دلاؤں کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔

میں نے نصرت کو بتایا کہ اب میں نے خود انہیں تلاش کرنا ہے آخر کب تک صبر کریں چلو قبر کی زیارت کر کے شاید دل کو صبر آ جائے.....ہم دونوں یہ کام کر لیں گی مگر کچھ دن مزید صبر کرنا ہوگا زیادہ گھومنے پھرنے سے پرہیز کرنا ہوگا کیونکہ حالات ابھی ٹھیک نہیں ہیں نصرت کی بات سن کر میں خاموش ہو گئی اور سوچنے لگی کہ اب صبر، صبر اور صبر ہی میرا مقدر ہے۔

* * *

کہاں تلاش کروں تجھے

اگلے دن نصرت کسی کام سے باہر چلی گئی وہاں میرے رہنے کے لئے ایک کمرہ مختص تھا اس طرف گھر والے کم ہی آتے تھے کیونکہ میں شروع سے ہی تنہائی پسند کرتی ہوں یہ بات سب جانتے تھے ان دنوں تنہائیوں میں جہادی کو یاد کرنا اچھا لگتا تھا مگر

ایک ڈائری اور قلم میری تنہائیوں کی ساتھی تھے کیونکہ ان کے ساتھ میں ''اس کی'' بہت سی باتیں کرتی تھی..... انہیں جدا ہوئے مہینہ بھی نہیں ہوا تھا لیکن مجھے لگتا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں میں دنوں، ہفتوں کا شمار بھول گئی تھی اور یوں محسوس کر رہی تھی کہ میں کئی صدیوں سے جہادیؒ کے بچھڑنے کا دکھ سہہ رہی ہوں..... اس دن بیٹھے بیٹھائے دل میں ایک درد سا اٹھا کہ میں ان کی قبر تلاش کروں جانتی تھی کہ وہ بہشت شھداء میں نہیں ہیں پھر بھی کسی کو بتائے بغیر وہاں چلی گئی وسیع وعریض جگہ پر بنی قبروں کو دیکھ کر خیال آیا ایک میں ہی تو نہیں جس کا کوئی بچھڑ گیا ہے یہاں نہ جانے کتنی ماؤں کے لال، بہنوں کے سکون اور سہاگنوں کے سہاگ ان قبروں میں جا چھپے ہیں، ہری بھری بیلوں اور مختلف اقسام کے پھولوں کے درمیان سب کس قدر سکون سے سوئے ہوئے ہیں مگر ایک وہ نہ تھا جو میرے دل کا قرار تھا..... ابو غازی شہیدؒ کے مرقد منور کے پاس قدم رک گئے یہ اللہ کا شیر حرکۃ الانصار کا سابقہ چیف کمانڈر تھا..... آہ ابو غازیؒ کچھ دیر ان کے مبارک نام کو آنکھیں تکتی رہیں میرے شہید کی قبر پر بھی اسی طرح لکھا ہوگا..... غازی بابا شہید۔

اے اللہ کے شیرو! تمہاری قربانیوں کو سلام اپنی جوانیاں اسلام پر قربان کرنے والو تمہاری عظمت کو سلام ہو میرے اوپر گریہ طاری ہوا اور ادھر ہی بیٹھ گئی..... (واضح رہے کہ بہشت شہداء میں شہیدوں کی تدفین میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کسی عورت کے گزرنے سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہو چونکہ عورت کو قبرستان جانے سے نے منع کیا گیا ہے مگر ان نوجوان شہیدوں کے لواحقین کب رکتے ہیں سو اس کا طریقہ یہ نکالا گیا کہ قبروں کی ایک قطار کے بعد پختہ راستہ بنایا گیا ہے اس کے بعد دوسری قطار پھر راستہ اسی ترتیب سے تمام قبریں بنی ہیں)..... کچھ دیر بعد میں نے دیکھا ایک نورانی صورت والے بزرگ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے برقعے میں ہونے کے باوجود ان کے لئے میری حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا انہوں نے شفقت سے سوال کیا..... بیٹا کہاں سے آئی ہو؟..... اس وقت کوئی مصلحت نہ سوجھی اور بے اختیار کہہ دیا..... جو مجاہد صفا کدل میں شہید ہوئے ان کی قبریں کہاں بنائی گئیں ہیں وہ حیران نظروں سے میری طرف دیکھتے رہے سب جانتے تھے کہ وہ دونوں شہید ''پاکستانی'' تھے ان کی حیرت کا سبب بھی شاید یہ بات بنی، میرے ساتھ آؤ بیٹی انہوں نے تحمل سے کہا اور مرکزی دوازے کی طرف بڑھنے لگے میں بھی بے اختیار سی ہو کر ان کے پیچھے چلنے لگی یہ بڑا دروازہ عموماً بند رہتا تھا اور چھوٹے دروازے سے ہی لوگ آتے جاتے تھے شاید بڑا دروازہ کسی جنت کے شہزادے کے لئے کھولا جاتا ہوگا گیٹ کے ساتھ دو تازہ قبروں پر نظر پڑی تو پرنم آنکھوں میں آس وامید کے دیئے روشن ہو گئے اسی لمحے بابا جی کی آواز آئی..... بیٹا یہ دو قبریں میں نے ان شہیدوں کے لئے تیار کر لی تھیں مگر انہیں ادھر نہیں لایا گیا چار دن خالی پڑی رہیں بالآخر بند کر دیں..... بابا کیا یہ قبریں اب بھی خالی ہیں؟..... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ بزرگ اس قبرستان کے گورکن ہیں میں دل میں سوچ رہی تھی ان کے مدفن کا پتہ چلے تو بابا جی سے بات کر کے ان کی میت یہاں منتقل کی جا سکتی ہے بعد میں ان خیالات کا اظہار بابا جی کے سامنے کر دیا انہوں نے کہا کہ ان قبروں میں پارم پورہ میں شہید ہونے والے دو نوجوانوں کو دفن کر دیا گیا ہے دوسرے سوال کے جواب میں انہوں نے مجھے یہ سچا واقعہ سنایا..... وہ ایک عرصہ سے بہشت شہداء میں گورکن کے فرائض انجام دے رہے تھے اور جہاد کشمیر کے کئی سپوتوں کو اپنے ہاتھوں سے قبروں میں اتارا تھا چنانچہ ایک دن ان کے خواب میں ایک شہید آیا اور کہا بابا میں فلاں ہوں اور فلاں جگہ دفن ہوں یہاں میں سخت پریشان ہوں اس لئے میری لاش کو عیدگاہ منتقل کیا جائے یہ خواب انہوں نے کئی مرتبہ دیکھا چنانچہ انہوں نے اس معاملے میں ایک عالم دین سے مشورہ کیا عالم نے کہا بے شک شہید زندہ ہیں ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے پھر عالم دین کی رہنمائی میں شہید کی قبر کھولی گئی سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے یہ ایک دلدل نما جگہ ہے اور قبر میں نمی کی وجہ سے کیچڑ بن گیا ہے یہی بات شہید کے لئے تکلیف کا باعث تھی چنانچہ شہید کو نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ بہشت شہداء منتقل کیا گیا..... یہ ایمان افروز واقعہ بیان کرنے کے بعد بابا جی بولے اصل بات یہ ہے کہ جس کو جہاں کی مٹی نصیب میں ہو وہ وہاں پہنچ جاتا ہے مجھے ان کی بات سے اتفاق کرنا پڑا کیونکہ..... پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا..... مگر کہاں؟..... یا اللہ یہ تو معلوم ہو جائے..... میرے دل کا غبار ابھی چھٹا نہ تھا وہاں سے نکل کر مجھے سیدھا گھر واپس آنا چاہیے تھا کیونکہ گھر والے مجھے نہ پا کر ضرور پریشان ہونگے مگر اس وقت

نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا قدم خود بخود کسی اور طرف اٹھ گئے.....ان گلیوں میں جو کبھی اس کی گزرگاہیں تھیں بے خودی کے عالم میں چلتی گئی گمان یہ تھا کہ وہ گھر، گھر کے مکین سب صحیح سلامت ہونگے میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی وہاں پہنچوں گی تو جہادیؒ حقیقت بن کر میرے سامنے ہونگے.....عیدگاہ اور صفا کدل یہ دونوں علاقے ساتھ ساتھ ہیں درمیان میں ایک بڑی سڑک ہے اسی علاقے میں ہمارا مائیک ڈیلٹا پوائنٹ ہوتا تھا مگر اب صرف بیتے دنوں کی یادیں تھیں وہاں.....ان گلیوں سے گذرتے ہوئے چشم تصور سے کئی مرتبہ انہیں دیکھا کسی جگہ سامان وصول کرتے ہوئے، کسی موڑ پر مجھے سامان دیتے ہوئے اور کبھی برفانی موسم میں چلتے ہوئے.....کچھ دیر چلنے کے بعد گلی کا وہ موڑ بھی آ گیا جہاں سے مڑتے ہی وہ گھر نظر آتا تھا مگر آج وہاں صرف ملبے کا ایک ڈھیر نظر آیا وہ تین منزلہ خوبصورت مکان بالکل چکنا چور ہو چکا تھا میرے خوابوں کی طرح..... ملبے کے ڈھیر سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اس میں سے جہادیؒ کی خوشبو تلاش کرنے لگی، ان کی معطر یادوں کی خوشبو، ان کے پاکیزہ لہو کی خوشبو مجھے اپنے چاروں طرف محسوس ہونے لگی.....اف اللہ یہ خواب ہے یا حقیقت کل تک یہاں کتنے ہنستے مسکراتے چہرے نظر آتے تھے، ہماری چھوٹی سی دنیا آباد تھی اور آج یہاں ویرانیوں کا بسیرا ہے پورے محلے میں سناٹا طاری تھا جیسے وہاں کے مکین اب بھی گھروں کو نہ لوٹے ہوں.....سامنے ملبے کے ڈھیر پر وہ انار کا درخت بھی جڑ سے اکھڑا پڑا تھا اسکے پتے خزاں کی آمد سے پہلے ہی خزاں رسیدہ ہو کر شاخوں سے جھڑ رہے تھے اس کی ہری ہری اور گھنی شاخوں میں میں اکثر جہادیؒ کا ''سٹیلائٹ فون'' رکھ دیا کرتی تھی جب تک وہ سگنل نہ پکڑتا.....اردگرد چونکہ آبادی تھی اس لئے انار کے درخت کو ہم نے راز داں بنایا ہوا تھا شاید اسے اسی جرم کی سزا مل گئی کہ وہ بھی عین شباب کے عالم میں بالکل میری طرح اجڑ گیا اب وہ بہار کی رت کو ترسے گا اور شاید میں بھی، کسی نے سچ کہا ہے کہ دل ایک شیشے کی مانند ہے ایک بار ٹوٹا تو جڑنا مشکل ہے جوڑ بھی دو مگر دراڑیں باقی رہ جائیں گی..... اپنی حسرتوں کے مزار پر کچھ دیر آنسو بہا کر واپس آئی چلتے چلتے محسوس ہوا کہ قدم اٹھانے سے پاؤں میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتی ہیں غور کیا تو حیران رہ گئی دونوں پاؤں لہولہان تھے آتے وقت میں نے بے دھیانی میں نصرت کے کوئی ''سینڈل پہن لئے تھے اور شاید تنگ ہونے کی وجہ سے وہ میرے پاؤں زخمی کر گئے میں حیران ہوئی کہ پہلے مجھے درد کا احساس کیوں نہ ہوا اور اب قدم اٹھانے سے آنسو نکل آتے تھے نڈھال نڈھال سی گھر پہنچی نصرت مجھے نہ پا کر شدید پریشانی میں مبتلا ہو چکی تھی اسے میرا بہت زیادہ خیال تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس دن جہادیؒ شہید ہوئے اسی رات اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نصرت کے گھر آتے ہیں میں اور فاطمہ بھی ساتھ ہوتی ہیں ہم دونوں کو نصرت کے حوالے کر کے وہ اسے کہتے ہیں'' دیدی !میں کہیں جا رہا ہوں آپ ان دونوں کا بہت خیال رکھنا''.....نصرت بعد میں کہتی تھی میرے بھائی کو معلوم تھا کہ میرے دل میں آپ سب کے لئے کس قدر خلوص ہے اس لئے آپ کو میرے پاس چھوڑ گئے.....اس دن گھر لوٹتے ہی میں نے اپنے نڈھال وجود کو بستر پر گرا دیا میرے زخم زخم پاؤں دیکھ کر نصرت ساری کہانی سمجھ گئی اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگی.....کہاں کہاں بھٹکتی رہی سعدی!..... یہ کیسا روگ لگایا ہے تم نے اپنے آپ کو.....پھر میں نے اس کو تمام روداد سنائی اس نے مجھ سے وعدہ لیا کہ آئندہ میں اس کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی ہم دونوں مل کر ان کی قبر تلاش کریں گی۔

کہاں تلاش کروں تجھے کہاں پاؤں
یہی ہے حل کہ افق پار کو چلی جاؤں
میں ڈھونڈتی ہوں تیرے نقش پا کو اے شہباز
کہ اُن پہ چل کے تیرے پاس آ جاؤں

* * *

ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے تھے سی او کا اعتراف

مجاہدین سے رابطہ نہ ہونے اور یکے بعد دیگرے ہائیڈوں کے پکڑے جانے سے میں سخت دلبرداشتہ ہوگئی تھی، دل کہہ رہا تھا کوئی اقدام کرنا چاہیے، جہادی شہید کے سجائے گلشن کی تباہی دیکھی نہ جاتی تھی، ان کمین گاہوں کو بنانے اور آباد کرنے میں انہوں نے دن رات کا سکون قربان کر دیا تھا، آج یہ ٹھکانے ایک ایک کر کے دشمن کے ہاتھ لگتے جا رہے تھے، میرے ذہن میں بار بار قمر وادی والی ہائیڈ آتی تھی، وہ یعنی KP پوائنٹ ابھی تک محفوظ تھا کیونکہ باقی تمام ہائیڈوں کے پکڑے جانے کی خبر میڈیا پر آتی رہی مگر اس کی کوئی اطلاع نہ تھی، میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ مجھے وہاں جانا چاہیے وہاں سے جس قدر ممکن ہو اسلحہ وغیرہ نکال لاؤں، میرے کام بھی آئے گا اور چھاپہ پڑنے کی صورت میں کم از کم وہ چیزیں بچ جائیں گی .....اس حوالے سے میں نے نصرت اور رابعہ سے مشورہ کیا انہوں نے مجھے وہاں جانے سے منع کیا اور شدید خطرے سے آگاہ، کیا میری چھٹی حس بھی گواہی دے رہی تھی کہ ضرور اس ہائیڈ کے پیچھے کوئی گھمبیر کہانی ہے، میں یہ بھی جانتی تھی کہ انصار بھائی KP پوائنٹ پر ہی رہتے تھے اور گرفتاری والے دن بھی وہ ادھر سے ہی نکلے تھے، ان کی گرفتاری کے بعد تقریباً تمام ہائیڈیں پکڑی جا چکی تھیں، ایسے میں اس جگہ کا محفوظ رہنا مشکوک کرنے کے لئے کافی، تھا اس سب کے باوجود میں وہاں جانے کا اٹل فیصلہ کر چکی تھی..... اگر مقصد میں کامیابی ملی تو ٹھیک .....دوسری صورت میں اس دوران اگر چھاپہ پڑا میں دشمن کا مقابلہ کر کے شہادت پاؤں گی، یہ حقیقت ہے کہ میرے جذبہ جہاد کو انتقام کے شعلوں نے مزید بھڑکا دیا تھا، ان کے جسم کے ٹکڑے دیکھنے کے بعد میرے دل سے ہر قسم کا خوف وڈر نکل چکا تھا، اب میں ہر حد سے گذرنے کو تیار تھی، میری آنکھوں میں ہر لمحہ جنت کے حسین مناظر رہتے تھے اور دل وہاں جانے کے لئے مچل رہا ہوتا تھا..... میں نے ایک پرانا برقعہ اوڑھ لیا جو عموماً وہاں کی بوڑھی عورتیں اوڑھتی، ہیں کپڑے بھی اماں جی کے پہن لئے، اس حلیے میں میں یکسر مختلف نظر آتی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے مدد ونصرت کی دعائیں مانگ کر روانہ ہوئی، قمر وادی چوک سے شمال کی جانب سوپور بارہ مولہ روڈ جاتا ہے چوک سے دوسو میٹر آگے چل کر بائیں ہاتھ پر ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے، غالباً اس کا نام مسجد ابراہیم ہے، مسجد کے ساتھ ہی ایک گلی اندر کی طرف جاتی ہے، بازار کی رونق اور چہل پہل معمول کے مطابق تھی لیکن جب میں گلی میں داخل ہوئی وہاں عجیب سا سناٹا محسوس ہوا، ستمبر کے آخری دن تھے، موسم معتدل اور خوشگوار تھا، اس کے باوجود لگ رہا تھا کہ لوگ گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں، میں حالات سے بے خبر آگے بڑھتی جا رہی تھی، گھر کے سامنے پہنچ کر میں رک گئی، دروازے پر لگے تالے کو دیکھ کر میرے قدموں میں تھکن اتر آئی، یہ لوگ کہاں چلے گئے؟ دائیں بائیں نظریں دوڑائیں تاکہ کسی سے معلوم کروں مگر وہاں دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا..... میں وہاں کافی عرصہ رہ چکی تھی، آس پاس کے لوگوں سے کچھ واقفیت اور سلام دعا تھی، KP کے پیچھے ایک گھر تھا ان لوگوں سے بھی جان پہچان تھی مگر ایک فرضی نام سے تعارف تھا، میں سیدھا اسی گھر میں چلی گئی، پہلے تو وہ مجھے پہچان نہ سکے جب میں نے برقعہ اٹھایا تو وہ عورت بدحواس سی ہوگئی، سلام دعا کے بعد وہ فوراً پوچھ بیٹھی آپ کو ادھر آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟ نہیں کسی نے بھی نہیں دیکھا، میرے جواب سے وہ کچھ مطمئن ہوگئی مگر اس بے موقع سوال نے مجھے الجھن میں ڈال، دیا اس نے اپنی بیٹی کو کہا تم باہر جا کر گلی میں نظر رکھو.....اب میری تشویش بڑھ گئی، خیریت تو ہے آپ اس قدر پریشان کیوں ہو رہیمیں اور یہ نذیر بھائی والے کدھر گئے ہیں؟ میں ان کا پتہ کرنے آئی تھی..... اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ آپکو کچھ معلوم نہیں اس نے حیرت سے کہا اور پھر مجھے اندر لے جا کر ساری کہانی سنا دی.....شکر کرو اللہ پاک نے آپ کو بچا لیا ہے آپ کے آنے سے ذرا دیر قبل آرمی یہاں سے گئی، ہے اس گھر سے بہت زیادہ اسلحہ پکڑا گیا اور گھر والوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا..... یہ باتیں سن کر مجھے شدید دھچکا لگا وہ پھر گویا ہوئیں.....ملٹری والے بار بار آپ کا پوچھ رہے تھے، انہوں نے محلے والوں کو سختی سے کہا کہ وہ ''برقعے والی'' جو ادھر آتی تھی جب بھی نظر آئے ہمیں اطلاع دینا، کیا تم لوگوں کو پتہ نہ تھا کہ تمہارے محلے میں اتنے خطرناک ملی ٹینٹ رہتے ہیں یا تم لوگ بھی ان سے ملے ہوئے تھے.....لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر انہیں یہ کہا گیا کہ وہ برقعے والی یا کوئی بھی مشکوک افراد یہاں آئے تو ہمیں فوراً خبر کرنا.....خاتون نے مجھے کہا، آپ خدا کے لئے فوراً یہاں سے جاؤ لوگ بہت خوفزدہ ہیں، یہ نہ ہو کوئی آپ کو پہچان لے اور نقصان پہنچائے، اس نے مجھے مزید بہت سی معلومات بہم پہنچائیں..... بالآخر یہ چمن بھی

اجڑ گیا، آہ یہ ستم کی آندھی نہ جانے اور کیا کیا اڑا کر لے جائے گی، ان گلیوں سے واپس آتے ہوئے میں برسوں کی بیمار دکھائی دے رہی تھی، وہ ہائیڈ، جہادی زیور (اسلحہ) اور دیگر کئی چیزیں مجھے یاد آ رہی تھیں اور بہت سی باتیں بہت سی یادیں مجھے راستہ بھر رلاتی رہیں۔

اس جگہ کے حوالے سے ہمارے دلوں میں جو خدشات تھے وہ سچ ثابت ہوئے، بی ایس ایف نے اس ہائیڈ کو مجاہدین کے لئے پھندے کے طور پر استعمال کرنے کا سوچا تھا، کافروں کا منصوبہ تھا کہ ہر طرف چھاپے، کریک ڈاؤن اور ہائیڈ ایکسپوز ہونے کی وجہ سے تھکے ماندے مجاہد اس ٹھکانے پر آئیں گے، نتیجتاً ہماری گھات میں پھنس جائیں گے لیکن ہندو مشرکوں کا منصوبہ ناکام ہو گیا..... اس روز بھی میں نے اللہ تعالیٰ کی واضح نصرت کا مشاہدہ کیا، میرا ارادہ صبح پہلے ٹائم جانے کا تھا، یہ بات بھی متوقع تھی کہ موجودہ حالات میں شاید گھر والے ادھر نہ ہوں لیکن مجھے معلوم تھا کہ ہمارے کمرے کی کھڑکی کا ایک پٹ عموماً اندر سے کھلا ہوتا تھا، میرا ارادہ اسی کھڑکی سے اندر جانے کا تھا، اس سے چند ماہ قبل بھی میں اس راستے سے مکان میں داخل ہوئی تھی..... چنانچہ میں کسی وجہ سے پہلے ٹائم نہیں جا سکی ورنہ میں ہائیڈ یا گھر کے اندر موجود ہوتی کیونکہ پہلے ٹائم گھر والے ادھر موجود تھے، اس صورت میں میرے لئے سخت حالات پیدا ہو جاتیا پھر اللہ پاک مجھے شہادت کی موت سے سرفراز فرماتے..... میں افسردہ حالت میں نصرت کے گھر پہنچی، اس کو تمام روداد الم سنائی، اسے بھی ہائیڈ پکڑے جانے پر سخت دکھ ہوا ساتھ ہی میری خیریت سے واپسی کا شکر ادا کیا۔ رات کو ہم رابعہ کے گھر سونے کیلئے گئیں..... ان کے خاندان میں اس دن کسی کی شادی تھی، شادی والے گھر سے انواع واقسام کے کھانے آ گئے، آنٹی نے میرے سامنے مختلف قسم کے کھانے چن دیئے..... کشمیر میں شادی بیاہ کے موقعوں پر پکایا جانے والا خاص قسم کا کھانا ''وازہ وان'' دنیا بھر میں مشہور ہے، اس کی خوشبو سے ہی انسان کی بھوک بھڑک اٹھتی ہے لیکن میرے دل پر اس قدر صدمہ تھا کہ بالکل کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، آنٹی کے شدید اصرار پر کھانا شروع کیا مگر نوالہ ہاتھ میں لیتے ہی ہچکیاں بندھ گئیں..... مجھے ہائیڈیں پکڑے جانے کا دکھ نہ تھا..... ٹھکانے بنتے اور اجڑتے رہتے تھے، دکھ صرف اس چیز کا تھا کہ اسلحے کا ایک ذخیرہ بھارتی کتوں کے ہاتھ لگ گیا تھا مجھے وہ وقت یاد آتا تھا کہ جہادی شہیدؒ نے کس طرح تنکا تنکا جمع کر کے اور جان جوکھم میں ڈال کر سرینگر میں وہ اسلحہ جمع کر دیا تھا، وہ راتوں کی نیند قربان کر کے بارود بناتے، پھر راتوں رات اسے خشک کر کے ہائیڈ میں محفوظ کر لیتے تھے..... اسی وقت رابعہ کی چھوٹی بہن نے آ کر بتایا کہ خبروں میں قمر وادی واقعہ سرخیوں میں آیا ہے، ابھی اس کارروائی کو دکھائیں گے، ہم کھانا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں گئے، کچھ ہی دیر بعد ٹی وی اسکرین پر وہ غم انگیز اور افسوس ناک مناظر نمودار ہوئے بھارتی فوج بھرپور تیاری کے ساتھ میڈیا والوں کو ساتھ لے کر گئی تھی، ہر چیز کھول کھول کر دکھائی جا رہی تھی، ایک فوجی نے ہائیڈ کے سامنے لٹکا ہوا سرخ پھولدار پردہ ہٹایا، وہ پردہ میں نے سوئی دھاگے کے ساتھ سلائی کیا تھا اور جہادی شہیدؒ نے اپنے ہاتھوں سے ہائیڈ کے دروازے پر لگا دیا تھا..... چونکہ ہائیڈ بنانے والا مستری نثار احمد فوج کے ساتھ تھا، اس لئے انہیں اسے ڈھونڈنے اور کھولنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی، ایک کافر ہائیڈ کے اندر گھس گیا اور ایک ایک چیز نکالنے لگا..... جس وقت جہادی شہیدؒ کی ''کلین کوف'' نکالی گئی اس لمحے میں اپنا صبر وضبط کھو بیٹھی، ان کی شہادت کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب میں دھاڑیں مار مار کر روئی، مجھے ایسے لگتا تھا کہ وہ کلین کوف اب بھی جہادیؒ کے آہنی ہاتھوں میں ہے اور وہ کسی بھی لمحے بھارتی کتوں پر آگ اگل دے گی، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا اپنا گھر برباد ہو رہا ہو، ہاں وہ تنگ وتاریک کمین گاہیں ہی تو میرا گھر تھے..... اس موقع پر بلکہ ادھر ہی کھڑے کھڑے بی ایس ایف کے کمانڈنگ آفیسر (C.O) نے میڈیا کے سامنے غازی بابا شہید کی صلاحیتوں اور عسکری حکمت عملی کا واضح اعتراف کرتے ہوئے کہا..... غازی باباؒ نے جس طریقے سے سرینگر میں خفیہ ٹھکانے بنا رکھے تھے اگر ان کو تعمیر کرنے والا مستری نہ پکڑا جاتا اور وہ ان کی نشاندہی نہ کرتا ہم کبھی ان کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے خصوصاً یہ ''ہائیڈ آوٹ'' اس قدر مہارت سے بنایا گیا تھا کہ اس کا پتہ لگانا بالکل ممکن نہ تھا، ہمیں آج پتہ چلا کے غازی بابا نے بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود جمع کر رکھا تھا، ہم لوگ سرینگر کو محفوظ جگہ سمجھتے تھے مگر میں کہتا ہوں کہ ہم بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے تھے، جب یہ بارود پھٹتا تو ہم میں سے شاید کوئی نہیں بچ

سکتا، میں اس شخص کی ذہانت اور بہادری کو مانتا ہوں، واقعی وہ ''ماسٹر مائنڈ'' تھا۔

* * *

انصار بھائی کی مظلومانہ شہادت

بھارت ایک ایسا ملک ہے جس نے اپنے چہرے پر سب سے بڑی جمہوریت کا نقاب چڑھا رکھا ہے مگر حقیقت میں بنیئے نے یہ جمہوری نقاب دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے سفاک چہرے پر ڈال رکھا ہے حتیٰ کہ ہندو بنیا کئی چہرے رکھتا ہے، اس کا اصل چہرہ کونسا ہے یہ کشمیر میں جا کر معلوم ہوتا ہے، بھارتی حکومت نے کشمیر میں تعینات فوج کو کھلی دہشت گردی کی اجازت دے رکھی ہے چنانچہ ظالم فوجی کشمیری مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھاتے ہیں اور وحشیانہ طریقوں سے تہہ تیغ کرتے ہیں..... ان میں بڑی تعداد ان نوجوانوں کی ہے جن کا جرم معمولی نوعیت کا ہونے کے باوجود زیر حراست شہید کر دیا گیا، کئی بدنصیبوں کی لاشیں دریائے جہلم میں پھینک دیگئیں، کچھ کے بارے میں یہ خطرناک انکشاف ہوا کہ ظالموں نے شھداء کی لاشیں مسخ کر کے جلا ڈالیں، بھارتی فوج سے انسنگین جرائم پر باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

ناصر اعوان عرف انصار شہیدؒ بھی انہی مظلوم شہداء میں سے ایک ہیں جنہیں سیکولر بھارت کے بے رحم سپاہیوں نے انتہائی سفاک طریقے سے شہید کر دیا، پہلے بتا چکی ہوں کے انصار بھائی 28 اگست کو سرینگر کے علاقے ''سعدکدل'' سے گرفتار ہوئے..... یہی وہ موقعہ تھا جب بھارتی فوج پر یہ عقدہ کھل گیا کہ مجاہدین کس طرح دن کے اجالے میں کارروائی کر کے صاف نکل جاتے ہیں، چنانچہ مزید راز لینے کے لئے انہوں نے انصار بھائی پر لرزہ خیز تشدد کیا..... اس دن بھائی انصار کی گرفتاری کو بیس بائیس روز گزر چکے تھے وہ ایک اداس اور مغموم سی شام تھی، میں رابعہ کے گھر ہی تھی، رات کے گیارہ بجے کا وقت تھا تمام لوگ محوخواب تھے البتہ میری نیند سے کشمکش جاری تھی، ایکدم ماحول کا سکوت گولیوں کی تڑتڑاہٹ نے توڑ دیا چند سیکنڈ بعد تمام علاقہ فائرنگ سے گونج رہا تھا، گھر والے افراتفری کے عالم میں اٹھ گئے اور بند کھڑکیوں سے باہر جھانکنے کی کوشش کرنے لگے، دس منٹ بعد فائرنگ رک گئی..... بندوقیں خاموش ہوگئیں لیکن ماحول پر خوف و دہشت کے مہیب سائے بدستور لہرا رہے تھے، کسی کو بھی کھڑکی یا دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی..... فائرنگ سامنے ایک ویران اور غیر آباد علاقے ''آنچار سر'' میں ہو رہی تھی، یہ ایک دلدل نما علاقہ تھا اردگرد گھنی جھاڑیوں اور درختوں نے اسے گھیر رکھا تھا، عام لوگ اس طرف جانے سے خوف کھاتے تھے مگر درویش صفت مجاہدین اکثر اس ویرانے میں ڈیرے ڈالتے تھے، یہ علاقہ کبھی غازی بابا شہیدؒ اور عبدالرحمٰن قندھاری کا بھی مسکن رہا ہے..... گھر والے اپنی اپنی سوچ کے مطابق رائے دے رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا فوج نے کسی گھر پر حملہ کیا، کسی کے خیال میں آنچار سر میں فوج اور مجاہدین کے درمیان تصادم ہوا..... مگر میرا ذہن کسی اور سوچ میں گم تھا، دل کہہ رہا تھا کہ یہ فرضی جھڑپ ہے، آج پھر کسی کشمیری ماں کا لال بھارتی فوج کی درندگی کی بھینٹ چڑھ گیا چونکہ ماضی میں میں نے اپنے علاقے میں کئی ایسے واقعات دیکھے تھے، یہ سوچ کر میری سوچ اسی نکتے پر ٹھہر گئی۔

تمام رات میں چشم تصور میں ایک لہولہان لاش دیکھتی رہی جو اس ویرانے میں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہے، صبح ہوئی تو فوج نے مقامی لوگوں کو بلا کر کہا کہ رات انہوں نے جھڑپ کے دوران ایک اگروادی کو ہلاک کیا ہے اسے آ کر اٹھاؤ..... ان لوگوں میں سے اس پردیسی شہزادے کو کوئی نہیں پہچانتا تھا لیکن دن بھر ہر کسی کی زبان پر اس حسین اور نوجوان شہید کے تذکرے تھے، میں جب بھی اس شہید کا ذکر سنتی دل اداس ہوتا اور طبیعت میں بے چینی پیدا ہونے لگتی، یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی اپنا ہے، کاش! میں اسے دیکھ سکتی..... دوسرے دن میں نے صبح سویرے اخبار منگوایا تو پہلی نظر میں ہی اس خوبرو جوان کو پہچان لیا، تب مجھے

یقین آیا کہ واقعی وہ میرا اپنا ہی تھا، میرا پیارا بھائی انصار شہید جسے بھارتی درندوں نے تشدد کے ذریعے شہید کیا اور پھر فرضی مقابلہ دکھا کر اس خون کو ہضم کر لیا، گرفتار ہونے والے لوگوں سے ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ انصارؒ بھائی پر اس قدر خوفناک تشدد کیا گیا کہ عقوبت خانوں کے در و دیوار ان کی چیخوں سے لرز جاتے تھے، بھارتی فوج نے مظالم کی حدیں پھلانگ دیں، بالآخر وہ شیر جوان ان مظالم کی تاب نہ لا سکا اور جان کی بازی ہار گیا، ان کے جسم پر کئی گولیوں کے نشان تھے لیکن چہرے اور سر پر پڑے نیل کے نشان اصل داستان سنا رہے تھے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی روح کو دائمی امن و سکون نصیب فرمائے (آمین)

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستاں میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

* * *

موت کا خوف اور شوق شہادت

دن گذرتے جا رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے انصارؒ بھائی بھی قافلہ شہداء میں شامل ہو گئے، کبھی ان کی مظلومانہ شہادت کا سوچ کر صدمہ ہوتا پھر یہ سوچ کر دل کو سکون ملتا کہ اللہ پاک نے انہیں بھارتی درندوں کے چنگل سے آزاد کر کے اپنی جنت کا مہمان بنا لیا، میرا دل بھی شہادت کی آرزو میں مچل رہا تھا، تڑپ رہا تھا، ہر وقت دل میں ایک آگ سی لگی رہتی تھی..... ایک وہ دور تھا جب کسی کو مرتا دیکھ کر مجھے بہت خوف آتا تھا، قبر میں جانے کا خوف اور اپنوں کو کھو دینے کا غم مجھے ہر وقت پریشان کئے رکھتا تھا، الحمدللہ مجھے کسی قریبی رشتے کی جدائی کا صدمہ نہیں دیکھنا پڑا تھا سوا دادی اماں کے، اس وقت میں 14، 15 سال کی تھی ان کی وفات پر مجھے بے حد صدمہ ہوا تھا، اکثر ان کی قبر کو دیکھتی رہتی، قبر کی زندگی کے بارے میں سوچتی اور انتہائی خوفزدہ ہوتی، دادی اماں بھی کبھی میری طرح کی جوان ہونگی پھر گردش لیل و نہار نے انہیں جوانی سے بڑھاپے میں پہنچا دیا اور بالآخر اس قبر میں..... میں اکثر یہ بات سوچتی رہتی، جوانی اگر بہار ہے تو بڑھاپا خزاں کی مانند..... یہ دونوں موسم ہر ذی روح پر آتے ہیں میں بھی کبھی بوڑھی ہو جاؤں گی اور زرد پتے کی طرح زندگی کی شاخ سے ٹوٹ کر گر جاؤں گی تب میرا ٹھکانہ بھی قبر ہوگی..... اس کے بعد کیا ہوگا؟..... یہ سوال مجھے ہراساں کر دیتا..... زندگی اسی آس و بیم میں گذر رہی تھی..... پھر یوں ہوا کہ چمن کشمیر میں شہادتوں کا موسم آیا..... ہر طرف سے شہادتوں کے قافلے نکل نکل کر سوئے جنت روانہ ہونے لگے، جوان ہنستی مسکراتی اور مشکبار نعشیں ہر گلی کوچے میں نظر آنے لگیں، پھولوں سے لدی پھندی شہداء کی قبروں نے قبرستانوں کی ویرانیوں کو رونق میں بدل دیا، ایسا لگنے لگا کہ یہ قبریں نہیں جنت کے باغ ہیں چنانچہ موت کا خوف جو دن رات میرے اوپر سوار رہتا تھا اچانک دل سے نکل گیا اور شہادت کی موت سے زندگی سے بڑھ کر انس ہو گیا..... جب کوئی مجاہد شہید ہوتا تو خوفزدہ ہونا دور کی بات دل میں جنت کے حسین مناظر اور دلنشین حوروں کا تصور ابھر آتا تھا پھر دل سے دعا نکلتی اے اللہ! ایسی حسین موت مجھے بھی نصیب فرما رفتہ رفتہ شہادت میری زندگی کی آرزو بن گئی..... قید کے دوران میں سوچتی تھی کہ رہائی پاتے ہی میں فدائی حملہ کروں گی اور جنت کی حسین وادیوں میں چلی جاؤں گی، شہادت کا حصول میری زندگی کی دیرینہ خواہش تھی، کئی مرتبہ اس چیز کے موقعے بھی میسر آئے لیکن جہادی شہیدؒ نہ صرف میرے سرتاج بلکہ امیر بھی تھے ان کی اطاعت دونوں صورتوں میں مجھ پر لازم تھی انہوں نے ہی مجھے یہ درس دیا تھا کہ..... جان دینا ہمارا مقصد نہیں..... ہمارا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کام کرنا ہے، جب ہم نے اپنی زندگی اللہ کے راستے کے لئے وقف کر دی ہے تو غم کس بات کا..... ہم تاعمر جہاد کرتے رہیں گے کبھی نہ کبھی شہادت مل جائے

گی'' گو کہ ان کا ہر لفظ اطاعت وشجاعت کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا نظر آتا ہے مگر اب وہ نہیں تھے انہیں اپنی محنت کا ثمر مل چکا تھا لیکن ان کے جانے سے میرے لئے منزل دور اور راستے محدود ہو چکے تھے، اس لئے میں جلد از جلد شہادت چاہتی تھی کہیں ایسا نہ ہو قافلہ کوچ کر جائے اور نظروں کے سامنے سے منزل اوجھل ہو جائے۔

مگر مجاہدین سے رابطہ منقطع ہونے کی وجہ سے میں بہت بے چینی میں مبتلا ہو گئی تھی، میں دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی کہ جلد از جلد ساتھیوں سے رابطہ ہو اور شہادت کی جانب راہیں کھل جائیں۔

* * *

رابطہ نہ ہونے کی کیا وجوہات تھیں

اس کی دو وجوہات تھیں اول تو حالات خراب تھے جبکہ دوسری اور بڑی وجہ یہ تھی کہ میرا غازی بابا شہیدؒ کے علاوہ کسی ساتھی سے رابطہ نہیں ہوتا تھا ہم دونوں عموماً اکھٹے ہوتے تھے اور دور ہونے کی صورت میں وائرلیس سیٹ کے ذریعے باہم رابطہ رہتا تھا پہلے پہل شدید مجبوری کی صورت میں بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ رابطہ کرنے کی اجازت تھی مگر ان کی گرفتاری کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا دیگر مجاہدین کے ساتھ میرے معاملات صرف اس حد تک تھے کہ کسی جگہ ان سے سامان وصول کیا یا ان تک پہنچا دیا، اس دوران میں ہمیشہ برقعے میں ہوتی تھی، باقی انہیں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میں کہاں رہتی ہوں۔

یہی بنیادی وجہ تھی کہ مشکل وقت میں مجاہدین میرے ساتھ فوری رابطہ نہیں کر سکے، دوسری طرف میرے حوالے سے کئی خبریں گشت کر رہی تھیں..... گرفتاری کی خبر بھی تھی اور شہادت کی بھی ان حالات میں مجاہدین کے لئے صحیح حالات کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا اور پھر حالات کی سنگینی کی بنا پر انہیں سرینگر سے نکلنا پڑا..... مجھے لگنے لگا تھا کہ میرا انتظار طویل ہوتا چلا جا رہا ہے، جہادی شہیدؒ کے بغیر ایک ایک دن گذارنا مشکل لگ رہا تھا۔

* * *

رابطے کے لئے ترال کا سفر

آخر کار میں نے ترال جانے کا ارادہ کر لیا وہاں ہمارا مرکز تھا اور ساتھیوں سے رابطہ کرنا مشکل نہ تھا، ہم دونوں نے ترال کی خوبصورت وادیوں میں کافی وقت گزارا تھا، کام کے سلسلے میں بھی آنا جانا لگا رہتا تھا، وہاں کافی لوگوں کے ساتھ میری واقفیت تھی، اس لحاظ سے رہائش کا بھی مسئلہ نہیں تھا، یہ تمام باتیں پہلے بھی میرے ذہن میں تھیں لیکن میں نے ایک اڑتی خبر سنی تھی کہ ترال سے بھی کچھ ہائیڈیں پکڑی گئی ہیں..... اس لئے میں نے وہاں جانا مناسب نہ سمجھا بہر حال اب کافی وقت گذر گیا تھا ممکن ہے وہاں کے حالات سنبھل گئے ہونگے میں سب کچھ بھلا کر اپنے مشن سے وابستہ رہنا چاہتی تھی کیونکہ اسی میں میرے غم کا مداوا تھا اور اسی راستے میں کہیں میری منزل بھی تھی۔

* * *

شہید زندہ ہیں

میں نے ارادہ تو کر لیا لیکن جانا کب ہے یہ طے نہیں کیا تھا، رات کو سونے سے قبل میں نے نصرت کو اس بات سے آگاہ کیا..... واپس کب آئیں گی اس نے اداس ہو کر کہا آپ کے بغیر اب مجھے گھر ویران سا لگتا ہے اور میں نے بس یوں ہی کہہ دیا

کہ معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ اسلحہ حاصل کر کے اُدھر سے ہی آپ کے ''بھیا'' کے پاس چلی جاؤں وہ ٹھنڈی سانس لے کے رہ گئی اور پھر کہنے لگی سچ پوچھو تو میرا دل بھی اب شہید ہونے کو کرتا ہے نہ جانے ''بھیا'' کے چلے جانے کے بعد کیوں ایسا لگتا ہے جیسے کشمیر کا جہاد رک گیا ہے.....نہیں نہیں ایسا تو نہیں ہے جہادیؒ کے سینکڑوں فدائین ابھی زندہ ہیں، شہداء کے مشن کو آگے بڑھانے والے سرفروش ہر دور میں پائے جاتے ہیں.....نصرت! یہ بتاؤ کیا ان کے شہید ہونے کے بعد آپ مجاہدین سے تعاون نہیں کروگی؟ جہاد کے کاموں میں حصہ نہیں لوگی؟.....وہ فوراً ابول پڑی میرا مطلب یہ نہیں تھا اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں جہاد اور مجاہدین کا ساتھ دیتی رہوں گی.....تو میری بھولی بہنا! آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ کشمیر کا جہاد رک گیا ہے جب آپ ایک صنف نازک ہونے کے باوجود اپنے راستے نہیں بدلیں گی تو کیا مجاہدین اپنا مشن جاری نہیں رکھیں گے.....اصل بات یہ ہے کہ ہم ابھی تک اس دکھ اور صدمے کی کیفیت سے باہر نہیں نکلے جب ہم اس کیفیت سے نکلیں گے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا.....

پھر ہم دیر تک ان کی باتیں کرتے رہے، گذرے دنوں کی یادیں تازہ ہونے لگیں تو میں نے نصرت سے کہا کہ جب بھی یہ تذکرہ چھڑتا ہے اس کے بعد مجھے نیند نہیں آتی اس لئے آپ سو جاؤ مجھے اب نیند آتے آتے ہی آئے گی.....آپ جاگتی رہو اور مجھے نیند آئے یہ کیسے ہوسکتا ہے چلو اچھا ہے باتیں کرتے کرتے رات گذر جائے اس نے صاف کہہ دیا لیکن میں اپنے ساتھ اس کو بے آرام نہیں کرنا چاہتی تھی کچھ دیر مزید باتیں کرتے رہے پھر میں نے کہہ دیا اچھا اب مجھے نیند آرہی ہے لائٹ بند کردو.....

اس نے زیرو کا بلب بند کر دیا اور ہم دونوں ایک ہی بستر پر لیٹ گئیں درمیان میں سیرت فاطمہ بے خبر پڑی سو رہی تھی، میں کافی دیر تک یوں ہی آنکھیں بند کر کے لیٹی رہی اور نصرت کچھ دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئی.....میں نے آنکھیں کھولیں کمرے کے اندر چاند کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی نیند آنکھوں سے روٹھ چکی تھی.....اف یہ غم کی راتیں کتنی طویل ہوتی ہیں نجانے کب صبح ہوگی، ایک بار پھر آنکھیں موندلیں اچانک ایک آواز میری سماعت سے ٹکرائی ''پھر تم سوسو کر تھک جاؤ گی'' میرا وجود لرز اٹھا جہادیؒ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا وہ وقت بھی یاد آیا تب نہ جانے کیوں مجھے رات آٹھ بجے ہی نیند آجاتی تھی اور وہ اس بات سے چڑتے تھے، شہادت سے کچھ ہی دن قبل ایک بار انہوں نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا.....کیوں اتنی جلدی سو جاتی ہو اٹھو میرے ساتھ باتیں کرو.....بہت نیند آئی ہے میں نے غنودگی کے عالم میں بند آنکھوں سے کہا تو انہوں نے بھی بے ساختہ کہہ دیا.....دیکھنا پھر تم سوسو کر تھک جاؤ گی.....اس بات نے گویا میری نیند اڑا دی میں نے اٹھ کر روہانسی ہو کر.....ان سے کہا آپ نے ایسا کیوں کہا؟.....کہاں جانا ہے آپ نے؟.....جواب میں انہوں نے کہا یہ جملہ اچانک ان کی زبان سے نکلا ہے، وہ خود بھی حیران تھے کیونکہ وہ بلا سوچے سمجھے بات نہیں کرتے تھے.....تب مجھے معلوم نہ تھا کہ اللہ والوں کی زبان سے نکلی ہوئی بات اتنی جلدی پوری ہو جاتی ہے.....اس واقعے کے چند ہی دنوں بعد وہ خلد بریں کی جانب روانہ ہوئے اور میری آنکھوں میں نیند کی جگہ ویرانیاں آبسیں، پھر جدائی کی طویل راتوں میں جب مجھے نیند نہ آتی تو اس جملے کی بازگشت اپنے اردگرد سنائی دیتی تھی، اس کے بعد میرا سکون وقرار لٹ جاتا تھا.....رات دبے پاؤں بیت رہی تھی میں چاہتی تھی کہ کسی طرح نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہو جائے لیکن آنکھوں کے گوشے آنسوؤں سے تر تھے اسی لمحے مجھے یوں لگا جیسے کسی نے کمرے کا دروازہ کھولا، میں نے آنکھیں کھول دیں سامنے ایک عجیب منظر تھا دروازے کے عین سامنے جہادیؒ کھڑے ہیں، چاند کی مدھم روشنی میں نہ صرف میں نے انہیں بلکہ ان کے کپڑے بھی پہچان لئے وہ لباس عموماً وہ سرینگر میں پہنتے تھے، ہلکے سبز رنگ کی لائنوں والی اس شرٹ کے بارے میں ان کو اکثر کہتی کہ یہ شرٹ آپ کے ساتھ بالکل اچھی نہیں لگتی اس لئے آپ یہ نہ پہنا کریں، انہوں نے وہی شرٹ پہنی ہوئی تھی.....میری نگاہیں ان کے اوپر جم گئیں اور میں بے حس وحرکت ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی، وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگے اور میرے سرہانے کی طرف آکر بیٹھ گئے میرے اوپر حیرت اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوگئی، آنکھیں سامنے والی دیوار پر ٹک گئیں اور پلک جھپکنا بھی بھول گئی۔

وہ ابھی مجھے چھوئیں گے.....میرے سر پر ہاتھ رکھیں گے.....ہاں وہ آگئے ہیں لیکن.....یہ کیسے آگئے.....یہ تو شہید ہیں.....اس تھوڑی سی دیر میں میرے دل ودماغ پر جذبات وخیالات کا ایک حشر برپا تھا میں نے آنکھیں بند کر لیں دل کی

دھڑکنیں تیز تر ہونے لگیں اور بے اختیار منہ سے نکلا نصرت نصرت اٹھ جاؤ! دیکھو وہ آ گئے ہیں جلدی کرو لائٹ جلاؤ کیا ہوا سعدی تمہیں کیا ہوا وہ ہڑ بڑا کر اٹھ گئی..... میں وہی الفاظ دہرائے جا رہی تھی..... اس نے جلدی سے بڑی لائٹ جلائی اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی: آنکھیں تو کھولو کیا ہوا کون آیا تھا؟..... میرا ماتھا پسینے سے تر بتر تھا، آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں ادھر اُدھر دیکھا مگر وہاں اب کچھ بھی نہیں تھا..... نصرت کافی سمجھدار اور دور اندیش لڑکی تھی وہ تمام حالات بھانپ گئی..... کیا بھیا آئے تھے؟ اس نے مجھ سے پوچھا..... میں کیا جواب دیتی بس پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اب اس کو یقین ہو گیا وہ پھر گویا ہوئی ..... پگلی وہ تو آپ سے ملنے آئے تھے باتیں کرنے آئے تھے آپ نے مجھے کیوں بلایا؟..... وہ سچ کہہ رہی تھی وہ واقعی مجھ سے ملنے آئے تھے میری بے قراری اور تڑپ کو دیکھ کر میرے زخموں پر مرہم رکھنے آئے تھے مجھے کامل یقین ہے کہ وہ خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت پر مبنی شہید کی کرامت تھی ..... ماضی میں بھی ایسے کئی واقعات دیکھنے میں آئے تھے اور نصرت کے علاقے کے دو شہیدوں کی ایسی کرامات سامنے آئیں تھیں ایک شہید ان کے محلے کا تھا ان کے دو بچے تھے شہادت کے کچھ دن بعد جب ان کی اہلیہ کمرے میں سونے کے لئے گئی تو اپنے شہید خاوند کو پلنگ پر موجود پایا انسان کے اندر کا خوف وڈر ایک فطری چیز ہے چنانچہ وہ خوفزدہ ہو کر باہر نکل گئی اس دن انہوں نے اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کیا مگر دوسرے کمرے میں جا کر سو گئی دوسری رات پھر وہی معاملہ دیکھا وہ پھر گزشتہ رات کی طرح دروازے سے ہی واپس نکل گئی لیکن تیسری رات جب شہید موصوف کو پھر موجود پایا تو اس نے یہ بات اپنی ساس صاحبہ یعنی شہید کی والدہ کو بتائی، اس کے بعد دیکھا شہید وہاں موجود نہ تھا اور یہ راز افشاء ہونے کے بعد وہ پھر کبھی نہیں آئے..... جہادی کی شہادت کے بعد مجھے پورا یقین تھا کہ وہ مجھ سے ملنے ضرور آئیں گے کیونکہ وہ مجھے بے حد چاہتے تھے میں ہر رات ان کی آمد کی منتظر رہتی تھی لیکن جب وہ آئے تو میری کم ہمتی نے مجھے انکے دیدار سے محروم رکھا بعد میں میں نے بہت دعائیں مانگیں رو رو کر انہیں منایا لیکن وہ پھر کبھی نہ آئے البتہ خواب میں تقریباً روزانہ آتے رہتے تھے۔

* * *

خواب کے ذریعے رہنمائی

اس واقعے کے دوسرے یا تیسرے دن میں نے انہیں خواب میں دیکھا وہ میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لائے اور کہا رات کو ادھر نہیں سونا پھر انہوں نے دائیں بائیں دو گھروں کی طرف اشارہ کر کے کہا ان دونوں میں سے کسی ایک میں چلی جاؤ مگر ادھر نہیں ٹھہرو..... صبح اٹھی تو خواب مجھے اچھی طرح یاد تھا مگر غیر اختیاری طور پر میں نے کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا حتیٰ کہ نصرت سے بھی نہیں، اسی دن عصر کا وقت تھا کہ گیٹ پر دستک ہوئی بڑے بھائی نے دروازہ کھولا تو چار مرد ایک دم اندر آ گئے، بھائی جان نے انہیں روکا اور پوچھا وہ کون ہیں کس سے ملنا چاہتے ہیں؟..... انہوں نے جواب دیا کہ وہ بجلی والے ہیں اور صحن میں کھڑے بھائی سے باتیں کرنے لگ گئے، ان کی شکل وصورت اور انداز بالکل الگ تھا وہ باتیں بھائی جان سے کر رہے تھے مگر ان کی آنکھیں مکان کے چاروں طرف گھوم رہی تھیں..... میں اور بھابی کمرے سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں، بھابی کہنے لگیں یہ تو جیسے فوجی لگتے ہیں آؤ ہم اوپر چلتے ہیں، ہم دونوں دوسری منزل میں چلے گئے اور کھڑکی کی اوٹ سے ان مشتبہ لوگوں کو دیکھنے لگیں ،ان کی تیز نظروں کا انداز میرے دل میں کئی وسوسے پیدا کر رہا تھا..... مجھے وہ دن یاد آیا جب شبنم باجی کے گھر میں ایک بی ایس ایف اہلکار سول کپڑوں میں ہمارے پوائنٹ کی ''ریکی'' کر کے گیا اور اسی رات وہاں چھاپہ پڑا، بعد میں اس نے ہمارے سامنے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ وہ گھر کی ''ریکی'' کر کے گیا تھا..... کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے، بھائی جان کہنے لگے یہ لوگ بجلی والے کم اور ایس ٹی ایف والے زیادہ نظر آتے تھے اور اردو بول رہے تھے، آخری بات سن کر میرا شک یقین میں بدل گیا..... اماں جی بھی اوپر آ گئیں تھیں اور سب اسی مسئلے پر بات کر رہے تھے، اچانک مجھے خواب یاد آیا اور اماں جی کو سنایا..... وہ

فوراً ہوشیار ہوئیں اور بولیں آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، ضرور کوئی خطرہ ہے اس لئے شہید نے آپ کو بروقت آگاہ کر دیا، آپ دونوں فوراً یہاں سے نکل جاؤ.....مغرب کا وقت ہونے والا تھا اور تو کہیں جانا اس وقت ممکن نہ تھا اس لئے خواب سے رہنمائی لیتے ہوئے ''اوپر والے'' یعنی رابعہ کے گھر جانا مناسب سمجھا، اگلے دن ہمیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہونے کی اطلاع ملی، نصرت گھر چلی گئی رابعہ نے احتیاطاً مجھے ادھر ہی رکنے کا کہا، میرا دل ابھی بھی مطمئن نہ تھا خواب کی تعبیر چونکہ عنقریب ظاہر ہونے والی تھی اس لئے میری بے چینی میں رفتہ رفتہ اضافہ ہو رہا تھا، آخر میں نے اسی دن ترال جانے کا ارادہ کر لیا، آنٹی نے سیرت فاطمہ کو اپنے پاس ہی رکھا اور مجھے دعاؤں کے سائے میں رخصت کر لیا۔

* * *

وادی ترال کی جانب

میں ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر اندر سرینگر سے ترال پہنچی، وہاں سے لام جوہر پور والی گاڑی پر بیٹھ گئی، لڑ کیمپ پر بس کی تلاشی ہوئی میرے پاس چونکہ کچھ نہیں تھا اس لئے بے فکر ہو کر بیٹھی رہی فوجی نے میرے پرس اور شاپنگ بیگ کو کھنگالا اور آگے بڑھ گیا۔

کیمپ کراس کر کے آگے سیدھا راستہ تھا سامنے کوٹ گھری کا فلک بوس پہاڑ میرے استقبال کو کھڑا تھا اس پر نظر پڑتے ہی بیتے دنوں کی یادیں تازہ ہو گئیں پھر وہ پُل بھی آیا جو کوٹ گھری سے آنے والے نالے پر بنا ہوا ہے، اس نالے کے ساتھ کئی خوبصورت یادیں جڑی تھیں، میں شیشے کے ساتھ سر ٹکائے ماضی کی حسین یادوں میں محو تھی یہ وادی مجھے بے حد پسند تھی مگر آج اس علاقے کو دیکھ کر بار بار آنکھیں بھر آتی تھیں.....گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی کچھ دیر بعد ڈارگنائی گنڈ کا علاقہ آیا میں نے کچھ سوچ کر بجائے لام کے ادھر ہی اترنا مناسب سمجھا اور سیدھا اماں جی کے گھر چلی گئی.....اس خوش بخت گھرانے کا تعارف شاید میری کتاب ''شہباز جرنیل'' میں ہو چکا ہے بہر حال اتنا کہنا ضروری ہے کہ یہ لوگ مجاہدین کے پکے اور مخلص حمایتی تھے، اماں جی ایک بیوہ خاتون تھیں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا مجاہدین کا ساتھ دینے کی پاداش میں گھر کا واحد کفیل اور چار بہنوں کا اکلوتا بھائی کوٹ بھلوال جیل میں قید تھا، اس کے باوجود اماں جی راشد بھائی سے اکثر کہتی کہ آپ ہمارے گھر میں ہائیڈ بنوا دیں وہ جانتی تھیں کہ اس صورت میں ان کا گھر بار، جان اور عزت سب کچھ خطرے میں پڑ جائے گا چنانچہ ان کا یہ ایثار اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ کشمیری مسلمان غاصب ہندی فوج سے آزادی حاصل کرنے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں.....راشد بھائی شہید ان کے گھر میں اکثر آتے جاتے تھے اور یہ لوگ بھی اُن پر جان چھڑکتے تھے چنانچہ جب میں گھر میں داخل ہوئی تو وہاں کہرام مچ گیا بہنیں میرے گلے لگ لگ کر رو رہی تھیں اور شہیدوں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں..... اماں جی نے مجھے گلے سے لگا دیا تو مجھے ان کے وہ الفاظ یاد آئے بیٹی اپنے سرتاج کے لئے دن رات دعا مانگا کرو شوہر کے بغیر عورت کی کوئی زندگی نہیں ہوتی.....اماں جی! میں نے ہر دعا ان کے نام کی تھی مگر..... یہ کہتے ہوئے میری ہچکیاں بندھ گئیں، بس بیٹی مقدر میں یہی لکھا جا چکا تھا اب صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میرا بیٹا بلال شہید ہو چکا ہے..... ہمارا ابھی تک کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا.....وہ خود بھی رونے لگیں ماحول پر دیر تک سوگواری چھائی رہی اور میں نے انہیں وہ تمام واقعہ سنایا کمرے میں سے ہر طرف آہیں اور سسکیاں سنائی دے رہیں تھیں رات کو میں نے اُن سے ساتھیوں کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا اس واقعے کے بعد ادھر حالات کافی خراب ہو گئے تھے.....روزانہ کہیں نہ کہیں چھاپہ پڑتا تھا غلام محمد والی ہائیڈ بھی پکڑی گئی (وہاں سے غازی بابا نے پہلے ہی سامان وغیرہ اٹھوا لیا تھا کیونکہ ان کا گھر مشکوک ہو گیا تھا) اماں جی نے بتایا کہ آجکل ادھر امن وامان ہی ہے لیکن ساتھی اوپر جنگل میں ہی رہتے ہیں، میں سمجھ گئی کہ آج کل بستی میں مجاہدین کی موومنٹ نہیں ہے، صبح میں نے ایک پرچی ایک قابل اعتماد آدمی کو دے کر اسے جنگل کی طرف بھیج دیا شام کو وہ شخص واپس آیا اور کہا کہ کافی

تلاش کے بعد انہیں جنگل میں ایک مجاہد عامر شہید (صادق آباد) ملے پرچی پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور جمال بھائی تک پیغام پہنچایا، جمال بھائی اس وقت وہاں کے ڈسٹرکٹ کمانڈر تھے ان کا تعلق کڑبگلہ (مری) سے تھا..... عامر بھائی نے جمال بھائی کا پیغام ایک پرچی پر لکھ کر اسی آدمی کے حوالے کیا، اس میں اگلے دن زیزبل کے مقام پر ملاقات کا لکھا تھا۔

* * *

مجاہدین سے ملاقات

اگلے دن علی الصبح میں اور اماں جی جنگل کی طرف روانہ ہوئیں، میں نے ایک بڑی چادر اوڑھ لی اور اسی سے نقاب بھی کیا اور لام جوہر پور سے باہر باہر نالے کے کنارے چلتے گئے، لام کراس کرنے کے بعد جنگل کا راستہ پکڑا آج میں پھر کوٹ گھری کی طرف بڑھ رہی تھی دو سال پہلے کا وہ سفر یاد آیا اور وہ ہم سفر بھی جو ذرا سا پاؤں پھسل جانے پر لپک کر مجھے تھام لیتا، ہمارا سفر صرف دو ڈھائی گھنٹے کا تھا جو زیزبل سے تھوڑا آگے جا کر ختم ہونا تھا لیکن میرا دل کرتا تھا ان راستوں پر چلتی ہی رہوں جو کبھی میرے محبوب کی راہ گزر تھے اس ٹاپ کو کراس کر کے ان وادیوں میں چلی جاؤں اور انہیں تلاش کروں ان کی ایک ایک یاد کو سمیٹوں کتنی ہی یادیں بکھری ہیں وہاں..... وہ ٹوٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ کر ''کیموفلاج'' کے بارے میں نوٹس لکھوانا، شاید وہ بے جان درخت کا تنا ادھر ہی پڑا، ہو وہ چشمے کے پاس کھڑے ہو کر ان کا نظم پڑھنا

مظلوم میری وادی جب لوٹ کے آئیں گے ہم
قربان ہونگے تجھ پر تجھ کو سجائیں گے ہم

شاید ان کی آواز کی بازگشت اب بھی اُن فضاؤں میں موجود ہو اس وقت چشمے پر پاکستان جانے کا ذکر آیا تھا اور وہ مظلوم وادی سے دور ہونے کے غم میں اداس ہو گئے تھے لیکن پھر وہ کہیں بھی نہیں گئے نو سال گزارنے کے باوجود انہیں وہ مظلوم دھرتی چھوڑنے کا دل نہیں کرتا تھا، انہیں واقعی وادی کشمیر سے محبت تھی، کشمیر کا درد ان کے سینے میں گھر کر گیا تھا، انہیں اس اجڑے چمن میں بہاریں سجانے کی جستجو تھی، تب انہوں نے محبت کا حق ادا کر دیا اور مظلوم وادی پر واقعی قربان ہو کر دکھایا..... سب کچھ یاد آ رہا تھا ان کے جذبے اور ولولے، وہ پتھر پر ٹارگٹ بنا کر مجھ سے فائر کرانا، جب گولی نشانے پر لگتی تو جہادی خوشی سے نعرہ لگاتے ''شاباش شیر کی بچی'' اور وہ طوفانی بارش میں خیمے کے اندر آگ جلا کر خوش گپیاں کرنا اور بھی بہت سی باتیں اور یادیں رلا رہیں تھیں، تڑپا رہی تھیں تو دل کرتا تھا کوٹ گھری میں جا کر ان تمام یادوں کو پلکوں میں سجالوں اور انھیں آواز دے کر کہوں کے

مہیہ یارۂ ژھونڈکھ پتھ ونن
شہباز گیۂ نا زانیہ کنن
ژادان بہ لو سس کوہ بہ کوہ
ہو ہو بہ کریو یور ولو
امیہ دین حقہ کیے شہیدو
ہو ہو بہ کریو یور ولو

ترجمہ

اے یار میں نے تجھے جنگلوں اور بیابانوں میں ڈھونڈا
اے شہباز کیا تمہیں میری کوئی صدا سنائی نہ دی
میں تجھے ان کوہ و بیابانوں میں ڈھونڈتے ہوئے تھک گئی ہوں

اے دین حق کے شہید میں تم پر قربان لوٹ کر آ جاؤ

زیزبل بکروالوں کی آخری بستی ہے، بلندی پر ہونے کی وجہ سے مجاہدین کے لئے وہاں سے حالات پر نظر رکھنا آسان تھا، کھانے وغیرہ کی ضرورت بھی بکروالوں سے پوری ہوتی تھی.....ہم وہاں پہنچے تو ایک مجاہد اگلی ''ڈھوکوں'' پر ہمارا انتظار کر رہا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ عامر بھائی ہیں، عامر بھائی ہمیں دائیں طرف درختوں کے جھنڈ سے گذار کر ایک ڈھوک میں لے گئے، یہ ڈیرہ سب سے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے قدرے محفوظ تھا ساتھی ابھی نہیں آئے تھے بکروالوں نے ہمیں عزت کے ساتھ بٹھایا اور ایک بکرا ذبح کر کے مجاہدین کے لئے کھانا تیار کرنے میں لگ گئے.....وہ بہت اچھے اور مخلص لوگ تھے مجھے اس بوڑھے اور عمر رسیدہ بکروال کے آنسو آج بھی یاد ہیں وہ روٹی کھا رہے تھے اور راشد بھائی کی باتیں کرتے کرتے آنسو انکی روٹی پر گر رہے تھے اور وہ بار بار یہ کہہ رہے تھے میں نے راشد بھائی کو لاکھ کہا کہ بیٹا تم شہر مت جاؤ لیکن وہ نہ مانے اور پھر ایسے گئے دوبارہ واپس نہ آئے۔

مجھے اس سادگی کے پیکر بوڑھے آدمی کے خلوص پر تعجب ہو رہا تھا انہیں اپنے خلوص و محبت کی بنا پر اس بات کا یقین تھا کہ یہاں وہ اپنے مہمان کی حفاظت کریں گے اور انہیں نقصان نہیں پہنچنے دیں گے، ہم خیمے کے اندر ہی بیٹھے تھے اتنے میں اوپر کی طرف سے مجاہدین کی ایک لمبی قطار آتی ہوئی دکھائی دی، میں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی تھی، اماں جی نے مجھے بتایا کہ جو مجاہد سب سے آگے آگے ہے یہ جمال بھائی ہیں، میں نے پہلے ہی نقاب کر رکھا تھا جمال بھائی کے ساتھ دو تین ساتھی خیمے کے اندر آئے باقی باہر رہے، سلام دعا کے بعد ہر طرف سسکیاں سنائی دے رہی تھیں، جمال بھائی رومال میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، مجاہدین کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کسی خطرناک سفر کے دوران کسی بچے کے ماں باپ بچھڑ گئے ہوں، بے شک چیف کمانڈر کی حیثیت ایک باپ جیسی ہی ہوتی ہے.....اس پر نائب چیف راشد بھائی بھی ساتھ ہی چلے گئے جنہوں نے اس سے قبل ترال کا نظام سنبھالا تھا اور اب چیف کمانڈر کی ذمہ داری بھی انہوں نے سنبھالنی تھی مجاہدین پر واقعی وہ کڑا وقت تھا.....میں سوچ رہی تھی کہ خود کو کیسے سنبھالوں اور انہیں کیسے تسلی دوں آخر مجاہدین کی بے قراری دیکھ کر میں نے اپنے آنسو پی لئے اور انہیں مخاطب کر کے کہا میرے بھائیو! حوصلہ رکھو اگر ہم حوصلہ ہار بیٹھے تو مزید بکھر جائیں گے ابھی آپ نے شہیدوں کا انتقام بھی لینا ہے اس لئے اپنے آپ کو سنبھالیں.....میری بات سن کر سب ایک دم خاموش ہو گئے جمال بھائی سر جھکائے انتہائی ندامت سے بولے: بہن جی! ہمیں معاف کیجئے گا ہم آپ کے لئے کچھ نہ کر سکے ہم نے بہت کوشش کی مگر آپ سے رابطہ نہیں ہو سکا.....نہیں وہ حالات ہی ایسے تھے اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں پھر میں نے اس کے علاوہ سرینگر والے ساتھیوں کے حالات شبنم باجی کا مسئلہ اور اپنا مدعا و مقصد بھی مختصر الفاظ میں بیان کیا کہ مرکز سے میرے لئے فدائی کارروائی کی اجازت لیں.....انہوں نے مجھے بتایا کہ عثمان بھائی اور دوسرے ساتھی کپواڑہ میں ہیں اور خیر و عافیت سے ہیں اس کے بعد انہوں نے ادھر ہی سے بیس کیمپ رابطہ کیا اور وہاں مفتی محمد اصغر خان صاحب کو میری آمد اور عزم و ارادے کے بارے میں آگاہ کیا، مرکز کا حکم تھا کہ مجھے پاکستان پہنچا دیا جائے لیکن میں اس کے لئے بالکل تیار نہ تھی ہاں ہر کشمیری کی طرح مجھے بھی پاکستان سے قلبی لگاؤ تھا اور پاک سرزمین جہاں میرا سسرال بھی تھا کو دیکھنے کا مجھے بڑا ارمان تھا مگر اب وہ سارے خواب جہادی شہید کے ساتھ دفن ہو چکے تھے اس لئے میں نے مرکز سے فدائی کی اجازت مانگی، جمال بھائی نے اس حوالے سے مفتی صاحب سے بات کی انہوں نے جواب دیا کہ وہ مشورہ کر کے کچھ دن بعد جواب دیں گے..... جمال بھائی نے مجھے شبنم باجی والوں کے لئے کچھ رقم دے دی اور اپنے خرچہ کے لئے بھی، اس کے علاوہ ایک پسٹل اور گرنیڈ بھی مجھے اپنے دفاع کے لئے دے دیئے، ظہر کی نماز کے بعد ہم نے کھانا کھایا اس کے بعد واپس آئے ساتھیوں سے رابطہ ہونے اور اسلحہ حاصل کرنے پر مجھے بے حد خوشی اور اطمینان محسوس ہو رہا تھا میں بغیر کسی مبالغے اور لگی لپٹی کے کہتی ہوں کہ اسلحہ دنیا کے ہر زیور سے خوبصورت اور دلکش زیور ہے جب کوئی مومن اس کو اپنے جسم پر سجاتا ہے تو یہ اس کی شخصیت کو انتہائی بارعب اور پر وقار بنا دیتا ہے، مجھے اسلحے سے شروع سے محبت تھی چنانچہ ایک ماہ بعد یہ مقدس زیور اپنے جسم پر سجاتے ہوئے مجھے بہت سکون مل رہا تھا میں نے عزم کر لیا کہ اب ایک لمحہ بھی اسلحہ خود سے دور نہیں

کروں گی کیونکہ معمولی سی غفلت کے باعث میں نے بہت بڑا دھوکہ کھایا، مجاہدین عموماً اپنا اسلحہ ساتھ رکھتے تھے حتیٰ کہ باتھ جاتے وقت بھی کم از کم پسٹل ضرور ساتھ ہوتا تھا لیکن وہاں چونکہ ہائیڈ تھی اور جہادی بھی ساتھ تھے اس لئے میرا سامان ہائیڈ کے اندر تھا بہر حال اس بات سے میں نے سبق حاصل کیا اور پھر رات کو سوتے وقت بھی پسٹل میرے سرہانے کے نیچے ہوتا تھا۔

* * *

نئے چیف کمانڈر کا تقرر

اب وادی کے نئے چیف کمانڈر بھائی قاری آصف عرف صحرائی بابا تھے ان کے چیف کمانڈر بننے کی داستان بڑی ایمان افروز ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے بلا شبہ شہید زندہ ہیں اور جہاد کشمیر ہر لحاظ سے شرعی جہاد ہے۔

ذمہ داری ایک ایسا بوجھ ہے جسے کوئی بھی مخلص مجاہد بخوشی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور پھر چیف کمانڈر کی ذمہ داری کوئی معمولی بات نہ تھی سیٹ اپ کو چلانے کا کام ہو یا وسائل فراہم کرنا یہ سب کام انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں..... غازی بابا چونکہ مرکز کی تشکیل پر پاکستان آنے کی تیاری کر رہے تھے اس لئے راشد بھائی کو اپنی تمام تر ذمہ داریاں سونپ دی تھیں انہیں ترال سے سرینگر بلانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ انہیں کام کی ساری ترتیبات سمجھا دی جائیں.....ان کی شہادت کے تین چار روز بعد مرکز کی طرف سے ان کی شہادت کا تصدیقی بیان جاری ہوا، ساتھ ہی قاری آصف صاحب کو نئے چیف کمانڈر کے طور پر منتخب کیا گیا، قاری صاحب کے کندھوں پر ذمہ داری کا بھاری بوجھ آ پڑا تو وہ کافی پریشان ہوئے اور ذمہ داری لینے سے معذرت کر لی، ظاہر ہے غازی بابا شہید ایک لمبے عرصے سے اپنے انداز سے کام کر رہے تھے، ان کے بنائے سیٹ اپ کو آگے بڑھانا کسی چیلنج سے کم نہ تھا چنانچہ کچھ دن اسی کشمکش میں گذر گئے ادھر غازی بابا شہید اپنے مرقد میں بے چین ہو رہے تھے کہ ان کا پرچم اب تک کسی نے نہیں تھاما آخر ایک رات وہ قاری آصف صاحب کے خواب میں آئے اور ان کا ہاتھ تھام کر بولے قاری صاحب آئیں میں آپ کو کشمیر کا جہاد سمجھا دوں۔

چنانچہ جہاد ہند کا شہباز جرنیل خواب میں اپنے جانشین کو کشمیر کا جہاد سمجھاتا رہا وہ کافی دیر خواب میں ان کے ساتھ رہے اور ان کی تشویش دور کر دی.....اگلے دن جب مرکز نے قاری آصف صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے خواب والا واقعہ بیان کیا اور بخوشی ذمہ داری قبول کر لی اس کے بعد قاری آصف عرف صحرائی بابا کے جیش کے نئے چیف کمانڈر بننے کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

* * *

نصرت کے گھر پر چھاپہ اور بھائی جان کی گرفتاری

اس دن ترال میں میرا چوتھا دن تھا فاطمہ بہت یاد آ رہی تھی رابطے کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا تاکہ خیر خبر ہی معلوم ہو اس پورے علاقے میں سوائے ترال قصبے کے کہیں بھی ٹیلی فون کی سہولت میسر نہ تھی ایک دن دل بہت زیادہ اداس ہوا تو خیال آیا ترال سے فون کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کر لوں۔

اکتوبر کا مہینہ شروع ہو چکا تھا پہاڑی علاقوں میں ہلکی ہلکی سردی شروع ہو چکی تھی اس دن اچانک بادل آئے اور ترال پہنچنے سے قبل موسلا دھار بارش شروع ہو گئی گاڑی سے اتر کر میں جلدی سے ایک پی سی او میں داخل ہوئی اور رابعہ کے گھر کا نمبر ملایا دوسری طرف آنٹی نے فون اٹھایا، مجھے ایسا لگا جیسے وہ فون کے انتظار میں تھیں، سلام دعا کے بعد وہ فوراً کہنے لگیں..... بیٹا آج کل ہم بہت مصروف ہیں، انکل جی کے گھر شادی ہے نا جس دن آپ گئی اسی رات وہ دعوت دینے آئے تھے، وہ بھائی

جان کو ساتھ لے گئے ہیں اور آپ کا بھی پوچھ رہے تھے..... یہ کہانی سن کر میرے پیروں سے زمین سرک گئی، انکل جی ہم کوڈ ورڈ میں آرمی والوں کو کہتے تھے چونکہ فوجی عموماً فون سن لیتے تھے اس وجہ سے آنٹی نے مجھے خفیہ انداز میں یہ اندوہناک خبر سنائی جس کا واضح مطلب تھا کہ میرے جانے کے فوراً بعد نصرت کے گھر چھاپہ پڑا اور بھارتی فوجی اس کے بھائی کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں، گویا میرا خواب سچا ہو گیا اور میرے شہید نے مجھے مشکل میں پھنسنے سے پہلے آگاہ کر دیا۔

میں نے آنٹی سے سیرت فاطمہ کے متعلق پوچھا، انہوں نے اسی طرح خفیہ انداز میں جواب دیا ہاں باقی سب ٹھیک ہے چھوٹا بھی تیار بیٹھا ہے آج اس نے گھر جانا ہے، میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے بچی کو لے جانے کا کہہ رہی ہیں دوپہر بارہ بجے کا وقت تھا سرینگر تک مزید دو گھنٹے لگیں گے وہاں سے واپس ڈار پہنچنا ہے وقت بہت کم ہے اور موسم بھی خراب ہے اب کیا کیا جائے رابطہ منقطع کر کے میں ریسیور ہاتھ میں پکڑے تفکرات میں گھر گئی بہرحال میں بچی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی، اگر دشمن کو پتہ چلا تو ضرور اس کو گرفتار کریں گے پھر کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لئے مجھے وقت ضائع کئے بغیر سرینگر جانا چاہئے، وہاں ہر وقت گاڑی دستیاب ہوتی ہے اس حوالے سے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا..... جب میں رابعہ کے گھر پہنچی وہ سب میرا ہی انتظار کر رہے تھے نصرت بھی ادھر آ گئی تھی سب لوگ بھائی جان کی وجہ سے پریشان تھے میں نے برقعہ نہیں کھولا میں جلدی واپس ہونا چاہتی تھی کیونکہ سفر زیادہ تھا اور وقت بہت کم مگر آنٹی نے کھانا کھانے پر اصرار کیا مجبوراً چند نوالے لئے اس دوران نصرت نے مجھے چھاپے کی تفصیل سنائی واقعہ کچھ اس طرح تھا..... میرے جانے کے بعد رات ساڑھے گیارہ بجے پانچ گاڑیوں پر مشتمل بھارتی فوج کا قافلہ محلے میں آ دھمکا، وہ گیٹ کے بجائے دیواریں پھلانگتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تلاشی کے نام پر گھر کا سامان تہس نہس کر دیا گیا، انہیں میری وہاں موجودگی کا پکا یقین تھا انہوں نے پیٹیوں اور بند بستروں کو کھول کر دیکھا، جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو بڑے بھائی محمد یٰسین پر تشدد کیا کہ ''غازی بابا'' کی بیوی کو کہاں چھپا رکھا ہے؟ ضرور تمہارے گھر میں ہائیڈ ہے اب ہم پورے گھر کی کھدائی کریں گے ورنہ صاف صاف ہائیڈ کا پتہ بتاؤ۔

ہمارے گھر میں کوئی ہائیڈ نہیں ہے اگر تم کھدائی کرنے پر بضد ہو تو میں اس شرط پر کھدائی کرنے دوں گا کہ اگر ہائیڈ برآمد ہوئی تو جو سزا تم دینا چاہو دے دو مگر ہائیڈ نہ ہونے کی صورت میں میں آپ لوگوں سے ہرجانہ (معاوضہ) لوں گا بھائی جان کی دلیری پر مشرک آگ بگولہ ہو گئے اور انہیں یہ کہہ کر گاڑی کے اندر پھینک دیا کہ یہ کیمپ میں ہی سب کچھ بتا دے گا.....ایک ایس ٹی ایف اہلکار دوسرے کمرے سے نصرت کی بھابی کو پکڑ لایا اور اعلان کیا غازی بابا کی بیوی یہ ہے سارے فوجی اس کے گرد جمع ہو گئے پھر انہی میں سے ایک اور بی ایس ایف والے نے بھابی کا بغور جائزہ لینے کے بعد کہا یہ وہ نہیں ہے۔

چنانچہ اس خبیث نے دوسروں کو میرا پورا حلیہ بتا دیا.....نصرت کہتی ہیں کہ اس کی باتیں سن کر وہ حیران ہوئیں اور اس سے پوچھا کہ آپ اس کو جانتے ہیں؟.....وہ بولا ہاں وہ گرفتار ہو گئی تھی مگر اس چالاک لڑکی نے ہمیں مسلسل دھوکے میں رکھا مگر اب وہ ہم سے نہیں بچ سکتی، ہم اس کو پہچانتے ہیں..... یہ بدبخت انسان کارگو کیمپ سے تعلق رکھتا تھا اور یقیناً اس نے مجھے دیکھا ہوگا کیونکہ ہمیں نہ نقاب کرنے کی اجازت تھی اور نہ ہی وہ سر جھکا کر بیان لیتے تھے بلکہ زبردستی سر اٹھا کر بات کرنے پر مجبور کرتے تھے..... بہرحال نہ ادھر ہائیڈ تھی، نہ ہی انہیں ملنی تھی بالآخر ذلیل ہو کر واپس چلے گئے البتہ بھائی یٰسین ان کے ہتھے چڑھ گئے ظالموں نے انہیں راستے سے ہی مارنا پیٹنا شروع کر دیا حتیٰ کہ جہاں جہاں سے دہشت گردوں کا قافلہ گزرا لوگ بھائی کی چیخ و پکار سن رہے تھے.....کیمپ میں ان پر مزید تشدد ہوا ان کی پنڈلیوں سے گوشت اتار لیا گیا، اس خوفناک تشدد کے دوران اُن سے میرے متعلق پوچھا جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین صلہ دے انہوں نے میرے حوالے سے ایک لفظ تک نہیں بولا حالانکہ انہیں بہت سی باتوں کا علم تھا آخر بیس دنوں کے بعد انہیں نیم مردہ حالت میں چھوڑ دیا گیا، یہ وہ وقت تھا جب بھارتی فوج کے تمام تفتیشی مراکز سے بے گناہ مسلمان بھرے پڑے تھے، بھائی جان نے رہائی کے بعد ان لوگوں پر ہونے والے تشدد کی لرزہ خیز داستان سنائی.....گرفتار شدگان میں جیش محمد ﷺ کا سرکردہ مجاہد اور غازی بابا کا خاص ساتھی نور محمد عرف ذوالفقار بھائی بھی شامل تھے وہ ترال کے علاقے ''ڈار'' کے رہنے والے تھے بھائی جان نے بتایا کہ فوجی انہیں پٹرول کا انجکشن لگاتے وہ بھی اس

سفاک اور شرمناک طریقے سے جسے تحریر میں لانا ناممکن ہے..... بھائی ذوالفقار پاگلوں کی طرح چیختے چلاتے تڑپتے اور بالآخر بے ہوش ہو جاتے ان کے چیخنے چلانے پر بھارتی فوجی قہقہے لگاتے تھے..... ذوالفقار بھائی تا حال بھارت کے زندانوں میں زندگی کے شب و روز گذارنے پر مجبور ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں اور تمام اسیران اسلام کو رہائی نصیب فرمائے آمین۔

بات کہیں اور نکل گئی اس دن بھائی جان کی گرفتاری کا چوتھا دن تھا سارا خاندان شدید پریشانی میں مبتلا تھا اس کے باوجود ان کے خلوص و محبت میں کوئی کمی نہ آئی تھی جاتے وقت سب نے یہی کہا کہ حالات جوں ہی بہتر ہوں آپ واپس آنا کیونکہ اب یہی آپ کا گھر ہے آنٹی کہنے لگی میں آپ کو خود ترال چھوڑ آؤں گی ورنہ مجھے فکر رہے گی کیونکہ کافی دیر ہوگئی ہے، میں نے اس پیشکش کو غنیمت جانا وہ فوراً تیار ہوئیں، جلدی کے لئے ہم نے ٹیکسی لے لی، اس کے باوجود مغرب کے بعد ڈار پہنچے۔

گھر والے بچی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے فاطمہ ان دنوں اپنے بابا کے غم میں بیمار رہنے لگی تھی اکثر بخار آجاتا اور وہ انہیں بہت یاد کرتی ایک دن اس نے بار بار مجھ سے یہ سوال کیا..... ماں! بابا کدھر گئے ہیں؟ یہ سوال مجھے تڑپا دیتا تھا جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہہ دیا آپ کے بابا جنت میں گئے ہیں، وہ خاموش ہوئی گویا سوچ رہی ہو جنت کس بستی کا نام ہے تھوڑی دیر بعد میرا ہاتھ پکڑ کر بولی ماں! آؤ ہم بھی جنت میں جائیں معصوم محبت کا یہ منظر دل کو چھلنی کر گیا اور میں اسے گلے لگا کر سسک پڑی۔

میں جانتی تھی کہ بار بار بخار آنے کی کیا وجہ ہے لیکن میں اس کو بابا کہاں سے لا کر دیتی وہ تو وہاں چلے گئے تھے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آسکتا اور ان کے پیارے ان کی دید کو ترستے رہتے ہیں۔

* * *

آزادی کی راہ میں ہر خوشی قربان

ڈار میں اماں جی اور بہنیں ہر وقت میرا دل بہلانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں مگر وہ دل ہی کیا جو جہادی کے بغیر بہل جائے، بڑی بہن آمنہ نے جہادی شہید پر ایک پُر درد مرثیہ پڑھا تھا اور اس سے قبل بھی کئی شہیدوں پر اس نے ایسے مرثیے لکھے تھے وہ بہت مخلص اور دلیر لڑکی تھی نہ صرف جذبہ جہاد بلکہ شوق شہادت بھی دل میں رکھتی تھی اور مجاہدین کے کئی چھوٹے بڑے کام کر دیا کرتی تھی، وہ تقریباً میری ہم عمر تھی اور جذبہ جہاد سے سرشار وہ لڑکی کافی حد تک میری ہمراز تھی..... وقت انتہائی سست رفتاری سے گذر رہا تھا میں سوچ رہی تھی کہ میری جہادی کے ساتھ رفاقت کا دور دو سال آٹھ ماہ پر مشتمل تھا وہ زمانہ کتنی جلدی گذر گیا بالکل اس طرح جیسے میں نے ایک خوبصورت خواب دیکھا جو ایک تاریک رات کے اختتام پر ٹوٹ گیا اور جدائی کے یہ دو ماہ صدیوں پر محیط ہو گئے مجھے مرکز کی طرف سے اجازت کا انتظار تھا اس صبر آزما دور کو گذارنے کے لئے میں نے ایک مصروفیت تلاش کر لی جس میں وقت بھی گذر جاتا اور اجر و ثواب بھی مل جاتا..... چنانچہ میں نے مجاہدین کے لئے جرسیاں بنانی شروع کیں..... مجھے کوئی کام بھی نہیں ہوتا تھا اس لئے سارا دن اوپر کمرے میں سویٹر بنا رہی ہوتی تھی اس کام کے دوران وہ لوگ شدت سے یاد آتے رہے جنہیں گذشتہ سال یہ پرخلوص ہدیے دیئے تھے، بھائی وقاص شہید، راشد بھائی شہید اور جہادی شہیدان سب کو یاد کر کے آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں کب سوچا تھا کہ اگلے سال یہ ہمارے درمیان نہیں ہونگے یہ سوچ کر آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش لگ جاتی تھی کبھی اچانک اماں جی مجھے اس حال میں دیکھتیں تو تڑپ کر رہ جاتیں اور مجھے سمجھاتیں..... بیٹی!..... کتنے آنسو بہاؤ گی آخر کتنا روؤ گی اس قدر محنت طلب کام کر رہی ہو اور زار و زار رو بھی رہی ہو اپنے اوپر رحم کھاؤ..... پھر وہ خود بھی رونے لگتیں..... راشد بھائی کو وہ لوگ بہت عزیز رکھتے تھے اور انہیں ہمیشہ یاد کر کے روتے تھے..... دن رات کی انتھک محنت کر کے میں نے ہفتے ڈیڑھ ہفتے کے اندر دو جرسیاں بنالیں، ایک جمال بھائی کو ہدیہ کی جبکہ دوسری عدنان بھائی (تا حال اسیر انڈیا) کے کام آئی کچھ دنوں کے بعد جمال بھائی نے ملاقات کا پیغام بھیجا اس دن میرے

ساتھ زیز بل آ منہ جا رہی تھی کیونکہ اماں جی کی طبیعت خراب تھی ان دنوں نئے چیف کمانڈر صحرائی بابا بھی آئے ہوئے تھے، جمال بھائی نے ان سے مل کر ساری صورتحال بتائی تھی اور ملاقات پر انہوں نے مجھے کہا باجی! آپ کو مبارک ہو مرکز نے آپ کو کارروائی کی اجازت دے دی ہے اس بات سے مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ مجھے لگا جیسے میں ہواؤں میں اڑ رہی ہوں، اللہ پاک کا لاکھ شکر ہے جس نے میری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا میں نے کہا.....لیکن باجی اب مسئلہ بچی کا ہے ادھر تو اس کا مستقبل کسی طور بھی محفوظ نہیں ہے اس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے..... جی آپ صحیح کہے رہے ہیں یہاں تو عام لوگوں کا مستقبل خطرے میں ہے اس کی تو پھر بات ہی اور ہے.....اس لئے میں نے پہلے ہی سوچا تھا کہ بچی کو پاکستان اس کی دادی امی کے پاس بھیجا جائے..... یہ بات سن کر جمال بھائی سوچ میں پڑ گئے پھر کہنے لگے میں آپ کے جذبوں کا دل سے احترام کرتا ہوں لیکن بھائی ہونے کے ناطے آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ بھی فاطمہ کے ساتھ پاکستان چلی جائیں تو اچھا ہے باقی اللہ پاک نیتوں پر بھی اجر دیتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں میں سوچ کر جواب دوں گی یہ کہہ کر میں نے جمال بھائی کو مطمئن کیا اگر چہ مجھے معلوم تھا کہ میں نے کیا فیصلہ کرنا ہے لیکن کہیں وہ میرے فیصلے کو عجلت یا جلد بازی میں کیا ہوا فیصلہ نہ سمجھیں اس لئے ان سے ایسا کہہ دیا واپس آتے ہوئے راستہ بھر میں یہی سوچتی رہی کہ میں فدائی حملے کروں گی پاکستا میں کس لئے جاؤں اس پردیس میں میرا ہے ہی کون..... ہاں اگر جہادی ہوتے اور بات تھی۔

میں جمال بھائی سے کہوں گی کہ میرا کہیں جانے کا دل نہیں کرتا مجھے دنیا کی کوئی جگہ اب اچھی نہیں لگتی ہاں! ایسی ایک جگہ جانے کے لئے دل مچلتا ہے..... جہادی شہید کے پاس.....ان شہید بھائیوں کے پاس جو ہم سے بچھڑ گئے ہیں اور ہم سے پہلے راہ شوق کی منزل پا گئے ہیں.....گھر پہنچ کر اماں جی نے ہمارے لئے ''نون چائے'' بنائی کیونکہ میرا سر بھاری ہو رہا تھا اور بڑے بوڑھے کہتے تھے.....نمکین چائے پینے سے ذہنی تھکان دور ہو جاتی ہے، دو کپ نون چائے پینے کے بعد بھی طبیعت بوجھل سی تھی، میں اس وقت انتہائی نازک حالات سے گذر رہی تھی، اپنے مشن کی تکمیل کے لئے میں نے بہت بڑا اور مشکل فیصلہ کرنا تھا، جس منزل کو پانے کی خاطر اپنے پیاروں کی جدائی برداشت کی، وہ منزل مجھ سے قربانی مانگ رہی تھی اور میں نے جو آزادی کی راہ میں سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا تھا آج اسے نبھانے کا وقت آ چکا تھا، میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتی تھی مگر اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں جدا کرنا آسان کام نہ تھا، میں سوچ رہی تھی کہ وہ لمحات کس قدر صبر آزما ہونگے جب میں اپنے محبوب شوہر کی آخری نشانی کو الوداع کہہ رہی ہونگی گو کہ ابھی وہ وقت دور تھا لیکن جدائی کے تصور سے آنکھیں بھر آئیں، کیا میں اس کے بغیر رہ سکوں گی؟ اور یہ پھول جیسی بچی جو ابھی تک اپنے بابا کی جدائی پر سنبھل نہ سکی ماں کی آغوش سے اچانک دور ہو کر اس پر کیا گذرے گی؟..... یہ سوالات میری ہمت توڑ رہے تھے مجھے کمزور بنا رہے تھے میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھی، پھر یکا یک میری آنکھوں کے سامنے غازی بابا شہید کی والدہ کا افسردہ چہرہ گھومنے لگا، ان کے مجاہد بیٹے نے نو سال بعد شہادت سے ٹھیک پندرہ دن پہلے انہیں اپنی آمد کی نوید سنائی تھی.....14 اگست 2003 دوپہر بارہ بجے سیٹلائٹ فون پہ ہونے والی وہ گفتگو مجھے خوب یاد تھی، گھر والے کس قدر خوش ہو گئے تھے اور ہماری آمد کے حوالے سے کیسے خواب دیکھنے لگے تھے۔

میں تصور میں دیکھ رہی تھی کہ امی جی اب بھی پرنم آنکھیں لئے گھر کی دہلیز پر اپنے جوان بیٹے، بہو اور پوتی کا انتظار کر رہی ہیں، ان کی آنکھیں اب بھی محاذ جنگ سے آنے والے راستے پر لگی ہوئی ہیں اور انہیں اب بھی یقین ہے کہ ان کا بیٹا ''طاہر ندیم'' ضرور لوٹ کر آئے گا.....ان کا دکھ یاد کر کے مجھے اپنا غم ہلکا لگنے لگا پھر میرے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ میں سیرت فاطمہ کو ان کے پاس بھیج دوں گی، شاید اس طرح ان کا غم ہلکا ہو جائے اور اس کو دیکھ کر ان کا بڑھاپا بہل جائے شاید انہیں فاطمہ کے روپ میں ایک بار پھر ''طاہر'' کا بچپن مل جائے..... فیصلہ تو کر لیا مگر اس پر عمل کرنا کس قدر مشکل کام ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا، رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی نہ میرا کوئی ہمراز تھا اور نہ ہی کوئی مشورہ دینے والا تھا..... چنانچہ میں نے اپنے رب کے حضور سر جھکایا اور فریاد کی اے رب العالمین! اے بے کسوں کے فریادرس! میری رہنمائی فرما تیری یہ گنہگار بندی

عجیب دوراہے پر کھڑی ہے.....اللہ! تو تو جانتا ہے کہ میرا جذبہ سچا ہے مجھے اس امتحان میں سرخرو کردے.....یا ارحم الراحمین میں نے تیرے سوا کسی سے مشورہ نہیں کیا کیونکہ جانتی ہوں سب اس فیصلے کی مخالفت کریں گے.....اے اللہ! صرف تجھ سے مشورہ کیا ہے میری رہنمائی فرما اور میرے دل کو بھی مطمئن کردے آمین.....دعا کے بعد بے چین دل کو کچھ سکون ملا جیسے میرے مہربان رب نے میری رہنمائی فرمائی.....صبح جمال بھائی کی طرف رقعہ بھیجا کہ ''آپ بچی کو بھیجوانے کا بندوبست کریں اور میرے لئے جلد از جلد فدائی کارروائی کا بھی انتظام کردیں۔

* * *

آؤ تمہیں اپنا گھر دکھادوں

یہ غالباً یکم نومبر 2003ء کا دن تھا.....موسم خشک مگر انتہائی ٹھنڈا تھا میں اس ٹھٹھرتی سردی میں کافی دیر سے کھڑکی کھولے کوٹ گھری کے پہاڑوں کی جانب دیکھ رہی تھی.....سرد ہوا کے جھونکے میرے چہرے سے ٹکرا ٹکرا کر اندر آرہے تھے مگر مجھے جیسے ان کی کوئی پرواہ نہ تھی نہ جانے کب آمنہ نے آکر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مغموم سی ہوکر بولی ''ادھر اب کچھ بھی نہیں رہا دیدی''اس جملے نے میرا دل چھلنی کردیا مگر خاموش رہی، وہ پھر گویا ہوئی ''راشد بھائی اور جہادی بھائی کے بعد یہ جنگل سونا سونا سا لگ رہا ہے''۔

نہیں آمنہ میں یوں ہی اس طرف دیکھ رہی تھی، ان پہاڑوں کو تکتے رہنا میرے بچپن کی عادت ہے، یہ میرے پرانے ہمراز ہیں تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتی.....آج سردی بہت زیادہ ہے لگتا ہے رات کو برفباری ہوگی اور پھر یہ سارے پہاڑ کچھ عرصے کے لئے روپوش ہونگے آئیں کھڑکی بند کردیں کمرہ بہت ٹھنڈا ہورہا ہے یہ کہہ کر اس نے کھڑکی بند کردی.....مگر اس کی بات سن کر مجھے جھٹکا سا لگا.....نہیں نہیں اللہ کرے ابھی برف نہ گرے اس بے ساختہ جملے پر آمنہ بولی.....کیوں؟ یہی تو برفباری کا موسم ہے.....ہاں آمنہ! یہ سچ ہے مگر تم دعا کرو کہ ابھی برف نہ گرے کیونکہ ابھی میں نے شہیدوں کے مرقد تلاش کرنے ہیں، برف پڑی تو زمین برف سے ڈھک جائے گی اور راستے بھی بند ہونگے.....یہ سچ ہے کشمیر میں کبھی اتنی زیادہ برف پڑتی ہے کہ زمین دو(۲) دو(۲) ماہ برف کے نیچے دبی رہتی ہے میں نے اپنی زندگی میں ایسی شدید برفباری دیکھی ہے کہ ہر چیز جم گئی تھی حتیٰ کہ کچن میں لگے نلکوں کے اوپر صبح گرم پانی ڈالنا پڑتا تھا تب جا کر ان میں پانی آتا، ایک بار تو جھیل ڈل کا پانی یوں جم گیا کہ نوجوان لڑکے تمام دن اس کے اوپر موٹر سائیکل چلاتے رہتے یہ شغل کئی دنوں تک جاری رہا چنانچہ برفباری کا خیال آتے ہی مجھے وہ تمام باتیں یاد آگئیں اور اللہ سے دعائیں مانگنے لگی کہ آج برفباری نہ ہو.....ان کی شہادت کو تیسرا ماہ شروع ہوچکا تھا اب تک کسی کو ان کی قبر کا پتہ نہ تھا.....مجھے اس بات کا بے حد صدمہ تھا.....ساری رات کئی وسوسے دل کو پریشان کرتے جب آنکھ لگی تو خواب میں جہادی نظر آئے میرا ہاتھ پکڑ کر بولے ''آؤ تمہیں اپنا گھر دکھادوں'' وہ مجھے ایک غیر معروف جگہ لے گئے سرسبز میدان کے وسط میں ایک بڑا درخت تھا کس چیز کا یہ بات سمجھ نہ آئی وہ اس درخت کے نیچے لیٹ گئے، دونوں ہاتھ رخساروں کے نیچے رکھ کر اور مجھے کہا ''سعدی! یہی میرا گھر ہے''.....جب صبح میری آنکھ کھلی تو میری روح عجیب خوشی سے سرشار تھی کون کہتا ہے وہ مرچکے ہیں میرا شہید تو زندہ ہے اسے علم تھا کہ آج میں ان کے مرقد کے حوالے سے غمگین ہوں انہوں نے خواب میں آکر مجھے اس چیز کی بشارت دی ہے کہ آج میری مراد ضرور پوری ہوگی.....چنانچہ میں بستر سے اٹھی نماز ادا کر کے اپنے اللہ سے بہت سی باتیں کیں اور مدد و نصرت کا سوال کیا۔

* * *

کوئے یار کی تلاش میں

موسم بدستور ابر آلود اور یخ بستہ تھا مگر برف یا بارش نہ تھی میں نے ہلکا سا ناشتہ کیا پھر تیاری کر کے سرینگر کی طرف روانہ ہوئی سیدھا عیدگاہ پہنچی نصرت کو فون کر کے فوراً پہنچنے کا کہا اور بہشت شہداء کے مکینوں کو سلام کر کے ادھر ہی اس کا انتظار کرنے لگی.....تھوڑی دیر بعد وہ بھاگتی دوڑتی میرے پاس پہنچی.....سعدی! خیریت تو ہے، ترال سے کب آئی ہو، وہاں سب ٹھیک ہے نا؟.....اس نے کئی سوال کر ڈالے سب کچھ ٹھیک ہے باقی باتیں بعد میں کریں گے کیونکہ آپ کے لئے کئی خبریں ہیں فی الحال یہ مسئلہ ہے..... چنانچہ میں نے اس کو خواب والا واقعہ سنایا.....مگر سرینگر میں تھوڑے مزار شہداء تو نہیں ہیں نا ہم کہاں کہاں ڈھونڈیں گے کوئی خاص جگہ ذہن میں ہے یا یوں ہی پھرتے رہیں گے.....آج ہم قمر وادی کی طرف دیکھیں گے کچھ عرصہ قبل میں نے ایک اڑتی خبر سنی تھی کہ انہیں اسی طرف کہیں دفنایا گیا ہے، ہم وہاں سے رکشے میں بیٹھے اور بٹہ مالو پہنچ کر رکشہ بدل دیا .....مصلحت کے پیش نظر ہم نے رکشے والے کو ایک فرضی کہانی سنائی کیونکہ ہم نے اسے کئی قبرستانوں پر لے جانا تھا ہم نے اسے یہ کہانی سنائی کہ ہم لوگ انت ناگ (اسلام آباد) میں رہتے ہیں کچھ عرصہ قبل آرمی والوں نے ہمارے بھائی کو گرفتار کر لیا تب سے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اسے شہید کر دیا گیا اور وہ سرینگر کے کسیقبرستان میں دفنایا گیا، ہم اس کی قبر تلاش کر رہے ہیں.....وہ بیچارہ خود بھی بھارتی فوجیوں کے مظالم کا شکار تھا، ہماری کہانی سن کر وہ افسردہ ہوا اور بولا بہن جی! ظالموں نے دو ماہ قبل میرے بھائی کو بارودی سرنگ لگا کر شہید کر ڈالا آپ فکر نہ کریں میں آپ کا دکھ سمجھ سکتا ہوں، میں آپ کو تمام مزار شہداء دکھا دوں گا.....آہ.....وہ کون سا گھر ہے جسے بھارت کے ظالم سپاہیوں نے ماتم کدہ نہ بنا دیا ہو، وہ کون سا دل ہے جس پر ان ظالموں نے قیامت نہ ڈھا دی ہو، میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رکشے میں بیٹھ گئی.....رکشے والا ہمیں آس پاس کے قبرستان دکھاتا جا رہا تھا، میں نیچے اتر کر قبرستان پر نظر دوڑاتی کوئی تازہ قبر نظر آتی تو اس پر لگے کتبے پر نام و پتہ پڑھ لیتی، ہم نے کافی قبرستان دیکھے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا آخر میں اس نے ایک غیر آباد جگہ رکشہ روکا اور نیچے اترتے ہوئے بولا بہن جی! یہ آخری قبرستان ہے اگر یہاں بھی نہیں ہے تو سمجھیں وہ اس علاقے میں نہیں ہے..... میں نے نیچے اتر کر دیکھا وہاں چاروں طرف ایسی قبریں تھیں جن پر اُگی ہوئی گھاس ان کے پرانا ہونے کی گواہی دے رہی تھی میرے قدموں میں جیسے تھکن اتر آئی اور دل پکار اٹھا.....اے شہید آپ کہاں ہو؟.....خدارا میرے صبر کا اتنا امتحان نہ لو.....آپ نے ہی تو کہا تھا کہ آج مجھے اپنا گھر دکھائیں گے دن ڈھلنے والا ہے اب میں تھک سی گئی ہوں خدا کے لئے اپنا گھر دکھا دیں.....آنکھوں میں آنسو لئے رکشے میں بیٹھ گئی اب ہم واپسی بٹہ مالو کی طرف آ رہے تھے ناکام اور نامراد سے..... میں بالکل خاموش تھی اور مسلسل میری آنکھوں میں خواب کے مناظر گھوم رہے تھے..... یہ خواب غلط نہیں ہو سکتا اس سے پہلے کبھی ایسا جو نہیں ہوا تھا.....

* * *

مزار یار پر حاضری

نصرت بھی چپ چاپ بیٹھی تھی اس نے مجھ سے کوئی بات نہ کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت میرے دل کی دنیا زیر و زبر ہو رہی ہے ابھی ہم تھوڑا ہی آگے گئے تھے.....اچانک رکشہ رک گیا.....بہن جی! پارم پورہ میں دریا کی سائیڈ پر ایک نیا قبرستان بنا ہے سنا ہے ادھر صرف مہمان (پاکستانی) شہیدوں کو دفن کیا جاتا ہے آپ کہیں تو وہ جگہ بھی دکھا دوں؟ رکشے والے کی بات سن کر میں نے فوراً کہا.....ضرور دکھا دیں بھائی کیا پتہ اسے لاوارث سمجھ کر مہمان مجاہدین کے ساتھ دفن کیا گیا ہو وہ خود پارم پورہ کا رہنے والا تھا اور ان علاقوں سے پوری طرح واقف تھا یہ علاقہ دور بھی نہ تھا قمر وادی کے بالکل ساتھ تھا اس نے رکشہ جلدی سے واپس موڑا میرے دل میں دم توڑتے آس و امید کے چراغ ایک بار روشن ہو گئے، مین روڈ کو چھوڑ کر ہم دائیں طرف ایک کچے راستے پر چڑھ گئے ابھی آبادی کے کچھ آثار نظر آتے تھے لیکن تھوڑا آگے جا کر دور دور تک کھیت کھلیان ہی نظر آ رہے تھے جن

میں زیادہ سبزیاں لگی ہوئی تھیں..... کچھ آگے جا کر دور سے چنار کا ایک بہت بڑا درخت نظر آیا ہم اسی طرف جا رہے تھے درخت پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا خواب میں جہادی شہید کا بڑے درخت کے نیچے لیٹنا یاد آیا میری حالت ایک دم بدل گئی ہاتھ پاؤں جیسے بے جان ہونے لگے میں نے نصرت کا ہاتھ پکڑ کر اسے مضبوطی سے دبایا..... کیا ہوا؟..... وہ میری طرف حیرت سے دیکھنے لگی..... نصرت! میرے خواب کی تعبیر مل گئی ہے میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اس نے کوئی جواب نہ دیا دن بھر درجنوں قبرستان دیکھنے کے بعد شاید وہ اس بات سے ناامید ہوگئی تھی..... وہ راستہ اسی جگہ جا کر ختم ہو رہا تھا جو ہماری منزل تھی رکشہ دریائے جہلم کے کنارے رک گیا..... دریا کے کنارے وہ بڑا میدان تھا جس کے اردگرد کانٹے دار تار لگی ہوئی تھی میدان کے عین وسط میں چنار کا تناور درخت کھڑا تھا اور کونے میں گنتی کی چند قبریں..... فوراً میری نظر چند کچی اور تازہ قبروں پر پڑی کیا یہی میرے شہید کا گھر ہے دل تیز تیز دھڑک رہا تھا..... قبروں پر لگے کتبوں سے اندازہ ہوا کہ ان پر یقیناً شہیدوں کے نام پتے درج ہونگے دل پل بھر کے لئے پریشان ہوا کہ کیا رکشے والے کے سامنے ایسی قبروں پر جانا مناسب ہے جن پر پاکستانی مجاہدین کے نام لکھے ہیں گو کہ اس نے ہمیں اپنی مظلومیت کی داستان سنائی تھی لیکن جہادی کے ساتھ رہتے ہوئے یہ بات میری فطرت میں شامل ہوگئی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو کسی کو خوامخواہ راز نہیں دینا چاہیے..... نصرت کبھی کبھی میری اس عادت سے چڑ جاتی مگر میں جہادی شہید کے اس سنہری اصول پر ہمیشہ کاربند رہتی تھی۔

ابھی ہم قبرستان کے باہر بنے لکڑی کے عارضی گیٹ پر ہی کھڑے تھے میرے ذہن میں یہ ترکیب آئی اور میں نے رکشے والے سے کہا بھیا! اب ہم تھک گئے ہیں آپ ذرا ان تازہ قبروں کے نام دیکھ آئیں..... بہن جی! میں پڑھنا نہیں جانتا اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ دیا اور دریا کے کنارے جا کر بیٹھ گیا..... اب میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اندر داخل ہوگئی، چند لمحوں کے بعد میں اپنے شہید کے قدموں میں کھڑی تھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب خواب ہے یا حقیقت..... دونوں قبروں پر بھارت کے مکار فوجیوں نے غلط نام لکھوائے تھے البتہ یوم شہادت اور مقام شہادت وہی تھا 30 اگست 2003 بروز ہفتہ ایک قبر پر ابوعکاشہ شہید لکھا تھا اور دوسری پر ابوزید شہید..... آہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں ان کی قبر دیکھنے کے لئے زندہ رہوں گی صدمے کی وجہ سے میرا وجود کانپ رہا تھا..... نصرت نے بازوؤں سے پکڑ کر مجھے بیٹھا دیا..... دونوں قبروں کے سامنے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ شخص جو تمام زندگی رازداری کے اصول پر سختی سے کاربند رہا شہادت کے بعد بھی اپنا اصول نہیں توڑا اور اسرار کے پردوں میں چھپا رہا..... اے شہید! میں کیسے جانوں آپ کا مرقد کون سا ہے..... ابوعکاشہ والا یا ابوزید والا؟ قریب جیسے جہادی کی سرگوشی سنائی دی ''جب میں شہید ہونگا تو سعدی ادھر سر رکھ کر (سینے کی طرف اشارہ کر کے) روئے گی''..... انہیں کیا معلوم تھا کہ سعدی اتنی بے بس ہوگئی کہ سینے پر سر رکھ کر رونا در کنار میرا چہرہ دیکھنا تک نصیب نہ ہوگا اور اب قبر کی عدم شناخت بھی ایک امتحان سے کم نہ تھا ٹھیک ایک سال قبل ہم KP پر تھے..... جانے کس بات پر ان بن ہوگئی دن کا وقت تھا وہ لیٹے ہوئے تھے اور میں سوئیٹر بن رہی تھی مجھے ہنسانے کے لئے وہ مختلف حربے آزما چکے تھے مگر بے سود بالآخر اپنے سینے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے..... جب میں شہید ہو جاؤں گا تو سعدی ادھر سر رکھ کر روئے گی..... میں اس بات سے لرز گئی اور ان سے خوب جھگڑا کیا وہ ہنستے جا رہے تھے اور بولے میں جانتا تھا کہ اس بات سے تمہاری ناراضگی فوراً دور ہو جائے گی..... جہادی آپ نے ایسا کیوں کیا تھا میں نہ کہتی تھی کہ ایسی باتیں نہ کیا کریں کبھی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے آپ کو معلوم تھا نا کہ سعدی بہت روئے گی میری ہچکیاں بندھ گئیں دل کرتا تھا ساری مصلحتوں کو بھلا کر ان کی قبر سے لپٹ کر روؤں اور دو ماہ سے سینے میں سلگتی غم کی آگ ٹھنڈی کر دوں۔

ادھر کل انتالیس قبریں تھی چالیسویں غازی بابا شہید کی باقی سارا میدان خالی تھا ان کے ساتھ ایک اور تازہ قبر تھی میں نے اس کا کتبہ پڑھا تو معلوم ہوا اس قبر میں انصار بھائی محوخواب ہیں ان کا نام وغیرہ صحیح لکھا ہوا تھا وہ بھی تھانہ صفا کدل کی حدود میں گرفتار اور پھر شہید ہوگئے اس لحاظ سے انہیں مرکزی مزار شہداء عیدگاہ میں دفن ہونا چاہیے تھا لیکن انہیں بھی پارم پورہ میں دفنایا گیا جس سے رکشے والے کی بات کی تصدیق ہوگئی کہ ادھر صرف مہمان مجاہدین کو دفن کیا جاتا ہے..... کافی دیر ہوگئی ہے اب چلنا

چاہئے پھر کسی دن آئیں گے نصرت نے مجھے یاد دلایا اس دن سیرت فاطمہ ہمارے ساتھ تھی نصرت نے اس کو بتایا سیرو! اس کے اندر آپ کے بابا ہیں انہیں آواز دو اس نے دونوں قبروں کی طرف اشارہ کیا چنانچہ فاطمہ ہونٹوں پر معصوم مسکراہٹ لئے ابو عکاشہ والی قبر پر ہاتھ مارنے لگی اور بابا، بابا پکارنے لگی اسکیا خبر تھی کہ اس کے بابا کون سے گھر میں جا بسے ہیں شاید وہ اسے بھی ہائیڈ سمجھ رہی تھی وہ انہیں اکثر ہائیڈوں کے اندر جاتے دیکھتی پھر تھوڑی دیر بعد ہائیڈ کو پیٹنا شروع کرتی اور بابا جانی بابا جانی کی آوازیں لگاتی ..... میں اس کو مشکل سے چپ کراتی اور اس کے بابا بعد میں محبت اور پریشانی کے ملے جلے انداز میں اپنے مخصوص انداز میں کہتے .....ارے یہ جنازی تو ہماری ہائیڈ ایکسپوز کرے گی اور اب اس کو ہائیڈ نہیں دکھانی چاہیے.....سیرت فاطمہ نے جس قبر پر ہاتھ رکھا بعد میں وہی ان کی قبر ثابت ہوئی یقیناً اسے اندازہ ہو چکا تھا.....اور اس کے بابا اپنی لاڈلی بیٹی کو گلے لگانے کے لئے اپنے مرقد میں بے چین ہوئے ہونگے لیکن اب ملاقات کا وعدہ اللہ پاک نے جنت کا رکھا ہے میں نے مزار یار پر آخری حسرت بھری نگاہ ڈالی اور پرنم آنکھیں لئے غم سے نڈھال واپس ہوئی۔

تمام رستہ مجھ سے پوچھا پاؤں کے ان چھالوں نے
بستی کتنی دور بسائی دل میں رہنے والوں نے

* * *

گمنام شہید

کشمیر کی حسین دھرتی پر ہزاروں پاکستانی نوجوانوں نے اپنا گرم اور جواں خون بہا کر عشق وفا کی ان گنت داستانیں رقم کر دیں اہل کشمیر بھی مہمان مجاہدین کے ساتھ بے پناہ خلوص ومحبت رکھتے ہیں یہ تعلق صرف ان کی زندگی تک محدود نہیں رہتا بلکہ شہادت کے بعد بھی لوگ ان پردیسی مہمانوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر محبت وعقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں..... بھارتی درندوں سے یہ محبت کب دیکھی جاتی اس لئے انہوں نے یہ ظالمانہ قدم اٹھایا کہ مقامی شہداء اور مہمان شہداء کو الگ الگ قبرستانوں میں دفنانا شروع کر دیا تاکہ کسی کشمیری کے پاس مہمان شہیدوں کی قبروں پر جانے کا کوئی جواز نہ ہو.....کشمیر میں شہادت پانے والے ہر مقامی یا مہمان مجاہد کی قبروں پر کتبے نصب کئے جاتے ہیں جس میں باقاعدہ ان کے نام ، پتے ،تاریخ شہادت اور مقام شہادت لکھے ہوتے ہیں غازی بابا شہید تو کسی تعارف کے محتاج ہی نہ تھے اس کے باوجود بھارتی فوج نے ان کی قبر پر غلط نام لکھوایا اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ہندو مشرک نے محض بغض وعناد کی وجہ سے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا تاکہ اسلام کے یہ درخشندہ ستارے سب کی نظروں سے اوجھل ہوں اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہے لیکن کافر کیا جانے کہ شہید لاوارث نہیں ہوتے گھر آ کر ہم نے اس بات پر سوچنا شروع کر دیا کہ یہ بات کس سے معلوم کی جائے کہ غازی بابا کی قبر کونسی ہے آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ پارم پورہ جا کر اس گورکن کا پتہ لگایا جائے.....اس کے بعد کا کام آسان تھا دوسرے دن نصرت نے اپنے کزن کو وہاں بھیجا شام تک وہ گورکن کا نام اور پتہ معلوم کر کے آ گیا اس سے اگلے روز نصرت بھی اس کے ساتھ گئی وہ ایک ضعیف العمر اور نیک انسان تھے انہوں نے مہمانوں کی خوب عزت کی اور آب دیدہ ہو کر بولے نہ بیٹا آپ اس شیر جوان کی بات کر رہے ہیں میں اس کو کبھی بھول نہیں پاؤں گا میں نے آج تک کوئی ایسا کڑیل جوان قبر میں نہیں اتارا..... بزرگ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے دم لینے کے لئے رکے اور پھر گویا ہوئے آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہاں بہت خطرہ ہے ادھر تمام شہید پاکستانی ہیں عام لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں فوج دن میں دو دو دفعہ بھی ادھر آتی ہے اور میدان میں بیٹھی رہتی ہے.....ہمیں قبر کی شناخت کرا دیں ہم وہاں ٹھہریں گے نہیں محسن بھائی نے کہا تو بزرگ ان کو لے کر وانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے ابو عکاشہ والی قبر کی طرف اشارہ کیا اور بولے اس قبرستان میں موجود تمام شہیدوں کو میں نے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا.....لیکن غازی بابا جیسا جوان پہلی بار دیکھا ہے نصرت نے ان سے شہید کے کٹے ہوئے اعضاء کے متعلق پوچھا تو بابا جی

رونے لگے اور بولے ہاں ظالموں نے شہید کا بازو اور کچھ دیگر اعضاء بھی میت کے ساتھ رکھے ہوئے تھے وہ میں نے کفن کے اندر رکھ دیئے ایک خون آلود قمیض تھی جو میں نے آخر میں کفن کے اوپر ڈال دی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بابا جی نے اچھا کیا کہ قمیض بھی ساتھ ہی رکھ دی وفاء کے رنگ میں رنگی وہ قمیض حشر کے دن ان کے ساتھ پیش ہوگی اور ان کے نیک اعمال کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی شہادت کے چوتھے دن اخبار میں جو آخری تصویر آئی.....اس میں بھی ان کے جسم سے ابل ابل کر خون بہہ رہا تھا ان کا کفن لالہ رنگ ہو چکا تھا لگتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی شہید ہوئے ہیں.....اس تصویر کو دیکھ کر مجھے خیال آیا آج جہادی بالکل اس نظم کے مصداق بنا بیٹھا ہے جسے ساری زندگی وہ گنگنا رہے ہوتے

وضو ہم اپنے لہو سے کر کے خدا کے ہاں سرخرو ہیں ٹھہرے
ہم عہد اپنا نبھا چکے ہیں تم عہد اپنا بھلا نہ دینا
شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا

انہوں نے بابا جی سے کہا کہ وہ بہت جلد شہیدوں کے اصلی نام کی تختیاں بنوا کر لائیں گے انہیں وہ قبر پر نصب کرنی ہونگی.....بابا جی نے یقین دلایا کہ وہ یہ کام ضرور کریں گے مگر یہ رات کو کرنا ہوگا تا کہ کوئی دیکھ نہ لے.....ہم نے صفا کدل سے کتبے تیار کروائے اور بابا جی کی طرف بھیج دیئے انہوں نے موقعہ محل دیکھ کر وہ قبروں پر نصب کر لئے.....کتبوں کا لگنا تھا کہ بھارتی فوج نے طوفان اٹھا لیا علاقے کا کریک ڈاؤن کیا گیا لوگوں کو زدوکوب کیا گیا.....بتاؤ یہاں کون آیا تھا؟ کتبے کس نے لگائے؟.....کسی کو معلوم ہوتا تو بتاتا.....ظالم فوجی غازی بابا شہید کو گمنام قبر میں اتار کر خوش تھے.....لیکن بھلا سورج کی کرنوں کو بھی چھپایا جا سکتا ہے قبر پر کتبہ لگنے پر مجھے بہت خوشی ہوئی میرے خیال میں یہ بہت ضروری تھا تا کہ آنے والی نسلوں کو ان عظیم محسنوں کے بارے میں معلوم ہو بلا شبہ یہی لوگ امت مصطفیٰ ﷺ کے ماتھے کا جھومر ہیں ان کی قربانیاں ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ چراغ راہ ثابت ہونگی اور انہیں درس وفا دیتی رہیں گی

* * *

غازی بابا کی روح.....یا شہید کی کرامت

ہندو مذہب میں بھوت، پریت اور آتماؤں پر اندھا یقین رکھا جاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کی آتما (روح) کسی نہ کسی چیز میں داخل ہو جاتی ہے.....پرندہ، مچھلی اور بندر میں بھی اس بات کو ہندو لوگ دوسرا جنم کہتے ہیں.....اس بات سے یہ واقعہ یاد آیا ترال میں ایک پنڈت گھرانے میں کسی عورت کا انتقال ہو گیا اس کی میتجلا نے کے بعد رات کو انہوں نے گیلری کے اندر بہت سا آٹا بکھیر دیا اور سب لوگ سو گئے صبح اٹھ کر دیکھا کہ آٹے پر کبوتر کے پنجے کا نشان لگا ہے.....چنانچہ وہ لوگ فخر سے ہر کسی کو بتاتے تھے کہ ''سیما دیوی'' نے کبوتر کی شکل میں دوسرا جنم لیا.....اگر آٹے پر کسی اور چیز کا پنجہ لگا ہوتا تو سمجھیں اس کی روح اسی چیز میں حلول کر گئی ہوتی ان کے بقول یہ آتمائیں دنیا میں موجود رہتی ہیں اگر مرنے والے کی کسی کے ساتھ دشمنی ہو، آتما اسے دن رات تنگ کرتی ہے اور کسی طرح چین نہیں لینے دیتی۔

ایسا ہی واقعہ غازی بابا شہید کی شہادت کے بعد پیش آیا ہندو قوم فطرتاً انتہائی توہم پرست اور بزدل واقع ہوئی ہے چونکہ غازی بابا ان کا کٹر دشمن تھا اور گزشتہ کئی سالوں سے بنیے کے اوپر اس نام سے لرزہ طاری رہا شہادت کے بعد بھارتی فوجی اس نام سے خوف کھاتے تھے چنانچہ انہوں نے پارم پورہ کے لوگوں کو یہ بتایا کہ غازی بابا رات کو ان کے کیمپ میں آتا ہے اور انہیں تنگ کرتا ہے اس بات میں کیا حقیقت ہے یہ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے لیکن بھارتی فوج شہید کی بے حرمتی کی مرتکب ہوئی تھی ممکن ہے کہ شہید نے آ کر ان سے بدلہ لے لیا ہو.....ماضی میں بھی ایسے واقعات پیش آئے جب بھارتی فوج نے خود اعتراف کیا کہ فلاں شہید نے رات کو آ کر ان کا گلہ دبایا اور تھپڑ مارے پھر ایک روز بھارتی فوجی غصے میں بپھرے ہوئے لاؤ لشکر لے کر

قبرستان آئے اور لوگوں سے کہنے لگے ہم نہیں مانتے کہ اس قبر میں غازی بابا ہیں وہ تو زندہ ہیں اور روزانہ رات کو ہمارے کیمپ میں آتے ہیں لہٰذا ہم قبر کھول کر دیکھیں گے کہ اس کے اندر کون ہے.....اس بات سے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی بڑی تعداد میں لوگ آ کر قبرستان میں جمع ہوئے اور بھارتی فوج کو کھلا چیلنج کیا.....خبردار! اگر قبر کو ہاتھ بھی لگایا تو حالات کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے اس قبر میں جو بھی ہے بالآخر شہید ہے ہم آپ کو قبر کھولنے کی ہرگز اجازت نہ دیں گے چاہے ہماری جانیں کیوں نہ چلی جائیں لوگوں کا سخت ردِعمل دیکھ کر بنیے کو پسپائی اختیار کرنی پڑی اور منہ لٹکا کر واپس جانا پڑا۔

* * *

بھائی جان سے ملاقات

نصرت کے گھر چھاپہ پڑنے کے بعد میں ادھر نہیں رہتی تھی اس کے بجائے رابعہ کا گھر زیادہ محفوظ تھا ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ اپنے گھر والوں سے رابطہ کرنا چاہیے کیونکہ اب طوفان ذرا تھم چکا تھا اس لئے خیال آیا کہ میری پیاری ماں میرے لئے کس قدر پریشان ہوگی گھر کا نمبر مجھے یاد تھا اور رابعہ کے گھر فون کی سہولت میسر تھی مگر ادھر سے فون کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ ہیڈ کوارٹر والے گھر کے سارے فون سن لیتے ہیں..... بڑی باجی کے شوہر یعنی میرے بہنوئی صاحب بھی سرینگر میں نوکری کرتے تھے ان کے آفس کا نمبر مجھے یاد تھا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ بھائی جان کو فون کر کے خیریت کی اطلاع دی جائے اس کام کے لئے میں نے رابعہ کے ساتھ گھر سے دور ایک پی سی او..... پر گئی.....خوش قسمتی سے بھائی جان فون پر مل گئے میری آواز سن کر وہ اچھل پڑے.....شانو! یہ تم ہو.....کہاں ہو آپ؟ کس حال میں ہو؟..... میں ابھی آپ سے ملنا چاہتا ہوں شدت جذبات سے وہ صحیح طرح بول بھی نہیں پا رہے تھے..... بھائی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں پھر کسی وقت آپ سے ملاقات کروں گی انہوں نے ملاقات کے لئے شدید اصرار کیا اور بتایا گھر والے شدید پریشانی کا شکار ہیں آخر میں نے انہیں خانیار علاقے میں ایک جگہ ٹائم دے دیا وہاں سے واپس آ کر میں تیاری کرنے لگی.....ان کی شہادت کے بعد پہلی مرتبہ گھر والوں میں سے کوئی ملنے آ رہا تھا میں ان کا سامنا کیسے کروں.....کہیں ایسا نہ ہو صبر وضبط کھو بیٹھوں اور وہ یہ سمجھ لیں کہ اس آزمائش نے میرے سارے جذبے اور عزائم خاک میں ملا دیئے ہیں نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا..... چنانچہ میں بہت سا حوصلہ اور بہت سی ہمت اپنے اندر جمع کر کے خانیار کے اس چھوٹے سے پارک میں پہنچ گئی جہاں بھائی جان پہلے ہی میرا انتظار کر رہے تھے میں انہیں بھر پور حوصلے سے ملی اور اپنا دکھ ان پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیا بھائی جان نے سلام ودعا کے بعد شکوہ کیا کہ آج تک آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ ہم لوگ کس قدر پریشان ہونگے ایک فون کر کے خیریت کی اطلاع ہی دی ہوتی میں نے ان سے معذرت کی کہ حالات ایسے تھے کہ مجھے یہ مناسب نہ لگا..... بھائی جان نے بتایا کہ جہادی شہید کی شہادت کا سن کر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور امی کی حالت بہت خراب ہے دن رات روتی رہتی ہیں اس روز دیدی دن کے وقت خبریں سن رہی تھی گھر میں اخبار ورسائل زیادہ نہیں آتے تھے لیکن دن رات کی خبریں باقاعدہ سنی جاتی تھی چنانچہ خبروں میں جب بتایا گیا کہ غازی بابا محاصرے میں ہیں اور جھڑپ جاری ہے دیدی نے گھبرا کر ریڈیو کا بٹن آف کر دیا کہ کہیں ماں جی نہ سن لیں یہ بات ماں جی کے کانوں میں پڑ گئی تھی وہ باہر برآمدے سے اندر آئی اور دیدی سے پوچھا شہباز کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے ذرا خبریں لگاؤ.....بس ماں جی یہی کہ آج انہوں نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے روز تو یہ خبریں آتی ہیں گول مول سا جواب دیا لیکن ماں تو ماں ہے انہیں کیسے چین آتا جبکہ اس کی سب سے چہیتی اور چھوٹی بیٹی کی زندگی برباد ہوئی ہو میری ماں سارا دن بے چین رہی اور رات ساڑھے سات بجے گھر والوں سے کہا جلدی سے ٹی وی پر خبریں لگاؤ وہ بھی کب تک انہیں دھوکے میں رکھتے ٹی وی پر خبریں لگتے ہی پورا گھر ماتم کدہ بن گیا .....ٹی وی اسکرین پر بار بار جہادی شہید کی نعش دکھائی جا رہی تھی اس موقع پر میری ماں کی کیا حالت ہوگی یہ میں سمجھ سکتی ہوں گھر والے انہیں دوسرے کمرے میں لے جانے پر اصرار کر رہے تھے تو میری پیاری ماں کی زبان پر یہ الفاظ تھے ذرا ٹھہرو مجھے اپنی بیٹی

کی نعش تو دیکھنے دو اسے شہادت کا بہت شوق تھا اللہ کرے اسے شہادت مل جائے شہباز بیٹے اسے بھی ساتھ لے اسے اکیلا مت چھوڑنا دوسرے دن میری گرفتاری کی خبر نے میری پیاری ماں کے دل پر ایک اور قیامت ڈھا دی..... میری آنکھوں میں یہ باتیں سن کر آنسو بھر گئے اور دل ہی دل میں اپنی ماں کو مخاطب کر کے بولی ماں! کاش ایسا ہوتا مجھے بھی شہادت کا انعام ملتا ماں تیرے بہتے آنسوؤں کی قسم! تیری بے قرار جان کی قسم..... مجھے تب بھی جان پیاری نہ تھی اب بھی پیاری نہیں ہے تجھے تو پتہ تھا نا کہ میں دنیا سے کس لئے بیزار تھی شہادت کی تمنا میں نا..... تیرا ٹھنڈا آنچل اور گھر کا سوہنا آنگن کس لئے چھوڑا لیکن شاید ابھی میری زندگی کے دن باقی تھے تیرا ''شہباز'' میرے پہلو سے اٹھ کر سوئے جنت چلا گیا اور میں پیچھے رہ گئی میں غم کی جھلستی راہوں میں تنہا رہ گئی ماں..... دعا کرنا کہ اللہ مجھے جلد از جلد شہادت دے دے..... بھائی جان کوئی بات کر رہے تھے لیکن میری سماعتیں جیسے مر گئی تھیں برقے میں ہونے کی وجہ سے انہیں میرے اندر اٹھنے والے طوفان کا صحیح ادراک نہیں ہو رہا تھا لیکن اتنا ضرور محسوس کر لیا کہ میری آنکھوں سے رم جھم برسات ہو رہی ہے مجھے تسلی دیتے ہوئے بولے..... صبر سے کام لو وہ ایسے عظیم انسان تھے کہ ان کے لئے اپنے تو کیا پرائے بھی سوگوار ہوئے..... چیوا اور صفاپورہ میں کئی کئی دن لوگوں نے چولہے نہیں جلائے انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ہیڈکوارٹر والے گھر والوں کو تنگ کرتے ہیں کہ اپنی بیٹی کو گھر لے آؤ ہم اس کو کچھ نہیں کہیں گے ہماری دشمنی غازی بابا سے تھی اس سے ہمیں کوئی دشمنی نہیں ہے..... اگر آپ گھر چلو تو ہم کوئی راستہ نکال لیں گے انہوں نے میرے سامنے کئی آپشن رکھے جن میں ایک یہ تھا کہ وہ گاؤں سے اپنی زمین جائیداد بیچ کر سرینگر میں گھر لیں گے جہاں ہمیں کوئی جاننے والا نہ ہو اور میں وہاں رہ لوں اس بات پر غور کیا جا سکتا تھا کیونکہ بھائی جان انتہائی مہربان اور حلیم انسان تھے مجھے بیٹی کا درجہ دیتے تھے باجی تو شروع سے ہی میری ہمراز اور ہمدرد تھی انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا جب میری والدہ سخت علیل ہو کر لمبے عرصے کے لئے ہسپتال چلی گئیں تب باجی نے فیڈر پر مجھے پالا تھا لوگ کہتے تھے یہ لڑکی کیسا نصیب لے کر پیدا ہوئی آنکھ کھولتے ہی ماں کی آغوش نصیب نہ ہوئی اچھا ہے اگر مر جائے اللہ کرے ماں کی جان بچ جائے..... باجی نے لوگوں کی باتوں کی پروا کئے بغیر دن رات میرا خیال رکھا ڈیڑھ ماہ اپنی نیندیں قربان کر کے مجھے سنبھالا آخر چچی نے ترس کھا کر اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا..... میں جانتی تھی کہ باجی کے دل میں میرے لئے ماں جیسی محبت ہے مگر میں کسی قیمت پر جہاد کا راستہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی مجھے معلوم تھا کہ یہ سب ہندو بنیے کا مکر و فریب ہے وہ دھوکے سے مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں یہ بات میں نے بھائی جان کو سمجھائی اور کہا بھائی جان! کیا آپ بھول گئے کہ مجاہدین کو گھر میں پناہ دینے کی پاداش میں ''مزمل'' اور آرمی والے لوگوں پر کیا کیا قیامتیں ڈھا دیتے تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جہاد اور غازی بابا سے اتنی بڑی نسبت ہونے کے باوجود وہ مجھے چھوڑ دیں اگر وہ سچے ہیں تو ابھی تک میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں پھر میں نے انہیں نصرت کے گھر چھاپہ پڑنے کی روداد سنائی..... اب وہ سوچ میں پڑ گئے اور بھائی جان میری ایک بات یاد رکھئے گا میرا مقصد صرف مجاہد سے شادی کرنا نہیں تھا میرا مقصود تو کچھ اور ہے ایک اعلیٰ و ارفع مقصد جس کے لئے میں زندگی کی آخری سانس تک جہاد سے وابستہ رہوں گی باقی ماں جی سے کہئے گا کہ وہ فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں اور اللہ پاک نے کئی خیال رکھنے والی بہنیں اور مائیں دی ہیں بس آپ میرے لئے دعا کرتی رہیں..... بھائی جان بولے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور اپنی امان میں رکھے انہوں نے مجھے مالی تعاون کی پیشکش کی میں نے انکا شکریہ ادا کر کے کہا اب ضرورت نہیں ہے..... جاتے ہوئے وہ بولے کہ آپ کی باجی بہت پریشان ہیں ان سے جلد از جلد ملاقات کی ترتیب بنانا اور رابطہ بھی رکھنا..... صحیح ہے انشاء اللہ..... میں نے اپنے پیاروں کے نام عقیدت کا سلام بھیجا ان کے جانے کے بعد دل پر اداسیوں کے بادل چھا گئے بچھڑے ہوئے عزیزوں کی باتیں کرنے سے تمام بیتی یادیں تازہ ہو گئیں بالآخر میں تھکے تھکے قدموں کے ساتھ واپس آ گئی۔

* * *

رمضان المبارک جہاد کا مہینہ

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا چونکہ رمضان اور جہاد کی آپس میں گہری نسبت ہے وہ اس لئے کہ اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ اسی مہینے میں پیش آیا اور اللہ تعالی نے اہل حق کی قلیل جماعت کو کفر کی کثیر جماعت پر فتح عطا فرمائی.....اسلام کے خدام بھی ہر دور میں معرکہ بدر کی یادیں تازہ کرتے رہے ہیں رمضان شریف کے ابتدائی دن گذر رہے تھے اور آبلہ پا مجاہدین دن رات اس فکر میں تھے کہ اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے کوئی کارروائی کی جائے اور مقصد کے لئے چیف کمانڈر قاری آصف صاحب نے کپواڑہ سے عثمان بھائی اور حیدر بھائی کو ترال میں بلایا اور عثمان بھائی سے کہا کہ وہ چاہتے ہیں رمضان المبارک میں غازی بابا شہید کے انتقام میں زبردست کارروائی کی جائے وہ بھی اسی انتظار میں تھے چنانچہ انہوں نے قاری صاحب کو بتایا کہ وہ سرینگر میں ایک منفرد انداز کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے انہیں وسائل درکار ہیں..... قاری صاحب نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کس قسم کی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بولے اس کارروائی میں چار ساتھیوں پر مشتمل ایک فدائی دستہ ہوگا جن کا کام سرینگر میں دشمن کی چیسیاں ٹارگٹ بنانا ہوگا.....دو ساتھی گنوں سے گاڑیوں پر فدایانہ حملہ کریں گے جبکہ دوسرے دو ساتھی کور فراہم کریں گے مگر اس کام میں بڑی گن کی بجائے شارٹ گن جو کلین کے مشابہ ہوتی ہے مناسب رہے گی.....انہوں نے قاری صاحب کو یہ بھی واضح کر دیا کہ سرینگر میں فی الحال رہائش کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے اس لئے چار پانچ دنوں میں ساتھی کام مکمل کر کے واپس ترال پہنچ جائیں گے.....قاری صاحب کو یہ تجویز پسند آئی انہوں نے عثمان بھائی کو ساتھی اور سامان دینے کا وعدہ کیا تمام معاملات پر غور وخوض کر کے قاری صاحب کپواڑہ روانہ ہو گئے..... چنانچہ عثمان بھائی نے گذشتہ سال یوم البدر کی یادیں تازہ کرنے کے لئے سترہ رمضان المبارک کو سرینگر میں مختلف جگہوں پر کارروائیاں کرنے کا پلان ترتیب دیا چاروں فدائی ترال میں موجود تھے اور دشمن پر جھپٹنے کے لئے بالکل تیار تھے مگر ابھی آزمائش کے دن ختم نہ ہوئے تھے قاری صاحب نے حسب وعدہ سترہ رمضان المبارک سے دو دن قبل سامان بھیجا مگر بدقسمتی سے سامان اور بندہ ترال پہنچنے سے قبل پکڑ لئے گئے اس طرح مجاہدین ایک بار پھر قیمتی سامان سے محروم رہ گئے اور یہ کام تعطل کا شکار ہو گیا.....سترہ رمضان کا دن عجیب کیفیت میں گذرا گزشتہ سال اس دن کیسی رونق تھی یہ سوچ کر دل خون کے آنسو رویا اس وقت وقاص بھائی شہید راشد بھائی شہید، غازی بابا شہید اور عثمان بھائی سرینگر میں موجود تھے اور دشمن کو تگنی کا ناچ نچا رکھا تھا اس سال یوم البدر کی یادیں بھی کیا خوب تازہ ہوئی تھیں سرینگر کی کئی جگہوں پر بھارتی مرداروں کا خون بہا تھا اس دن ہم سب ہی باہر تھے اور جہادی شہید نے قمر وادی کی ایک گلی میں سترہ رمضان کا تحفہ دیا تھا.....اُس دور کو یاد کر کے دل سے آہ نکلی یا اللہ آزمائش کا یہ دور کب ختم ہوگا سرینگر کی گلیوں میں جہادی بہاریں کب آئیں گی؟ تو جہادی چپکے سے کان میں آ کر کہتے ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ''تنگی کے بعد آسانی آئے گی اور میری زبان سے بے اختیار نکلتا انشاءاللہ.....ہاں اے شہید.....آپ سچ کہتے تھے ہر اندھیری رات کے بعد ایک روشن صبح طلوع ہوتی ہے ہر مشکل کے بعد آسانی کا دور آئے گا انشاءاللہ ایسا ضرور ہوگا..... اس دن غالباً 20 رمضان المبارک تھا آنٹی نے مجھے آ کر بتایا کہ آپ کا فون ہے لیکن وہ اردو میں بات کر رہا ہے میں چونک گئی کون ہوسکتا ہے یہ سوچتے ہوئے دوسرے کمرے میں گئی ریسیور کان سے لگایا تو مجھے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہ آیا یہ عثمان بھائی تھے اور سب سے بڑھ کر حیرانگی کی بات یہ تھی کہ وہ سرینگر میں پہنچ گئے تھے چونکہ فون پر زیادہ بات کرنا مناسب نہ تھی انہوں نے مجھے عیدگاہ آنے کا کہا اور بچی کو ساتھ لانے کا بھی کہہ دیا فون بند کر کے میں نے فوراً تیاری کر لی نصرت کو ساتھ لیا اور عیدگاہ پہنچ گئے عثمان بھائی بہشت شہداء کی پچھلی سائیڈ پر ہمارا انتظار کر رہے تھے جہادی کی شہادت کے بعد وہ پہلی مرتبہ ہم سے مل رہے تھے وہ بہت سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے مگر فاطمہ کو پیار کرتے ہوئے ان کی آنکھیں بھر آئیں اور شدت جذبات سے وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے میں اور نصرت بھی رو رہی تھیں میں نے ان سے حال احوال پوچھا تو وہ افسردہ لہجے میں بولے ہمارا کیا ہے بہن جی! بس آپ پر جو گذری اس کا ہمیں بے حد صدمہ ہے بہرحال اللہ پاک کی طرف سے ہی تقدیر لکھی جا چکی تھی نصرت نے

انہیں مجھ پر گذرے تمام حالات بتائے اوران سے پوچھا کہکیا مجاہدین سرینگر آ گئے ہیں؟انہوں نے جواب دیا کہ فی الحال وہ اکیلے ہی آئے ہیں سامان کا بندوبست کر کے ساتھی بلا لیں گے کسی جگہ سے سامان وصول کرنا تھا جس کے لئے انہوں نے مجھے بلایا تھا پھرانہوں نے مجھے امی پوائنٹ جسے مجاہدین انصارالمجاہدین پوائنٹ کہتے تھے کے بارے میں بتایا۔

* * *

انصارالمجاہدین

یہاں اس بات کی وضاحت کرتی ہوں کہ انصارالمجاہدین کا خطاب کن خوش بخت لوگوں کو ملا ور کیوں ملا؟ یہ وہی خلوص و محبت کے پیکر''امی'' کا گھرانہ تھا جنہوں نے مکان سے باہر باتھ روم ہونے کے باعث مجاہدین کے لئے ایک پاٹ لایا تھا تا کہ باہر نکلنے کی وجہ سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے یہ واقعہ میری کتاب شہباز جرنیل کے صفحہ نمبر ۳۴۶ پر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

ان کی تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ طویل وابستگی اور قربانیاں تھیں بلکہ حرکت الانصار کے زمانے سے یہ لوگ مجاہدین کے ساتھ چلتے آ رہے تھے امی کی دو ہی اولادیں تھیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی بیٹا عرفان ماں باپ کی رضا سے قافلۂ حریت میں شامل ہوا اور پھر راہ وفاء کا شہید بن کر سوئے جنت چلا گیا بیٹی کی شادی بھی انہوں نے ایک مجاہد سے کر دی جو صرف چھ ماہ کے بعد شہید کی بیوہ ہونے کا اعزاز لئے گھر واپس آ گئی اب شہید کے گھر میں جوان بہن بوڑھی ماں اور بوڑھا باپ رہ گیا انہوں نے ان تمام قربانیوں کو کافی نہ جانا اور اپنا گھر مجاہدین کے لئے وقف کر دیا چنانچہ انہیں تحریک آزادی کشمیر کے کئی نامور اور عظیم کمانڈروں کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جیش کے سابقہ چیف کمانڈر سیف اللہ حتف چترالی شہید ایک عرصہ ان کے گھر میں رہے ان کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن قندہاری اور پھر غازی بابا شہید نے انہیں میزبانی کا شرف بخشا امی کہتی تھیں کہ عرفان شہید کے بعد یہی میرے بیٹے ہیں مجاہدین بھی دل سے ان کے جذبے کا احترام کرتے تھے ان کی اپنی بے مثال قربانیوں کی بنا پر مجاہدین نے انہیں انصارالمجاہدین کا خطاب دیا.....امی جہادی کو عابد کہتی اور ان کے ساتھ بے انتہا محبت رکھتی تھیں میں ان کا گھر نہیں جانتی تھی البتہ جہادی شہید اکثر میرے سامنے امی کی دلیری، قربانیوں اور خلوص ومحبت کا تذکرہ کرتے ، میرے ذہن میں اس عظیم ماں کا خاکہ سا بن گیا اور لگتا تھا جیسے میں انہیں برسوں سے جانتی ہوں مجھے عثمان بھائی کی زبانی معلوم ہوا کہ امی کے گھر چھاپہ پڑا تھا اور شہید کے والد محترم اور بہن دو ہفتے جیل میں رہے اس لئے وہ خود ان کے گھر نہیں جا رہے تھے کہ کہیں ان مخلص لوگوں پر مزید کوئی آزمائش نہ آئے ان کے گھر میں دو ہائیڈیں تھیں ایک پکڑی گئی جبکہ دوسری محفوظ ہے وہاں سے سامان لانا تھا عثمان بھائی نے مجھے گھر کا پتہ سمجھایا اور بہن کا نام بھی بتایا میں نے سیرت فاطمہ کو نصرت کے ساتھ واپس بھیجا اور عثمان بھائی کے ساتھ کام ہونے کی صورت میں فون پر ایک کوڈ طے ہوا اس کے بعد میں امی کے گھر کی طرف روانہ ہوگئی.....صفا کدل کا علاقہ میرا دیکھا بھالا تھا اس لئے مذکورہ گھر تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی دروازے پر دستک دی ایک ادھیڑ عمر خاتون نے دروازہ کھولا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگیں میں سمجھ گئی کہ یہ امی ہیں کیا یاسمین گھر میں ہے؟ میں نے بہن کا نام لیا تو امی ہاں ہے کہہ کر مجھے اندر لے گئی اور بیٹی کو آوازیں دینے لگیں.....اتنے میں نوجوان لڑکی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی وہ مجھ سے بڑی خوش اخلاقی سے ملی اور مجھے بیٹھنے کا کہا جب میں نے برقعہ کھولا تو ان کے چہرے پر حیرانگی کے آثار واضح نظر آ رہے تھے انکی حیرت بجا تھی کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا یاسمین یہ کون ہیں؟ امی کے سوال پر وہ بولی میں خود انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں.....آپ اطمینان سے بیٹھیں میں اپنا تعارف خود کرواتی ہوں اب وہ دونوں تجسس سے میری طرف دیکھ رہی تھیں اور میں سوچ میں پڑ گئی کہ اپنا کیا تعارف کراؤں یہ ایسے لوگ نہ تھے جو فرضی باتوں پر یقین کرتے اس لئے مجھے انہیں حقیقت بتا دینی چاہئے بالآخر میں نے کہہ دیا کہآپ لوگ مجھے یقیناً نہیں جانتے ہیں مگر میں آپ کو سالوں سے جانتی ہوں مجھے یہاں عثمان بھائی نے بھیجا ہے کسی خاص کام

کے سلسلے میں اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو میں اپنے آنے کا مقصد بیان کروں.....عثمان بھائی کا نام سن کر وہ دونوں چونک گئیں.....کون عثمان بھائی ؟.....ہم تو اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتے.....آپ انہیں یقیناً جانتے ہیں، یہ وہی ہیں جو عابد خان کے ساتھ ادھر آتے تھے، یہ بات سن کر وہ اور زیادہ گھبرا گئیں.....آپ لوگ پریشان نہ ہوں آپ کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ بہت بڑی آزمائش سے گذرے ہیں ابا جی اور بہن گرفتار ہوئے تھے ان حالات میں کسی پر اعتبار کرنا واقعی مشکل کام ہے خیر میں عثمان بھائی سے کہوں گی کہ وہ خود آجائیں یہ کہہ کر میں نے برقعہ سنبھالا اور کھڑی ہو گئی.....بیٹی بیٹھ جاؤ.....یہ بتاؤ.....آپ کون ہیں؟ کیا چاہتی ہو؟.....امی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جانے سے روکا میرا تعلق مجاہدین سے ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا.....آپ کو علم ہے کہ مجاہدین پر کیسا سخت وقت آپڑا ہے تقریباً سارا سامان اور ٹھکانے پکڑے گئے ہیں اب انہیں کام جاری رکھنے کے لئے سامان کی سخت ضرورت ہے سنا ہے ادھر کچھ سامان موجود ہے میں وہ لینے آئی ہوں.....اب انہیں کچھ اعتبار آنے لگا تھا امی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ عابد کو بھی جانتی ہیں؟ جی ہاں بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں نے جواب دیا.....تو یہ لوگ اسے خبروں میں غازی بابا کیوں بتاتے ہیں انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا.....اس بات کا انہیں کیا جواب دوں میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی اس ماں کے دل پر کیا گزرے گی جو عابد کو اپنے شہید بیٹے عرفان کی جگہ سمجھتی تھی اور غازی بابا سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے جوتوں پر بھی بوسے نچھاور کرتی تھیں بہر حال اب وقت آ گیا تھا کہ انہیں حقیقت بتا دی جائے چنانچہ میں نے انہیں بتایا کہ جسے وہ عابد خان سمجھ رہی تھیں وہ ہی غازی بابا تھے یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں.....میں عابد کو اچھی طرح جانتی ہوں وہ غازی بابا نہیں ہے یہ پہلا موقعہ تھا جب انہوں نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ مجاہدین ان کے گھر آتے ہیں پھر وہ یکدم خاموش ہوئیں جیسے یہ اعتراف کر کے انہوں نے غلطی کی ہو میں انہیں آپ سے زیادہ جانتی ہوں امی اس لئے آپ میری بات پر یقین کر لیں میں نے بمشکل اپنے آنسو روک رکھے تھے پھر میں نے انہیں ساری بات بتا دی کہ وہ کون تھے اور میرا ان سے کیا رشتہ ہے دونوں دم بخود میرے منہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اچانک بہن نے اٹھ کر مجھے گلے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی وہ میرا دکھ سمجھ سکتی تھیں کیونکہ وہ خود اس آگ سے گزری تھیں وہ بہت جذباتی منظر تھا امی مجھے گلے لگا کر چومتیں تھیں اور کہتی تھیں کیا واقعی تم میرے مجاہد کی بیوی ہو وہ ادھر سے کیوں چلا گیا؟ میں نے تو اپنا سب کچھ اس پر قربان کیا تھا وہ میرے پاس سے کیوں چلا گیا؟ ان کی آہ وزاری دیکھ کر میرا دل پھٹنے لگا مجھے ایسے لگا جیسے میں جہادی شہید کی حقیقی ماں سے ملی ہوں وہ اس بات پر بہت روئیں کہ عابد نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ وہ غازی بابا ہیں میں نے انہیں تسلی دی اور کہا چونکہ آپ انہیں بچے کی طرح سمجھتیں اور حقیقی ماں کی طرح محبت کرتی تھیں اس لئے انہوں نے آپ کو نہیں بتایا کہ پھر آپ محبت کے بجائے ان کا احترام کرتیں وہ بھی آپ کو ماں کی جگہ رکھتے تھے اور آپ کا بچہ بن کر ہی رہنا چاہتے تھے..... ہاں وہ میرا بچہ ہی تو تھا میں نے صرف اس کو جنم نہیں دیا تھا باقی وہ مجھے اپنے بیٹے عرفان شہید کی طرح عزیز تھا امی کے آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور بولیں.....آؤ میں آپ کو اس کا کمرہ دکھاؤں وہ مجھے تیسری منزل میں لے گئیں اور ایک تالے میں چابی گھماتے ہوئے بولیں یہ میری مسجد ہے یہاں میرا بیٹا نماز پڑھتا تھا تلاوت کرتا تھا ادھر میں کسی کو نہیں آنے دیتی یہ کمرہ اس کے بعد بند ہی رکھتی ہوں وہ ایک خوبصورت کمرہ تھا کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے کمرے میں خوابناک سا ماحول تھا، بھینی بھینی خوشبو کمرے میں مہک رہی تھی، یوں محسوس ہوتا تھا کہ جہادی شہید ادھر ہی کہیں موجود ہیں.....ڈریسنگ میز پر کئی چیزیں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں کنگھا، خوشبو، باڈی سپرے یہاں تک کہ جوتے پالش کرنے والا برش اور ڈبی بھی میز پر سجے ہوئے تھے خوشبو اور باڈی سپرے سے میں پہچان گئی کہ یہ ان کی چیزیں ہیں کیونکہ وہ زیادہ تر ''Doit'' کی خوشبو استعمال کرتے تھے یہ میرے بیٹے کی چیزیں ہیں امی نے مجھے اس طرف متوجہ دیکھ کر کہا جب تک میں زندہ ہوں یہ یوں ہی سنبھال کر رکھوں گی ان کی اس بات سے میں سمجھ گئی کہ نشانی کے طور پر ان میں سے کوئی چیز اٹھانے کی قطعی اجازت نہیں ہے.....اس کمرے کے ساتھ وہ دونوں ہائیڈیں بھی تھیں جن میں سے ایک عارضی والی ہائیڈ پکڑی گئی تھی مگر اس میں جو خاص اور نایاب چیز پکڑی گئی وہ غازی بابا شہید کی لکھی ہوئی کتاب تھی جس کا مجھے بے حد صدمہ

ہوا امی نے مجھے بتایا کہ چونکہ ابا جی گھر پر موجود نہیں ہیں اس لئے آپ پرسوں آئیں اس دن وہ گھر پر ہونگے اور بڑی ہائیڈ کھول کر آپ کو مطلوبہ چیزیں دے دیں گے انہوں نے مجھے روزہ ادھر ہی کھولنے پر اصرار کیا لیکن میں نے معذرت کر لی کیونکہ اس صورت میں واپسی پر مجھے دیر ہو جاتی عثمان بھائی کو فون پر بتایا کہ درزی پرسوں کپڑے دے گا۔

* * *

غدار ملت کوکہ پرے کی ہلاکت

تیسرے روز میں مقررہ وقت پر انصار پوائنٹ پر گئی بزرگ گھر ہی میں موجود تھے انہوں نے ہائیڈ سے مطلوبہ چیزیں نکال دیں جن میں ایک شارٹ گن بھی شامل تھی یہ سامان میں نے ایک بیگ میں پیک کیا گھر والوں نے عثمان بھائی کے نام سلام بھیجا اور یہ پیغام بھی کہ وہ آ کر ملاقات کر لیں اور مجھے بہت ساری دعائیں دے کر رخصت کیا عثمان بھائی کے ساتھ فون پر پہلے ہی وقت طے کیا ہوا تھا واپسی پر سامان ان کے حوالے کر دیا انہوں نے خصوصی دعاؤں کا کہہ دیا جس کا مطلب میں سمجھ گئی.....اب ہم دن رات اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے رہے پھر ایک دن دعائیں رنگ لائیں اور غم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مسرت بھرا ترانہ گونج اٹھا ایک رات ہم نے خبروں میں سنا کہ مجاہدین جیش محمد ﷺ نے غدار ملت کوکہ پرے عرف جمشید شیرازی کو محافظوں سمیت واصل جہنم کر دیا بھارتی ذرائع نے اس موقع پر کھل کر اعتراف کیا کہ مجاہدین جیش نے اپنے کمانڈر غازی بابا کا انتقام لے لیا اور جمشید شیرازی کی ہلاکت بھارت کے لئے بہت بڑا دھچکا ہے واضح رہے یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے کشمیر میں سب سے پہلے اخوان کی بنیاد رکھی یہ لوگ پہلے اخوان المسلمین نامی جہادی تنظیم سے منسلک تھے لیکن بھارتی فوج نے جب کشمیریوں کی تحریک کو کچلنے کے لئے مجاہدین اور ان کے اہل خانہ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو کچھ کمزور ایمان والے لوگ فوراً پلٹ گئے ان لوگوں میں کوکہ پرے اور اس کے ساتھی بھی تھے جنہوں نے بھارتی فوج کے سامنے نہ صرف ہتھیار ڈال دیئے بلکہ ان کی غلامی بھی قبول کر لی بھارتی فوج نے ان لوگوں کی ذہن سازی کے علاوہ مالی اور عسکری سطح پر ان کی بھرپور مدد کی نتیجتاً 1995 میں ایمان فرشوں کا یہ ٹولہ ایک منظّم گروہ کی صورت میں ابھرا جسکی قیادت یوسف پرے المعروف کوکہ پرے کر رہا تھا انڈین آرمی نے انہیں اپنے مکروہ عزائم کے لئے استعمال کیا اور پوری وادی ان کے مظالم کی لپیٹ میں آ گئی بہرحال ظلم جب حد سے بڑھتا ہے تو خود بخود مٹ جاتا ہے اخوانی غنڈوں کی چیرہ دستیوں نے عوام الناس کا جینا دوبھر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سرحد کے اس پار سے ان ظالموں کی سرکوبی کے لئے مجاہدین اور غازی بابا بھیجے پھر ان لوگوں کا وہ حشر ہوا کہ دوبارہ سر ابھارنے کے قابل نہ رہے اس کے بعد کوکہ پرے سیاست میں آ گیا.....لیکن منافق چونکہ منافق ہی ہوتا ہے اور اس کا وجود کافر دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے اس لئے مجاہدین نے اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر زمین کو اس کے شر سے پاک کر دیا۔

* * *

فاطمہ کی روانگی کا پہلا پروگرام

رفتہ رفتہ سرینگر میں حالات بہتر ہونے لگے قاری آصف صاحب سیٹ اپ کو دوبارہ مستحکم کرنے کے لئے انتھک محنت کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے کپواڑہ کے فلک بوس پہاڑوں کو خیر باد کہہ کر سرینگر کو اپنا مسکن بنا لیا اور کافی تعداد میں ساتھی کپواڑہ سے سرینگر بلا لئے ان دنوں سیرت فاطمہ کو پاکستان بھجوانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کیونکہ میں نے اپنا موقف صاف ظاہر کیا تھا کہ میں فدائی حملہ کرنا چاہتی ہوں میں نے حضور نبی اقدس ﷺ کا یہ مبارک ارشاد سن رکھا تھا کہ.....عورت کے لئے شوہر کی آغوش اور قبر سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے.....سو ان سے جدا ہونے کے بعد میرے لئے قبر ہی بہترین جگہ تھی اس لئے شوق

شہادت میری آرزو ہی نہیں مقصد حیات بن چکا تھا اس مقصد کو پانے کی خاطر میں نے فاطمہ کو بھیجنے کا مشکل ترین فیصلہ کر لیا.....
27 یا 28 نومبر کو عید الفطر تھی زخم زخم یادوں کے ساتھ اور فاطمہ کی ممکنہ جدائی کے تصور سے لرزتی عید کا دن گذر گیا پچھلے سال یہ عید KP پوائنٹ پر گذاری تھی تہتیب جہادی شہید تھے، راشد بھائی شہید تھے بہت ہی رونق اور چہل پہل تھی جہادی شہید بہت اہتمام سے عید مناتے تھے اور ہر کسی کا خیال رکھتے ان کے ساتھ عید مناتے ہوئے انسان عید کی خوشی کو اپنے دل میں محسوس کرتا اللہ پاک نے انہیں ذوق وشوق ہی ایسا دیا تھا۔

دسمبر کا دوسرا ہفتہ شروع ہو چکا تھا پورا کشمیر سخت ترین سردی اور دھند کی لپیٹ میں تھا اس دوران مجھے مجاہدین کی طرف سے ترال پہنچنے کا پیغام ملا اس یخ بستہ سردی میں ضرور بالضرور ترال پہنچنے کا پیغام !! مجھے کچھ شک سا ہونے لگا مگر یقین نہیں .....کوئی بھی کام ہوسکتا ہے میں نے دل میں سوچا اور پیغام کے مطابق نور پورہ (ترال) روانہ ہوگئی اس گھر میں میں پہلے بھی جاتی رہتی تھی یہ لوگ بھی انصار پوائنٹ والوں کی طرح انتہائی مخلص اور قربانی دینے والا گھرانہ تھا.....خبیب بھائی عرف شرجیل وہاں کے ذمہ دار تھے شام کو وہ پوائنٹ پر آئے اور مجھے قاری آصف صاحب کا یہ پیغام دیا کہ کل بچی کو سرینگر سے روانہ کرنا ہے یہ خبر میرے لئے کس قدر قیامت خیز تھی یہ میں ہی جانتی ہوں اتنا بڑا کام اور اس قدر اچانک .....قاری صاحب شرجیل بھائی کے رابطے میں تھے تھوڑی دیر بعد شرجیل بھائی نے مجھ سے پوچھا بہن جی! انہیں کیا جواب دوں؟.....میں بالکل خاموش تھی ایک لفظ بھی نہیں بولا جا رہا تھا آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان اُٹھ آیا تھا جنہیں چہرے پر نقاب کی وجہ سے ساتھی نہیں دیکھ سکتے تھے مگر ایک ماں کی اس موقع پر کیا کیفیت ہوسکتی ہے انہیں شاید اس بات کا خوب اندازہ تھا شرجیل بھائی کے ساتھ ایک مقامی ساتھی تنویر شہید بھی اس وقت وہاں موجود تھے دونوں سر جھکائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ تنویر بھائی خاموشی توڑتے ہوئے گویا ہوئے بہن جی ہمیں آپ کے دکھ کا احساس ہے اتنی معصوم بچی کو جدا کرنا واقعی بہت صبر آزما کام ہے لیکن میرے خیال میں آپ کا یہ فیصلہ اچھا ہے یہاں کشمیر میں اس کا مستقبل کیا ہوگا کم سے کم پاکستان میں عزت کی زندگی تو گذاریں گی آپ ہمت کریں انشااللہ سب ٹھیک ہو جائے گا شرجیل بھائی نے بھی میری ڈھارس بندھانے کی کوشش کی میں نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کے یہ فیصلہ میں نے خود ہی بغیر کسی کی رائے لئے کیا ہے صرف اللہ کی رضاء اور جہاد کی محبت میں لیکن اگر مجھے دو تین دن کا وقت مل جاتا تو بہتر تھا تاکہ میں بچی کے سفری لوازمات تسلی سے پورے کرتی اور اپنا ذہن بھی بنا لیتی دونوں نے اس بات سے اتفاق کیا اور شرجیل بھائی نے قاری صاحب کو سیٹ کے ذریعے پیغام دے دیا مگر انہوں نے مجبوری کا اظہار کیا اور کہا تمام معاملات وہ طے کر چکے ہیں.....ٹھیک ہے میں آخری منزل تک بچی کے ساتھ جاؤں گی تاکہ اچانک مجھ سے دور ہو کر یہ گھبرا نہ جائے میں نے دوسری درخواست کی لیکن آگے سے جواب ملا کہ یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ بچی کو لے کر جانے والے صرف مرد حضرات ہیں.....شرجیل بھائی نے مجھے بتایا کہ کل سہ پہر 3 بجے آپ سرینگر کے فلاں مقام پر پہنچ جائیں وہاں آپ کو ساتھی مل جائیں گے آگے یہ ترتیب ہے کہ ایکمخصوص علامت والا بندہ بٹہ مالو میں آپ کو ملے گا بچی اس کے حوالے کرنی ہے ساری بات بتا کر ساتھی رخصت ہو گئے اور میں تفکرات کے اندھیرے جنگل میں بھٹکنے لگی اتنا خاص اور اہم کام وہ بھی اس قدر اچانک بھلا میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو کسی انجانے آدمی کے سپرد کس طرح کروں ان کے ساتھ کوئی خاتون ہوتی تب بھی کوئی بات تھی وہ مرد اس معصوم بچی کو کس طرح سنبھال سکے گا جو ابھی دو سال کی بھی نہیں ہوئی ہے.....میرا دل بالکل بھی مطمئن نہیں ہو رہا تھا حالانکہ دل کو بہلانے کے لئے میں نے بہت کچھ سوچا سمجھا لیکن کوئی انجانے خدشات مسلسل دل کو بے چین کئے جا رہے تھے.....ضبط کے آنسو اندر ہی اندر میرے دل پر گر رہے تھے ہاں آنسو جب باہر آنے کا رستہ نہیں پاتے تو دل پر ہی گرتے ہیں یہ گھر والے میری اصلیت نہیں جانتے تھے وہ چار بہنیں تھیں ماں سمیت سب کی سب قربانی دینے والیاں اور جہاد کی کٹر حامی تھیں وہ اکثر میرے سامنے غازی بابا شہید کا ذکر کرتیں اور ان کی اہلیہ کا بھی جس کے بارے میں انہوں نے خبروں میں سنا تھا انہوں نے ایک بار مجھ سے پوچھا بھی کہ ان کی اہلیہ کہاں ہیں کیا میں انہیں جانتی ہوں میں نے اس معاملے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور انہوں نے بھی میری بات کا یقین کر لیا..... چنانچہ رات ہونے تک میں بڑی مشکل سے ضبط کئے بیٹھی رہی بہنوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا پھر

جب سب لوگ سو گئے تو گویا سمندر کے بند کھل گئے میں ساری رات سیرت فاطمہ کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی جو آنے والے کل سے بے نیاز گہری نیند سو رہی تھی یہ سچ ہے کہ ایک بڑے مقصد کے لئے ایک اعلیٰ وارفع منزل کو پانے کے لئے چھوٹی بڑی آرزوئیں اور خواہشیں قربان کرنا پڑتی ہیں دنیاوی محبتوں کی زنجیریں خود کاٹنا پڑتی ہیں اور شہادت کی سعادت کے حصول کے لئے اگر سب کچھ قربان کیا جائے تو یہ سودا یقیناً گھاٹے کا نہیں ہوگا یہ بات میں خوب سمجھتی تھی مگر مامتا کا کیا کیجئے اولاد کی جدائی برداشت کرنا ایک ماں کے لئے سب سے مشکل امتحان ہے وہ بھی ایک ماں کے لئے جسکی اداس اور بے رنگ زندگی اس اولاد کی مسکراہٹوں سے آباد ہے دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کام کی ترتیب جس طرح بنائی گئی تھی اس پر میرا دل بالکل مطمئن نہیں ہو رہا تھا..... رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی میں سوچ رہی تھی اگر فاطمہ میرے بغیر پریشان ہوگئی..... تو اس کا کیا بنے گا؟..... اس نے اپنے بابا کی جدائی کا کس قدر اثر لیا تھا وہ سب حالات میری آنکھوں کے سامنے تھے دو ماہ تو اس کا بخار ہی نہیں اترا تھا..... مجھے یاد ہے 15 شعبان کو اسے بہت سخت بخار تھا رات کا جانے کون سا پہر تھا میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھی اور میری ننھی سی بچی بخار میں جل رہی تھی وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں اپنے بابا سے باتیں کر رہی تھی بابا..... بابا جانی نہ جانے اپنی توتلی زبان میں کیا کچھ کہہ رہی تھی کبھی مسکرانے لگتی اور کبھی بستر پر ادھر اُدھر ہاتھ مارنے لگتی جیسے کوئی چیز تلاش کر رہی ہو اس کی حالت سے میں گھبرا گئی اس کو گود میں لٹا کر قرآن پاک پڑھ کر اس پر دم کرتی رہی اس دن میں کام کے سلسلے میں پانپور کے ایک دور دراز گاؤں میں تھی جہاں رات کے وقت نہ ڈاکٹر کا ملنا ممکن تھا نہ دوائی کا..... بے بسی کے دو آنسو قرآن پاک پر جا گرے اسی لمحے خالہ کوئی چائے قہوہ دینے کے لئے کمرے میں آ گئیں بچی کی حالت دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگئیں گھر میں ایک مقامی ساتھی کامران بھائی موجود تھے وہ ساری رات بچی کو دم کرتے رہے اللہ اللہ کرتے صبح ہوگئی خالہ پہلی فرصت میں اسے پانپور کے ہسپتال لے گئیں لیکن معمولی سے افاقے کے بعد پھر بخار آیا تیسرے دن میں اس کو لیکر سرینگر آ گئی، آنٹی نے شہر کے سب سے بڑے چائلڈ اسپشلسٹ کو دیکھایا ڈاکٹر نے نبض دیکھتے ہی کہا کہ بچی کے دل پر کوئی صدمہ ہے ہم جانتے تھے کہ اس ننھے سے دل پر کیا صدمہ ہے لیکن اس کے درد کا مداوا اب صرف وقت ہی کر سکتا تھا کیونکہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے انہی سوچوں میں حیران و پریشان روتے جاگتے رات گذر گئی صبح جب اٹھی تو میری سرخ اور متورم آنکھیں دیکھ کر بہنیں مجھ سے پوچھنے لگیں لگتا ہے آپ ساری رات روتی رہی ہیں خیریت تو ہے نا شرجیل بھائی کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے مسکرا کر ٹال دیا اور کہا بس یوں ہی نیند نہیں آئی تھی

* * *

ہم انتظار ہی کرتے رہ گئے

نور پورہ سے سرینگر تک صرف ایک گھنٹے کا راستہ تھا اس لئے میں نے آرام سے نکلنے کا سوچا دوپہر کا کھانا کھایا ڈیڑھ بجے نماز ظہر ادا کی اللہ تعالیٰ سے حضرت خنساءؓ والی استقامت مانگی اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئی ایک ایسے سفر پر جو مجھے بالکل تنہا کرنے والا تھا سب سے پہلے رابعہ کے گھر فون کیا انہوں نے سیرت فاطمہ کو پالا اور اس سے بے حد محبت کرتے تھے ان کو بتا دیا کہ فلاں جگہ آ کر فاطمہ سے مل لیں وہ ششدر رہ گئے کیونکہ میں نے یہ بات انہیں پہلے نہیں بتائی تھی مجھے معلوم تھا کہ وہ اس معاملے میں میرا ساتھ نہیں دیں گے آنٹی اکثر مجھے کہتی تھیں کہ میں بچی کو ان کے پاس چھوڑ دوں وہ شہزادی کی طرح اس کی پرورش کریں گے۔

میں سرینگر پہنچی تو نصرت، رابعہ اور آنٹی حیدر پورہ کے مقام پر میرا انتظار کر رہی تھیں انہوں نے ملتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی اس کے علاوہ گلے شکوے اور ناراضگی کا اظہار بھی کہ انہیں پہلے کیوں نہ بتایا آنٹی بولیں کیا مجھ پر بھروسہ نہ تھا جو اس معصوم کو پردیس میں بھیج رہی ہو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگیں پہلے بھی تمہیں دیکھ کر میرا دل جلتا تھا اب تو اور بھی تنہا ہو جاؤ گی..... میرے پاس ان کی کسی بات کا جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اللہ پاک کی طرف سے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اس

لئے اب صبر سے ہی کام لینا ہوگا ہم لوگ وہاں سے بٹہ مالو آئے حیدر بھائی اور عثمان بھائی وہاں انتظار کر رہے تھے حیدر بھائی بہت شریف النفس اور نرم دل انسان تھے وہ فاطمہ کو گود میں اٹھائے ادھر اُدھر پھر رہے تھے بار بار اس کو پیار کر رہے تھے ہم نے بٹہ مالو سے ہی بچی کی ضرورت کی کچھ چیزیں خرید لیں اور مطلوبہ بندے کا انتظار کرنے لگے 3 سے 4 بجے کا وقت بھی ہو گیا لیکن وہ بندہ نہیں پہنچا اس رات بارش ہوئی تھی ہر طرف پانی کیچڑ اور ٹھنڈک کی وجہ سے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا میں نے بھائیوں سے پوچھا کہ وہ بندہ کون ہے؟ انہوں نے مبہم سا جواب دیا کہ یہ ان کے آنے پر ہی معلوم ہوگا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ دونوں بے چین سے ہو رہے ہیں اور ادھر اُدھر ٹہل رہے ہیں جوں جوں وقت گذرتا رہا ان کی تشویش میں بھی اضافہ ہوتا رہا مجھے معلوم نہ تھا کہ آنے والا کون ہے اور کہاں سے آ رہا ہے..... دسمبر کی یخ بستہ ہوائیں شام ہونے کے ساتھ ساتھ اور بھی ٹھنڈی ہو گئیں کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہو گئیں ہم لوگ تین چار گھنٹے سے اس علاقے میں گھوم رہے تھے عین اس جگہ جہاں بندے نے آنا تھا آرمی کی بکتر بند گاڑی کھڑی تھی وہ علاقہ کافی بھیڑ بھاڑ والا ہونے کے باوجود آرمی والے ہماری طرف متوجہ ہو گئے یہ صورتحال دیکھ کر بھائیوں نے نصرت والوں کو کہا کہ وہ لوگ اب چلے جائیں انہوں نے سیرت فاطمہ کو پرنم آنکھوں سے الوداع کہا اور واپس چلے گئے عصر کا وقت گذر گیا تھا سردیوں میں ویسے بھی شام جلدی گہری ہوتی ہے دونوں بھائی اب پہلے سے بھی زیادہ فکرمند ہونے لگے میں نے ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی تو وہ بولے قاری آصف صاحب خود آ رہے تھے متعلقہ بندے سے ہمارا ملنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے وہ خود آنے والے تھے تاکہ بچی کو ہم سے وصول کر کے بندے کے حوالے کر دیں جس نے بچی کو لے کر جانا تھا۔

قاری صاحب جیسے ذمہ دار شخص کا مقررہ وقت پر نہ پہنچنا واقعی پریشان کن بات ہے..... اب کیا کیا جائے؟..... کیونکہ شام ہونے والی ہے میرے سوال پر وہ کچھ سوچ کر بولے ان کے پوائنٹ پر جا کر پتہ کرتے ہیں اگر وہ ملیں تو آئندہ کا لائحہ عمل طے کر لیتے ہیں پھر ہم لوگ ایک بس میں سوار ہو کر قمر وادی کی طرف روانہ ہوئے مجاہدین کبھی بسوں میں سفر نہیں کرتے تھے مگر مجبوری میں کچھ سجھائی نہ دیا چنانچہ لوکل بس پر بیٹھ کر قمر وادی خود قاری صاحب کا پتہ کرنے کے لئے اس پوائنٹ پر گئے جہاں وہ اس دن اور گذشتہ رات ٹھہرے ہوئے تھے..... چند منٹوں کے بعد وہ واپس آئے لیکن ان کے چہروں پر پریشانی کے گہرے آثار نظر آ رہے تھے گھر والوں نے انہیں بتایا کہ قاری صاحب دوپہر کے وقت موٹر سائیکل پر نکل گئے ہیں ان کی گن سیٹلائٹ فون اور دیگر چیزیں ادھر ہی پڑی تھیں اس کا واضح مطلب تھا کہ ان کے ساتھ صرف ایک پسٹل تھا اور وہ صبح وقت پر وہاں سے نکل گئے ہیں پھر وہ ہم سے کیوں نہیں ملے اس سوال کا جواب کسی کے پاس بھی نہ تھا ہم لوگ بہت پریشان ہوئے کیونکہ وہ کوئی عام ساتھی نہیں چیف کمانڈر تھے ہماری ہر سانس ان کے لئے دعا گو تھی۔

* * *

ساتھ جہلم ویلی اور قاری صاحب کی گرفتاری

مغرب کا وقت ہونے والا تھا اب تمام امیدیں دم توڑ رہی تھیں ساتھیوں نے مجھے کہا کہ آپ بائی پاس (باجی والے پوائنٹ) پر چلی جائیں وہاں آپ سے رابطہ کرنا ہمارے لئے آسان ہوگا ہم رات کو پھر ادھر آ کر قاری صاحب کو چیک کریں گے شاید وہ رات کو رابطے پر ہی آ جائیں..... ٹھیک ہے اللہ کرے وہ خیریت سے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں میں نے دونوں مجاہدین کو دعائیں دیں..... اس کے بعد وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف نکل گئے ہمیں معلوم نہ تھا کہ آنے والا کل ہمارے لئے ایک نئی آزمائش کا پیغام لے کر آئے گا..... میں رکشے میں بیٹھ کر بٹہ مالو بائی پاس کی طرف روانہ ہو گئی شارٹ کٹ کی غرض سے ڈرائیور نے بمنہ بائی پاس کا راستہ اختیار کیا تھوڑی ہی دیر میں ہم بمنہ کے علاقے میں داخل ہوئے وہاں بائی پاس روڈ پر ہی ''جہلم ویلی میڈیکل کالج'' واقع ہے وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ کالج کی مخالف سمت یعنی سڑک کی دوسری طرف لوگ جمع ہیں

آرمی کی تین گاڑیاں کھڑی ہیں اور فوج وعوام آپس میں دست وگریباں ہیں لوگ نعرے مار رہے ہیں اور آرمی پر زبردست پتھراؤ کر رہے ہیں جبکہ فوجی آنسو گیس اور لاٹھی چارج کے ذریعے لوگوں کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں.....کشمیر میں یہ سب معمول کی باتیں ہیں بھارتی فوج اگر ظالم ہیں تو غیرت مند کشمیری بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں مگر چونکہ میں نے اسی علاقے کے آس پاس ٹھہرنا تھا اس لئے معلومات کے لئے رکشے والے سے اس کے متعلق پوچھ لیا جواباً اس نے جو کہانی سنائی اسے سن کر میرا سر چکرا کر رہ گیا.....اس نے بتایا آرمی کی ایک گشتی پارٹی نے ایک موٹر سائیکل سوار کو روکنے کی کوشش کی اس نے آگے سے فائر کھول دیا اس پر فوج نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس کے نتیجے میں ایک دوکاندار شہید اور دوسرا زخمی ہو گیا اس بات پر لوگ احتجاج کر رہے ہیں.....اس موٹر سائکل والے کا کیا بنا میں نے انتہائی عجلت میں پوچھا اسے شدید زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا اس نے جواب دیا اور مجھے ایسا لگا جیسے میرا دل نیچے کہیں گہرائیوں میں ڈوب گیا ہو او میرے خدا کہیں وہ قاری آصف تو نہیں؟.....اگرچہ تمام کڑیاں ملانے کے بعد یہ بات صاف نظر آ رہی تھی کہ وہ کوئی اور نہیں ہمارے بھائی قاری آصف ہی ہیں لیکن دل بار بار اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کر رہا تھا اب اتنا بڑا صدمہ سہنے کا حوصلہ ہی کب تھا مغرب کی اذانوں کے ساتھ ہیں میں غم وحزن میں ڈوبی ہوئی باجی کے گھر میں داخل ہوئی انہوں نے مجھے محبت سے گلے لگایا وہ انتہائی مہربان اور بے لوث محبت رکھنے والی خاتون تھیں جہادی شہیدان کے گھر میں آتے جاتے تھے.....نماز کے بعد انہوں نے فوراً کھانا لگا دیا لیکن دن بھر کی تھکاوٹ اور اب اس نئی پریشانی کی وجہ سے مجھ سے کھانا کھایا ہی نہ گیا باجی نے میری بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا کیونکہ ان لوگوں پر ہمیں پورا اعتماد تھا اس لئے تمام بات بتا دی فاطمہ کے جانے کی اور جہلم ویلی والے واقعہ اور اپنے خدشات کے بارے میں بتا دیا انہوں نے کہا آپ فکر نہ کرو میں صبح سویرے اس بات کا پتہ کراؤں گی رات جیسے تیسے بیت گئی صبح ہوتے ہی انہوں نے اپنے شوہر کو جہلم ویلی بمنہ کی طرف روانہ کر دیا واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ.....آرمی نے ایک موٹر سائیکل سوار کو روکنے کی کوشش کی جس پر اس نوجوان نے آرمی والوں پر فائرنگ کی چند فائر کرنے کے بعد اس کا پسٹل رک گیا یہ دیکھ کر ایک فوجی اس کی طرف لپکا اور اسے قابو کرنا چاہا لیکن بہادر نوجوان نے سر سے ہیلمٹ اتار کر اس فوجی کو ہیلمٹ کی ضربوں سے شدید زخمی کر دیا جس پر باقی فوجیوں نے اندھا دھند فائرنگ کی جس سے ایک شہری شہید ہوا جبکہ موٹر سائکل سوار انتہائی زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا.....انا للہ وانا الیہ راجعون.....اس بات سے قاری صاحب کی گرفتاری کی تصدیق ہو گئی کیونکہ ہمیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ صرف ایک پسٹل لے کر نکلے ہیں اگر ان کے پاس گرنیڈ وغیرہ ہوتے تو یقیناً ان کا استعمال کرتے تھوڑی دیر کے بعد عثمان بھائی بھی وہاں آ گئے انہوں نے بتایا کہ قاری صاحب کا کوئی پتہ نہیں چلا نہی رات وہ رابطے پر آئے اور نہی اپنے پوائنٹ پر پہنچے انہیں مذکورہ بالا واقعے کا علم نہ تھا جب انہیں اس واقع کا علم ہوا تو وہ بولے کہ اس میں اب شک کی کوئی گنجائش نہیں یقیناً وہ قاری صاحب ہی ہیں۔

* * *

مجاہدین ایک اور آزمائش کا شکار

اس میں کوئی شک نہیں کہ 30 اگست کے اندوہناک سانحے کے بعد مجاہدین ایک اور بڑی آزمائش کے شکار ہو چکے تھے اگر وہ شہید ہوتے تو اتنا مسئلہ نہ تھا لیکن ان کی گرفتاری سے کئیمسائل پیدا ہو گئے تھے اگر دشمن ان سے کوئی راز لینے میں کامیاب ہوا تو کپواڑہ سے لے کر سرینگر اور سرینگر سے لے کر تراال تک ایک طوفان آئے گا.....دوسری صورت میں مجاہدین نے فوراً سے پیشتر تمام ٹھکانے بدلنے تھے جو اس سرد اور برفانی موسم میں جوئے شیر لانے کے مترادف تھا کیونکہ پہاڑوں پر کئی کئی فٹ برف

گر چکی تھی برف میں ایک طرف مومنٹ کرنا بھی نقصان کا باعث بن سکتا تھا جبکہ دوسری طرف نئی ہائیڈیں تعمیر کرنا بھی مشکل ترین کام تھا..... بہر حال مجاہدین کے پاس ٹھکانے بدلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا تنظیم کا ایک اہم رکن دشمن کی قید میں تھا اس بات پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا کہ وہ دشمن کو کچھ نہیں بتائے گا حماقت کے سوا کچھ نہ تھا عموماً بھارتی فوجی ایک مجاہد سے راز اگلوانے میں ناکام رہتے تھے لیکن ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو انسان بے بس ہو جاتا ہے اور انصار بھائی شہید کی گرفتاری پر پیش آنے والے تمام حالات ہمارے سامنے تھے..... اب مسئلہ یہ تھا کہ مرکز (ترال) کیسے اطلاع دی جائے چونکہ سرینگر میں دفاعی انتظامات ابھی نامکمل تھے اس وجہ سے مجاہدین سیٹ کا کم سے کم استعمال کرتے تھے تا کہ دشمن ان کی لوکیشنز کا اندازہ نہ لگا سکے مگر موجودہ حالات میں دشمن مزید چوکنا ہوا ہوگا.....عثمان بھائی کافی پریشان تھے کیونکہ وقت بہت کم تھا ترال اطلاع بھی دینی تھی قاری صاحب کے پوائنٹ سے ان کا سامان اٹھانا تھا تا کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگے سب سے بڑھ کر مسئلہ ان مجاہدین کا تھا جو قاری صاحب کپواڑہ سے لے آئے تھے اور وہ سرینگر کے مختلف علاقوں میں موجود تھے سب سے پہلے ان ساتھیوں کو محفوظ مقامات کی طرف نکالنا تھا چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ میں قاری صاحب کے پوائنٹ سے ان کا سامان اٹھالاؤں اس دوران وہ ساتھیوں کو نکالنے کی کوئی ترتیب بنائیں گے قاری صاحب کل سہ پہر کو گرفتار کر لئے گئے اس دوران ان پر نجانے کیا کیا حالات آئے ہونگے یہ نہ ہو ساتھی کسی مشکل میں مبتلا ہوں..... میں نے ان سے کہا آپ فکر نہ کریں میں پہلے سامان لاؤں گی اس کے بعد ترال جا کر مجاہدین کو اطلاع دوں گی انہوں نے مجھے قمر وادی قاری صاحب کے ٹھکانے کا ایڈرس دیا اور کہا اگر سامان ملا تو آپ فلاں ٹائم فلاں جگہ پہنچ جائیں میں سامان وصول کروں گا اس کے بعد آپ ترال چلی جائیں.....ساری ترتیب بنا کر ہم لوگ اپنے اپنے مشن پر روانہ ہو گئے اس دن صبح سے موسم خراب تھا میں قمر وادی کے راستے میں ہی تھی کہ برفباری شروع ہو گئی یہ ایک نئی مصیبت تھی کیونکہ اس صورت میں ساتھیوں کو نقل وحرکت میں مشکل پیش آتی اور راستے بند ہونے کی صورت میں میرا ترال پہنچنا بھی مشکل تھا قاری صاحب کے پوائنٹ تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ گزشتہ شام مجھے راستے کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا خاتون خانہ ایک ادھیڑ عمر خاتون تھیں انہوں نے مجھے اندر بٹھایا جب میں نے انہیں اپنی آمد کا مقصد بتایا تو ان کا انداز ہی بدل گیا.....وہ انتہائی ہوشیار اور زیرک خاتون تھیں کہنے لگیں ہمیں کیا معلوم آپ کون ہیں کون سے سامان کی بات کر رہی ہیں آپ برقعہ اٹھائیں تا کہ میں آپ کو پہچان سکوں میں آپ کے گھر پہلی مرتبہ آئی ہوں اس لئے پہچاننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ کہہ کر میں نے نقاب کھولنے سے صاف انکار کر دیا..... میں نے انہیں کئی کوڈ ورڈ اور قاری صاحب کی گرفتاری کا بتایا مگر وہ اس بات پر اڑی رہیں کہ ان کے گھر میں کوئی مجاہد نہیں تھا اور نہ ہی کسی کا سامان پڑا ہوا ہے میں نے عثمان بھائی اور حیدر بھائی کی گزشتہ شام آمد کا بھی حوالہ دیا مگر بے سود..... مجھے اس کی ہٹ دھرمی پر بہت غصہ آ رہا تھا اور یہ بھی سوچ رہی تھی کہ جہادی شہید اس عورت کی رازداری کا عالم دیکھتے تو یقیناً انعام واکرام سے نوازتے کیونکہ انہیں ایسے لوگ بہت پسند تھے بالکل کھرے اور اصولوں کے پکے..... جب وہ کسی طور بھی نہ مانیں تو میں مایوس ہو کر واپس آ گئی کیونکہ برفباری جاری تھی اور مجھے ترال بھی جانا تھا وہاں سے نکل کر میں قمر وادی کے اس گراؤنڈ میں پہنچ گئی جہاں سے عثمان بھائی نے سامان وصول کرنا تھا سامان تو نہ ملا لیکن وہ مقررہ وقت پر وہاں ضرور پہنچیں گے اس لئے مجھے انہیں اطلاع دینی تھی وہاں پہنچ کر مجھے تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا کیونکہ ساتھی ابھی نہیں پہنچے تھے وہ پارک بھی عیدگاہ گراؤنڈ کی طرح میٹنگ پوائنٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا لیکن اس برفباری میں وہاں کھڑے رہنا مشکوک کرنے والی بات تھی بہر حال کچھ دیر بعد عثمان بھائی اور حیدر بھائی وہاں آ گئے میں نے انہیں سارا ماجرا سنایا انہوں نے کہا کہ وہ خود جا کر سامان وصول کریں گے میں نے ان سے ساتھیوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا الحمدللہ سب ساتھی خیریت سے ہیں دو ساتھی جنہیں کپواڑہ کا پتہ تھا وہاں روانہ کر دیئے گئے دوسرے دو جنہیں راستوں کا بالکل علم نہ تھا انہیں سول گائیڈ کے ساتھ پلوامہ کی طرف بھیج دیا ہے.....حیدر بھائی سامان سمیت سوپور کی طرف جا رہے تھے اور عثمان بھائی میری ترال سے واپسی تک سرینگر میں ٹھہریں گے یہ ترتیب طے کر کے ہم لوگ فوراً وہاں سے نکل گئے کیونکہ موٹی موٹی برف ہمارے اوپر گر رہی تھی وہاں سے میں بٹہ مالو اڈے میں آ گئی اور ترال جانے والی بس میں سوار

ہوگئی۔

* * *

مجاہدین کو اطلاع

میں نے ترال کے بجائے پانپور میں اترنے کا ارادہ کرلیا کیونکہ ترال جانے کی صورت میں میرا سفر لمبا ہو جاتا اور مجھے رات رکنا پڑتا جبکہ برفباری مسلسل ہو رہی تھی اور رات رکنے کی صورت میں راستے بند ہونے کا قوی امکان تھا.....قصبہ پانپور یعنی وادی زعفران سرینگر اور ترال کے درمیان میں واقع ہے پانپور سے دو کلو یا تین کلو میٹر دور ''سانبورہ'' نامی ایک گاؤں تھا وہاں ایک مقامی مجاہد کامران بھائی ہوتے تھے میں نے سوچا کہ انہیں اطلاع مل جائے آگے وہ سیٹ کے ذریعے جمال بھائی کو مطلع کردیں گے جس وقت میں گاڑی سے اتری تو زمین پر کافی برف جمع ہو چکی تھی اب مجھے مین روڈ سے گاؤں تک کچھ پیدل سفر کرنا تھا اس طرف ٹریفک کی آمد و رفت نہ ہونے کے باعث یہ راستہ مکمل طور پر برف سے اٹا ہوا تھا، شاید صبح سے اس طرف کسی پیدل انسان کا گزر بھی نہ ہوا تھا ورنہ قدموں کے نشان ہی ہوتے اور چلنے کا کچھ نہ کچھ راستہ ہو گیا ہوتا.....اب جو میں نے برف کے اوپر سے چلنا شروع کیا تو میرے پاؤں برف کے اندر دھنسنے لگے اور تھوڑی دیر میں میرے جوتے اور جرابیں گیلی ہو گئیں میں تیز قدموں سے آگے بڑھتی جا رہی تھی تاکہ جلدی سے وہ راستہ عبور کروں لیکن برف اتنی بے رحم چیز ہے کہ میرے پاؤں سردی سے اکڑ گئے اور قدم اٹھانا دشوار ہو گیا میں نے شکر کیا کہ فاطمہ میرے ساتھ نہ تھی ورنہ میرے لئے اور مصیبت بن جاتی بالآخر دس پندرہ منٹ کا راستہ میں نے آدھے گھنٹے میں طے کیا.....جب میں مطلوبہ گھر میں داخل ہوئی تو یہ سن کر مجھے شدید دھچکا لگا کہ کامران بھائی کسی اور علاقے کی طرف نکل گئے ہیں اور وہاں کوئی ساتھی موجود نہیں ہے میں سخت پریشان ہوئی اب مجھے ہر حال میں ترال جانا تھا کاش! پہلے ہی گئی ہوتی تو کم سے کم اتنی بری حالت نہ ہوتی.....میں سردی کی وجہ سے کانپ رہی تھی برقعہ بھی سارا بھیگ گیا تھا خالہ کو میری حالت دیکھ کر سخت افسوس ہوا انہوں نے مجھے کمبل میں بٹھایا اور گرم گرم کانگڑی بھی دے دی میں فوراً نکلنا چاہتی تھی کیونکہ وہاں رہنے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا خالہ نے مجھے روکا اور بولیں تھوڑی گرمی کرلو اور کپڑے سکھا دو اتنی بھی کیا ایمرجنسی ہے جو آپ اس طوفانی موسم میں ترال جا رہی ہیں.....

انہیں میں کیا بتاتی کہ یہ کام میری جان سے بھی اہم ہے اس وقت سہ پہر کے تین بج رہے تھے میں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور ظہر کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی..... چنانچہ سب سے پہلے نماز ادا کی تھوڑا سا کھانا کھایا اور وہاں سے روانہ ہو گئی واپسی پر بھی میری وہی حالت ہوئی بڑی مشکل سے میں نے وہ راستہ عبور کیا مجھے لگ رہا تھا کہ آج میں سردی سے شہید ہو جاؤں گی سردی کی شدت سے میرے پاؤں اور ٹانگیں اس قدر درد کرنے لگیں کہ تکلیف کی وجہ سے میری آنکھوں سے خود بخود آنسو نکل آتے تھے.....راہ جہاد میں کئی بار ایسے مواقع آئے جو میری زندگی کا سرمایہ ہیں اور کبھی کبھی وہ لمحات مجھے بخشش کا ذریعہ نظر آتے ہیں وہ دن بھی ایک ایسا ہی دن تھا.....مین روڈ پر پہنچی تو جلد ہی گاڑی مل گئی برف اور ٹھنڈی ہواؤں سے جان چھوٹنے پر اللہ کا شکر ادا کیا یہ بس سرینگر جا رہی تھی ایک لمحے کیلئے خیال آیا کہ سیدھا سرینگر جاؤں کیونکہ کافی دیر ہو چکی تھی اور پتہ نہیں اب ترال کی گاڑی ملے گی بھی کہ نہیں لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا اگر مجاہدین کو میری سستی کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچا تو میری زندگی کا کیا فائدہ.....قاری صاحب گزشتہ کل گرفتار ہوئے ہیں دشمن نے ان کی گرفتاری کا کوئی اعلان وغیرہ نہیں کیا .....کیا پتہ وہ مجاہدین کو بے خبری میں کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہو، اس لئے آج کا دن بے حد اہم ہے یہ سوچ کر میں پانپور چوک میں اتر گئی وہاں کافی دیر ترال کی گاڑی کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ یہ گاڑی سرینگر سے آتی تھی خراب موسم کی وجہ سے شام سے پہلے ہی شام ہونے کا گمان ہوتا تھا اللہ اللہ کر کے گاڑی مل گئی اور ملگجے اندھیرے میں میں نور پورہ پہنچ گئی جہاں میں پرسوں شرجیل بھائی سے ملی تھی.....گھر والوں سے معلوم ہوا کہ شرجیل بھائی دوسرے محلے میں موجود ہیں انہیں بلانے کے بجائے ان کی طرف

ایک پرچی لکھ کر بھیجی جس میں سارے واقعے کی اطلاع کوڈ ورڈ میں درج تھی جمال بھائی اس وقت کوٹ گھری کے برف پوش پہاڑوں میں بسیرا کئے تھے انہیں ساڑھے سات بجے کے رابطہ ٹائم پر اطلاع مل گئی تھی چنانچہ 30 اگست کے سانحے کے بعد مجاہدین میں ایک بار پھر زبردست ہلچل مچ گئی۔

* * *

اور قاری صاحب بھی جنت کے مکین ہوئے

دوسرے دن موسم قدرے بہتر تھا برفباری رک گئی تھی میں سرینگر واپس آ گئی سیدھا باجی والے پوائنٹ پر گئی وہاں عثمان بھائی موجود تھے انہیں کام ہونے کی اطلاع دے دی وہ اب سرینگر میں اکیلے رہ گئے تھے سو اس دن انہوں نے بھی سوپور جانے کا فیصلہ کیا تھا میں نے وہاں سے سیرت فاطمہ کو لیا اور رابعہ کے گھر آ گئی رابعہ کے گھر کا فون نمبر ان کے پاس تھا اور کسی بھی کام کے سلسلے میں وہ مجھ سے رابطہ کر سکتے تھے..... چنانچہ میں رابعہ کے گھر آ گئی دل پر قاری آصف صاحب کی گرفتاری کا شدید صدمہ تھا اور زبان پر ہر لمحہ یہ دعا رہتی تھی یا اللہ ہمارے قیدی بھائی پر رحم فرمانا انہیں دشمن کے ظلم وتشدد سے بچا اور مجاہدین کو کسی نئی آزمائش کا شکار ہونے سے بچا لے.....اور پھر اللہ رب العزت نے قاری صاحب اور مجاہدین کے ساتھ خیر و بھلائی والا معاملہ فرما دیا وہ گرفتاری کے وقت شدید زخمی ہوئے تھے اور اسی حالت میں بے ہوش ہو چکے تھے بھارتی فوج نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخل کر لیا وہ ان کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے تاکہ اُن سے تفتیش کی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروہ عزائم کو پورا ہونے کا موقعہ ہی نہ دیا اور بھائی قاری آصف شہید بے ہوشی کی حالت میں ہی خالق حقیقی سے جا ملے انکی گرفتاری کا چھٹا یا ساتواں دن تھا میں نے ریڈیو پر ایک خبر سنی.....جہلم ویلی کالج بمنہ کے پاس فوج کے ساتھ جھڑپ کے دوران زخمی ہونے والا ملی ٹینٹ (مجاہد) آج رات میڈیکل انسٹیٹیوٹ صورہ میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا..... یوں قاری محمد اقبال عرف قاری آصف المعروف صحرائی بابا شہید بھی قافلہ شہداء میں شامل ہو گئے وہ بھی ان نازک حالات میں جب مجاہدین کو ان کی سرپرستی کی اشد ضرورت تھی یہ سوچ کر دل پر ایک چوٹ لگی لیکن اس بات پر اطمینان بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کافروں کے ظلم وتشدد سے محفوظ رکھا.....مختصر سے عرصے میں دوبارہ چیف کمانڈر کی شہادت مجاہدین کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا مگر اس کے باوجود ان کے حوصلے بلند تھے کیونکہ قرآن انہیں تسلیاں دے رہا تھا کہ کبھی تو فتح مبین ملے گی اور کبھی ظاہری شکست کا سامنا کرنا پڑے گا مومن شکست کھا کر گھبراتا نہیں بلکہ اس کو فتح میں بدلنے کی تدبیر کرتا ہے ایک وہ دور تھا جب کامیابی ہر قدم پر مجاہدین کے ہمرکاب تھی اور ذلت وریخت بھارتی فوج کا مقدر تھی.....غازی بابا شہید کا دور..... بلاشبہ فتوحات کا دور تھا اور اب آزمائش کا دور شروع ہو چکا تھا بہرحال تنگی کے بعد آسانی ضرور آتی ہے مجاہدین قرآن پاک کے اس فرمان پر یقین رکھتے ہوئے ثابت قدمی کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں تھے قاری آصف شہید کا تعلق ملتان جلال پور پیروالا سے تھا اور ان کے بعد جمال بھائی کو چیف کمانڈر مقرر کیا گیا.....کچھ عرصہ بعد جب میں دوبارہ غازی بابا شہید کی قبر پر گئی تو میں نے دیکھا جیش کے شہداء کی صف میں ایک اور قبر کا اضافہ ہو گیا تھا غازی بابا، بھائی راشد اور انصار بھائی ان تینوں کے برابر اسی قطار میں ایک تازہ قبر بنی ہوئی تھی یہ جیش کے ایک اور کمانڈر قاری آصف شہید المعروف صحرائی بابا کا مرقد منور تھا چونکہ

مجاہدین اپنے پاس سول کارڈ بھی رکھتے تھے اس وجہ سے ان کی جیب میں مختلف علاقوں اور ناموں کے تین کارڈ برآمد ہوئے وہ تینوں نام ان کی قبر کے کتبے پر درج تھے

* * *

ماں ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

قاری صاحب کی شہادت سے فاطمہ کے جانے کا پروگرام وقتی طور پر کینسل ہوگیا مگر میں جانتی تھی کہ اچانک ہی دوبارہ پروگرام بن جائے گا کیونکہ جہاد میں ہر کام کے لئے وقت مقرر نہیں ہوتا بعض کام بالکل اچانک ہی ہو جاتے ہیں.....اس لئے میں اپنی تمام محبتیں اور چاہتیں فاطمہ پر لٹانے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ وہ میرے پاس اب چند دنوں کی مہمان تھی اور پھر نجانے زندگی میں دوبارہ ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں اس وقت تو میں نے یہی سوچا تھا کہ اب اس دنیا میں ہمارا ملنا ممکن نہیں ہے.....میں نے اس کی ضرورت کی چیزیں اور دیگر سفری لوازمات کی لسٹ بنائی پھر ایک دن میں رابعہ کے ساتھ لال چوک گئی وہاں سے مطلوبہ چیزوں کی خریداری کی اس دوران اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ سیرت فاطمہ اپنے بابا کی شہادت کے بعد نانی والوں سے ملی ہی نہیں حالات نے مجھے ان لوگوں کا ہوش ہی کب رہنے دیا لیکن اب چونکہ وہ جا رہی ہے اس لئے انہیں ایک بار ملا لینا چاہئے ورنہ انہیں پوری زندگی اس بات کا افسوس رہے گا..... یہ سوچ کر لال چوک سے ہی بھائی جان کو فون کیا انہیں کہا کہ پرسوں وہ امی اور باجی کو ملاقات کے لئے لے آئیں بھائی جان بہت خوش ہوئے اور بولے کہ میں انشاءاللہ انہیں پرسوں ہی لے کر آؤں گا کیونکہ وہ لوگ ملاقات کے لئے بہت بے تاب ہیں مگر میرا کوئی مستقل پتہ نہ ہونے کی وجہ سے ملنے سے قاصر ہیں اور میرے فون کا ہی انہیں انتظار تھا پرسوں یعنی تیسرے دن میں مقررہ وقت پر لال چوک میں گھنٹہ گھر کے قریب ان کا انتظار کر رہی تھی اور دل ہی دل میں اللہ پاک سے صبر واستقامت کی دعائیں مانگ رہی تھیں.....کیونکہ یہ ایسا موقع تھا جس میں صبر وضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں.....تھوڑی دیر بعد وہ لوگ مجھے دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے آنے والوں میں بڑی باجی اور دیدی تھی میری امی نہیں تھی یہ دیکھ کر دل میں ایک درد سا اٹھا لیکن میں نے خود پر قابو پا لیا میری پیاری بہنیں مجھے اس لٹی حالت میں دیکھ کر کب برداشت کرتیں مجھے گلے لگا لگا کر دونوں ادھر ہی رونا شروع ہوگئیں بھائی جان انہیں سمجھایا کہ یہ جگہ مناسب نہیں ہے لوگ دیکھ رہے ہیں فی الحال حوصلہ رکھو پھر بھائی جان ہمیں چشمہ شاہی لے گئے وہاں ان کی ڈیوٹی تھی وہ محکمہ جنگلات میں کام کرتے تھے اور چشمہ شاہی (مغل گارڈن) میں ان کا خوبصورت کوارٹر تھا انہوں نے وہاں پر تکلف کھانے کا بھی انتظام کروایا تھا وہاں ہم نے سکون سے دن گذارا اور ڈھیر ساری باتیں کیں میری بہنیں تڑپ رہی تھیں ان کے آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے اس دن پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ خون کے رشتے کیا ہوتے ہیں انہیں نہ تو فاصلے توڑ سکتے ہیں اور نہ دوریاں ان کے خلوص میں کمی لا سکتی ہیں.....نہ جانے میرے اندر اتنا حوصلہ کہاں سے پیدا ہوا کہ بجائے رونے کے میں ان کو تسلیاں دیتی رہی اور اللہ کی راہ میں قربانی دینے کا اجر وثواب بتاتی رہی میری استقامت دیکھ کر باجی بولیں شانو تم نے اتنا حوصلہ کہاں سے لایا شہباز بھائی کی شہادت نے ہماری کمر توڑ دی ہے پتہ ہے امی تو ان تین چار مہینوں میں بوڑھی ہونے لگیں ہیں وہ کہتی تھیں کہ میری بیٹی تو بہت بہادر ہے اس نے کمر باندھ لی ہوگی اور یہ صدمہ اکیلے سہہ لیا ہوگا اور تم لوگ دن رات رو رو کر ہلکان ہو رہے ہو واقعی ہم سے زیادہ حوصلہ تو تیرے اندر ہے.....اسی لمحے دل نے کہا کہ باجی سے کہوں میری بہن کاش! میں آپ کو اپنا دل چیر کر دکھا سکتی تو آپ کو پتہ چلتا کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے مگر کچھ نہ کہا ان سے فقط ماں جی کی خیریت پوچھی باجی بولیں کہ وہ آنا تو چاہ رہی تھیں مگر پھر یہ کہہ کر رک گئیں کہ میں اپنی بیٹی کو اس لٹی پٹی حالت میں نہیں دیکھ پاؤں گی.....دوسرا دیدی بہت زیادہ روتی تھیں.....امی نے ان سے کہا کہ جا کر شانو سے مل آؤ تا کہ تمہیں بھی حوصلہ ملے واقعی دیدی بہت نازک دل کی مالک تھیں.....اس ملاقات کے دوران بھی وہ مسلسل رو رہی تھیں اب تم کیا کرو گی باجی نے اچانک مجھ سے پوچھا.....وہی جو پہلے کرتی تھی جہاد کا کام کروں گی

اورانشاءاللہ شہید ہوکران سے جاملوں گی.....مگراب تو شہباز بھائی نہیں رہے اکیلی کب تک جیوگی.....وہ نہیں ہیں تو کیا ہوا جہاد تو زندہ ہے نا باجی آپ تو شروع سے میری ہمراز تھی نا.....ان کے جانے کے بعد دل کی لگی اور زیادہ بڑھ گئی ہے.....اب تو ہر پل شہادت کی آرزو میں کٹتا ہے.....میری مانو تم نکاح کرلو کسی مجاہد کے ساتھ ہی سہی پھر بے شک جہاد کا کام کرتی رہنا لیکن اس طرح اکیلی نہ رہو امی نے بھی یہی پیغام بھیجا ہے باجی کی بات سن کر مجھے جیسے کرنٹ سا لگا یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں باجی! میں تو اس چیز کا تصور بھی نہیں کرسکتی اور بھلا میں اکیلی کب ہوں سیرت فاطمہ میرے پاس ہے.....شانو تمہاری عمر ہی کیا بھلا 24 سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے تمہاری سکول کی ہم جولیوں کی ابھی تک شادیاں نہیں ہوئیں، رفیق زندگی کے بغیر زندگی کا سفر بہت دشوار ہوتا ہے باجی نے اور بھی کئی دلائل دے کر مجھے قائل کرنا چاہا اور میرا دل کرتا تھا ان سے کہوں میری پیاری بہن زندگی کس نے گذارنی ہے میں نے تو شہید ہونا ہے آپ رفیق زندگی کی بات کررہی ہیں، رفیق زندگی تو بس وہی تھا اور بس منزل کا میں نے تعین کرلیا ہے اس تک پہنچنے کے لئے کسی رفیق راہ کی بھی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے یہ سب ان کو نہیں بتایا صرف اتنا کہا کہ میں ایک ماں تو ہوں نا اگر میری کوئی اولاد بھی نہ ہوتی تب بھی میں یہ فیصلہ نہ کرتی اب تو فاطمہ میرے پاس ہے اور میں ایک بچی کی ماں ہوں.....اس وقت میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ جہادی شہید کے بعد میری زندگی میں کوئی اور آئے گا دل کو پکا یقین تھا کہ وہی ابتدا تھے وہی انتہا ہے مگر معلوم نہ تھا کہ کاتب تقدیر نے میرے مقدر میں کچھ اور ہی لکھا ہے بہرحال میں نے انہیں واضح الفاظ میں یہ نہیں بتایا کہ میرا کیا ارادہ ہے نہ ہی سیرت فاطمہ کے جانے کا بتایا اور نہ فدائی کارروائی کا.....صرف یہ کہہ کر انہیں حوصلہ دیا کہ میں اکیلی نہیں ہوں میرے بھائی (مجاہدین) ہم دونوں کا بہت خیال رکھتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی مختلف اور ہمدرد لوگ ہیں جو مجھے یہ تک کہتے ہیں ہم اپنی زمین میں سے کچھ حصہ سیرت فاطمہ کے نام کریں گے ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں بس ایک اُن کی کمی ہے جو ساری زندگی محسوس ہوتی رہے گی وہ ہمارے لئے ڈھیر ساری چیزیں لائے تھے انڈے اور بادام بھیجنا تو میری پیاری ماں کبھی بھولتی نہ تھیں باجی نے شاپر سے ایک رومال نکال کر میری طرف بڑھایا اور بولیں کہ یہ امی نے دیا ہے اور کہا ہے کہ.....اپنی ماں کی یہ نشانی رکھ لے اور مجھے اپنی کوئی نشانی بھیج دے اگر نہ ہو تو اس رومال کو اپنے چہرے پر پھیر کر واپس بھیج دینا میں اسی کو نشانی سمجھ کر رکھ لوں گی.....اف..... یہ الفاظ نشتر بن کر میرے دل میں پیوست ہوگئے اتنی محبت اتنا پیار بھلا ماں کے سوا کہاں سے مل سکتا ہے ماں میری پیاری ماں سچ مچ رحمتوں کی کہکشاں ہیں.....میں نے تمہیں دکھوں کے سوا کچھ نہ دیا آپ تو پھر بھی اپنی محبتیں مجھ پر لٹا رہی ہیں اب جب میں تمہیں ایک دائمی جدائی دے کر افق کے اس پار چلی جاؤں گی.....تب تیرا کیا حال ہوگا؟..... ماں مجھے معاف کرنا مجھے معاف کرنا رومال کو آنکھوں سے لگا کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دل پکار رہا تھا کہ..... ماں آپ سا کہاں سے لاؤں..... کہ تجھ سا کہیں جسے.....ہاں دنیا میں ہر چیز ہر رشتے کا نعم البدل ہوسکتا ہے مگر..... اے ماں! تیرا نعم البدل کوئی نہیں ہوسکتا کوئی نہیں ہوسکتا.....پھر میں نے اپنی ماں کو جہادی شہید کا دیا ہوا رومال بھیجا ان کی یادوں سے سجا ہوا اور ان ہی کی خوشبو سے مہکتا ہوا..... مجھے یقین ہے کہ انہوں نے وہ رومال سنبھال رکھا ہوگا اور میں نے بھی ممتا کی خوشبو سے مہکتا ہوا وہ رومال سنبھال رکھا ہے جس میں میری ماں نے اپنا تمام پیار اور محبتیں سمیٹ کر مجھے بھیجا تھا جب بھی اس کو دیکھتی ہوں بلکہ بہت کم دیکھتی ہوں تو ماں بہت یاد آتی ہے اور ان کی کمی ہر لمحے محسوس ہوتی ہے.....حالانکہ یہاں پاکستان میں اللہ پاک نے کئی محبت کرنے والی مائیں دی ہیں.....کئی بہنیں دی ہیں مگر جو ان کی کمی ہے اسے کون پورا کرسکتا ہے۔

* * *

عامر شہید ایک نظر میں

اس دن تاریخ 22 دسمبر تھی سوپور سے ایک مقامی ساتھی عامر بھائی نے مجھے فون کیا اور سوپور پہنچنے کا کہہ دیا یہاں آگے بڑھنے سے قبل اس عزم واستقلال کے پیکر نوجوان عامر شہید کا مختصر سا تذکرہ کروں گی.....بعض لوگ اتنے عظیما لمرتبت ہوتے

ہیں انسان خود بخود ان کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوتا ہے عامر بھائی بھی ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جن کے روشن کردار کا تذکرہ کئے بغیر مجھے داستان کو آگے بڑھانا مناسب نہ لگا.....غلام رسول عرف عامر کا تعلق سوپور کے علاقے جاگیر سے تھا یہ دریائے جہلم کے کنارے پر آباد ایک خوبصورت گاؤں ہے اسیر ہند بھائی محمد افضل گورو کا تعلق بھی اس علاقے سے ہے جو اس گاؤں کا سب سے بڑا اعزاز ہے.....عامر بھائی کے گھر میں ان کے بوڑھے والدین، دو جوان بہنیں اور ایک بیمار بھائی رہتا ہے ان سب کی کفالت کا بوجھ تقریباً عامر بھائی کے کندھوں پر ہی تھا ان سب ذمہ داریوں کے باوجود انہوں نے فریضہ جہاد سے ذرا بھی غفلت نہیں برتی اور سول انداز میں مجاہدین کے ساتھ کام کرتے رہے یہاں تک کہ مجاہدین نے ان کے اخلاص اور صلاحیتوں کو مدنظر رکھ کر انہیں انڈیا کے اندر کام کرنے کی اہم ذمہ داری سونپ دی جسے عامر بھائی نے آخری دم تک بخوبی نبھایا وہ جرات وشجاعت کا پیکر اللہ پاک کا سچا عاشق انتہائی پستہ قامت اور سانولی رنگت کا مالک تھا قد بمشکل 3 سے 4 فٹ تھا یہاں تک کہ راہ چلتے بچے انہیں یہ کہہ کر چھیڑتے .....نیوک مونہینو، نیوک مونہینو .....یعنی چھوٹا آدمی، چھوٹا آدمی.....مگر وہ عجز وانکساری کا پیکر کبھی اف تک نہ کہتے اور مسکرا کر گذر جاتے تھے.....کون جانتا تھا کہ اس چھوٹے آدمی کے نصیب بہت بلند ہیں اور ایک دن وہ کئی قد آور لوگوں پر سبقت لے جائے گا اور شہادت کی اعلیٰ وارفع منزل پائے گا.....انہوں نے نہ صرف اپنی جان بلکہ گھر بھی جہاد کے لئے وقف کر رکھا تھا حتیٰ کہ جب کوئی مجاہد ان کے گھر جاتا گھر والے خوشی سے پھولے نہ سماتے اور مجاہدین کے اکرام میں عمدہ کھانا پکاتے عامر بھائی اکثر انڈیا میں لمبے لمبے اسفار پر ہوتے اور کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے بالآخر اس بات سے دشمن کو شک ہوا اور ان کی اصلیت جاننے کے بعد بھارتی فوجی آئے روز گھر پر چھاپے مارنے لگے گھر والوں کو مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جانے لگا لیکن وہ عظیم مجاہد اور اس کے گھر والے دونوں ثابت قدمی سے ڈٹے رہے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دشمن کو عامر بھائی کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا چنانچہ ایک دن انہوں نے پورے لاؤلشکر سمیت ان کے گھر پر دھاوا بول دیا گھر والوں کو ٹھٹھرتی سردی میں گھر سے نکال باہر کیا اور خود گھر پر قبضہ جما لیا اب عامر کے بوڑھے والدین اور جوان بہنیں ٹھٹھرتی سردی میں دریائے جہلم کے کنارے کھلے آسمان تلے رہنے پر مجبور تھے بھارتی فوج کا مطالبہ تھا کہ عامر کو سرنڈر کرنے کا کہو تو جان چھوٹ جائے گی مگر گھر والوں نے عامر بھائی پر کوئی دباؤ نہ ڈالا اور استقامت کے کوہ گراں عامر بھائی بھی اپنے بوڑھے والدین پر یہ آزمائش دیکھ کر ذرا بھی نہ گھبرائے بلکہ انہیں صبر کرنے کی تلقین کرتے رہے..... بالآخر وقت آ گیا جب انہیں اپنی مشقتوں کا صلہ پانا تھا سال 2006 میں وہ ایک ساتھی بھائی بشارت (مانسہرہ) کے ساتھ جموں میں کسی اہم مشن پر تھے وہ ایک ہوٹل یا کرائے کے کمرے میں تھے دشمن کو اطلاع مل گئی اور مجاہدین کو گھیر کر سرنڈر کرنے کا حکم دیا اللہ کے شیروں نے بزدل بنیے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دونوں مجاہد مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے ان کی شہادت کی خبر جب مجھے ملی تب میں کشمیر کی سرزمین سے بہت دور تھی عامر شہید کا سراپا کئی دن تک میری نگاہوں میں رہا دل چاہتا تھا یہ زمین سمٹ جائے فاصلے مٹ جائیں اور میں اس عظیم مجاہد کے والدین کو مبارکباد دوں اور عامر بھائی کی قبر پر جا کر صرف اتنا کہوں کہ..... عامر بھائی آج اللہ پاک نے آپ کو اتنا بلند کیا ہے کہ عام لوگ اس بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتے کتنے ہی قد آور لوگ سوچتے ہی رہے اور آپ راہ وفا کی منزل پا گئے۔

* * *

فاطمہ کی روانگی

چنانچہ اس روز عامر بھائی نے مجھے علی الصبح سوپور پہنچنے کا پیغام دیا تو مجھے ایک دم ادراک ہوا کہ شاید اب فاطمہ نے جانا ہوگا میں نے اسی حساب سے تیاری کر لی رابعہ نے میری تیاری میں مدد کی اور ساڑھے دس بجے مجھے سوپور والی گاڑی پر بٹھایا وہ سب گھر والے گاڑی تک فاطمہ کو چھوڑنے بھی آئے تھے اور بعد میں یہ ملاقات آخری ثابت ہوئی.....گاڑی پارم پورہ سے گذرنے

لگی جہادی شہید کے مزار پر کھڑا چنار کا درخت دور سے نظر آ رہا تھا انہیں چلتے چلتے سلام بھیجا اور فاطمہ کے جانے کا بتایا ہاں کس کو خبر تھی کہ ہم لوگ اس طرح بکھر جائیں گے.....سوپور میں عامر بھائی، حیدر بھائی اور عثمان بھائی ہمارا انتظار کر رہے تھے وہاں سے ہم لوگ ''جاگیر'' عامر بھائی کے گھر چلے گئے مجھے بتایا گیا کہ کل سیرت فاطمہ کی روانگی ہے دل ایک دم بجھ سا گیا اور کوئی جواب نہ دیا مجھے خاموش دیکھ کر عامر بھائی بولے دیدی سیرت فاطمہ کی جدائی پر ہمارے دل کس قدر افسردہ ہیں ہم بتا نہیں سکتے کیونکہ یہ ہمارے استاد جی کی نشانی ہے آپ تو پھر ماں ہیں لیکن انشاء اللہ یہ قربانیاں آپ کو آخرت میں کام آئیں گی میرا دل اندر سے لہولہان ہو رہا تھا اور کچھ کہنے کے لئے اپنے اندر حوصلہ جمع کر رہی تھی میری سماعتوں میں جہادی شہید کی آواز گونجنے لگی مجاہد تربیت کے بعد حلف اٹھاتے ہیں.....کیا تم حلف اٹھاؤ گی؟.....اور میرے ہاں کہنے پر انہوں نے کہا تھا کہ قرآن اور کلاشن کو گواہ بنا کر اللہ سے کیا ہوا عہد ہر حال میں نبھانا پڑے گا چاہے تمہاری ذات یا گھر والوں پر کتنے ہی مصائب و آلام کیوں نہ آئیں اس لئے سوچ کر سمجھ کر فیصلہ کرنا.....ہاں اے شہید میں اپنا عہد ضرور نبھاؤں گی تا عمر نبھاؤں گی میں نے دل ہی دل میں انہیں پکارا اور میری آنکھیں بھر آئیں دیدی آپ کیا سوچ رہی ہو؟.....عامر بھائی کی آواز پر میں جیسے خواب سے بیدار ہوگئی سوچنا کیا ہے بھائی سوچ سمجھ کر ہی تو فیصلہ کیا ہے میں نے بچپکی مکمل تیاری کر لی ہے لیکن میں آخری مقام تک اس کے ساتھ جانا چاہتی ہوں میرے آخری جملے پر وہ سوچ میں پڑ گئے کیونکہ اس کام کے لئے انڈیا کے اندر جانا تھا.....مرکز نے بیس کیمپ سے اس کام کے لئے جو بندہ بھیجا تھا وہ تقریباً دس دنوں سے دہلی میں انتظار کر رہا تھا قاری صاحب کی شہادت کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوئی اور اس کا مزید وہاں ٹھہرنا مناسب نہ تھا اس لئے عثمان بھائی اور جمال بھائی مل کر اس کام کو جلد از جلد نمٹانا چاہتے تھے بہر حال کافی بحث و مباحثے کے بعد وہ لوگ میرے جانے پر رضامند ہوئے اور اگلی صبح روانگی کا پروگرام طے ہوا پروگرام طے کرنے کے بعد میں قریبی پی سی او پر گئی تا کہ نصرت کو فون پر اطلاع دوں کیونکہ اس نے میرے ساتھ جانا تھا کافی کوشش کے باوجود رابعہ کے گھر کا نمبر نہ مل سکا مجبوراً عامر بھائی کی بہن کو تیار کیا کیونکہ عامر بھائی بھی ساتھ جا رہے تھے صبح یعنی 23 دسمبر 2003 کو ہم لوگ روانہ ہونے لگے تو سارے گھر والے رو رہے تھے سفر طویل اور پر خطر تھا ان کے بوڑھے والدین رو رو کر ہمارے لئے دعائیں کر رہے تھے عثمان بھائی اور حیدر بھائی سوپور چوک تک ہمیں رخصت کرنے آئے وہ دونوں بھی افسردہ اور مغموم سے دکھائی دے رہے تھے ہم لوگ گاڑی میں بیٹھے جانے کیا ہوا سیرت فاطمہ رونا شروع ہوگئی کہ چپ ہونے میں نہیں آ رہی تھی گاڑی کے چلنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا دونوں بھائی باری باری اسے گود میں اٹھا کر دوکان سے مختلف چیزیں لے کر دیتے تھے مگر اس کا دل کسی چیز سے نہ بہلتا تھا اور وہ مسلسل روئے اور چیخے جا رہی تھی جیسے اس کو اندازہ ہو گیا ہو کہ وہ جدائیوں کے سفر پر روانہ ہو رہی ہے اب وہ کشمیر سے، ماں سے اور اپنے بابا کی قبر سے ہمیشہ کے لئے دور جا رہی ہے.....اس صورتحال نے سب کو بے حد پریشان کر دیا آخر کار گاڑی چل پڑی کافی دور تک وہ یوں ہی روتی رہی بالآخر چپ ہوگئی.....عامر بھائی کی ہمشیرہ دل کی مریضہ تھیں اور اتنا لمبا سفر کرنا ان کے لئے مناسب نہ تھا اس لئے سرینگر پہنچ کر میں نے ایک بار پھر نصرت کو فون کیا کیونکہ اداسیوں کے اس سفر میں مجھے اس کا ساتھ زیادہ موزوں لگا خوش قسمتی سے وہ اس وقت رابعہ کے گھر موجود تھی میں نے جوں ہی اس کو یہ بات بتائی وہ فوراً بولی آپ بٹہ مالو سے لال چوک پہنچ جاؤ اتنی دیر میں میں بھی پہنچ آؤں گی مجھے اس کی بات سن کر بہت خوشی ہوئی اور اپنی اس مخلص سہیلی کے لئے دل سے دعا نکلی جس نے ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ نبھایا.....عامر بھائی کو نصرت کی آمد کا بتایا انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو بٹہ مالو سے دوسری گاڑی پر بٹھا کر واپس سوپور بھیج دیا.....اس کے بعد ہم لال چوک گئے اور جب تک جموں کی ٹکٹیں وغیرہ لیں اس وقت تک نصرت بھی آ گئی اور ہم جموں کے لئے روانہ ہو گئے شام تک جموں پہنچے وہاں ٹھہرے بغیر دہلی کا ٹکٹ لیا اور اگلے دن صبح سویرے دہلی پہنچے سب سے پہلے ایک ہوٹل میں رہائش کا انتظام کیا تھوڑی دیر آرام کیا قضاء نمازیں ادا کیں اور پھر ظہر کی نماز کے بعد متعلقہ ساتھی ذیشان بھائی سے رابطہ کرنے کے لئے ایک پی سی او میں چلے گئے ان کا موبائل نمبر ملایا مگر رابطہ قائم نہ ہو سکا شام تک کئی بار کوشش کرتے رہے مگر بے سود دوسرے دن بھی رابطہ نہ ہوا تو ہم سخت پریشان ہو گئے بالآخر کئی دعاؤں کے بعد تیسرے دن ان کا نمبر مل گیا اور سہ پہر 3 بجے جامع مسجد دہلی کے پاس ملاقات کا

طے ہوا ظہر کی نماز ہم نے مسجد کے اندر ہی پڑھی اور اس مقام پر جا کھڑے ہوئے جہاں ذیشان بھائی نے آنا تھا لیکن مقررہ وقت پر وہ نہ آئے تو ہمیں فکر لاحق ہوئی یا اللہ کہیں کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہے.....اس دوران ایک اجنبی آدمی ہمارے قریب آ کھڑا ہوا سانولی رنگت والا وہ نوجوان مسلسل ہماری طرف دیکھ رہا تھا ہم تذبذب میں پڑ گئے کہ کہیں یہ ذیشان بھائی تو نہیں؟..... ہمارے پاس ان کی کوئی شناختی علامت نہ تھی سوائے ایک فون نمبر کے اور ایک کوڈ ورڈ کے.....عامر بھائی اس کے قریب گئے اور سلام کیا اس آدمی نے مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ سرینگر سے عامر بھائی نے صاف جواب دیا کیونکہ ہم لوگ دور سے ہی کشمیری لگتے تھے اس سوال و جواب کے بعد وہ خاموش ہوا کوڈ وغیرہ نہیں دہرایا.....عامر بھائی ٹہلنے کے انداز میں واپس آئے اور ہمیں ذرا فاصلے پر کھڑا ہونے کا کہہ دیا وہ شخص اپنی جگہ پر کھڑا اسی انہماک سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا اس کا انداز ہمارے لئے الجھن کا باعث بن رہا تھا ہم اس جگہ کو چھوڑ بھی نہ سکتے تھے کیونکہ ذیشان بھائی نے اُدھر ہی آنا تھا لیکن وہ اتنی تاخیر کیوں کر رہے ہیں؟ یہ بات الگ سے پریشانی کا باعث تھی..... مجھے تو لگتا ہے یہی ذیشان بھائی ہیں میں ذرا اس کو پھر ٹٹولتا ہوں عامر بھائی دوبارہ اس آدمی کے پاس جانے لگے مگر میں نے انہیں روکتے ہوئے کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں ابھی پتہ چل جائے گا کہ یہ کون ہے آپ اس پر نظر رکھیں میں ابھی آتی ہوں میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی اور میں تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی..... باب الاول کے سامنے ہی ایک پی سی او تھا وہاں سے میں نے ذیشان بھائی کا نمبر ملایا تھوڑی دیر بعد کال ریسیو ہوئی دوسری طرف ذیشان بھائی کی آواز آئی آپی میں ذرا لیٹ ہو گیا بس دس منٹ تک پہنچ آؤں گا فون بند کر کے میں جلدی سے اوپر جانے لگی نہ جانے وہ آدمی کون ہے ہمارے ساتھ اسے کیا دلچسپی ہے جو وہ ہمیں یوں گھور گھور کر دیکھ رہا ہے کہیں وہ کوئی مخبر تو نہیں؟ خوف کی ایک لہر میرے اندر دوڑ گئی ہمیں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ ہم ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں کی ہر شے ہماری دشمن تھی اور انڈیا میں مسلمانوں بالخصوص کشمیریوں کو کس قدر تعصب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کی چند جھلکیاں اگلے ابواب میں نظر آئیں گی.....ہم غیر محسوس انداز میں اس جگہ سے دور ہٹ گئے کچھ دیر بعد وہ آدمی بھی وہاں سے چلا گیا تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی اس جگہ آ کے کھڑا ہو گیا ہم پر نظر پڑتے ہی وہ ہماری طرف آ گئے سلام و دعا کے بعد انہوں نے مخصوص کوڈ دہرایا اور فون کال کا حوالہ بھی دیا اس طرح ہم نے انہیں آسانی سے پہچان لیا..... بچی کو دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوئے کہنے لگے اتنی چھوٹی بچی کو لے کر جانا بہت مشکل ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ کوئی سات آٹھ سال کی بچی ہو گی کیا اس کی والدہ ساتھ نہیں آئیں؟..... جی میں اس کی والدہ ہوں میں نے جواب دیا اور کہا بے شک بچی چھوٹی ہے لیکن ماشاءاللہ سمجھدار اور سلجھی ہوئی ہے آپ کو کسی معاملے میں تنگ نہیں کرے گی.....آپی وہ سب ٹھیک ہے لیکن آگے کم از کم 36 گھنٹوں کا سفر ہے یہ میرے ساتھ مانوس بھی نہیں ہے میرے خیال میں یہ گھبرا جائے گی آپ تھوڑا آگے تک ساتھ چلیں اس دوران بچی کو اپنے ساتھ مانوس کرنے کی کوشش کروں گا ہم لوگ صرف دہلی تک کا سوچ کر آئے تھے مگر چونکہ یہ کوئی سامان نہ تھا میری اولاد تھی اس لئے میں نے کہہ دیا.....ٹھیک ہے بھائی جان جہاں تک میرا جانا ممکن ہو میں ساتھ چلوں گی میں کب چاہتی تھی کہ جدائی کی گھڑی قریب آئے دل تو یہ چاہتا تھا کہ وقت تھم جائے اور قیامت خیز گھڑی دور ہی دور ہوتی جائے اگلے دن نئے سفر کی ترتیب طے کر کے ہم لوگ جدا ہو گئے۔

* * *

وہ ایک سجدہ

عصر کی نماز ہم نے جامع مسجد میں ہی ادا کی عامر بھائی مردانہ حصے میں نماز پڑھنے چلے گئے مسجد میں کافی چہل پہل اور رونق تھی دہلی کی مسلمان بہنیں جوق در جوق نماز کے لئے آ رہی تھیں اور زنانہ حصے میں نماز ادا کر رہی تھیں.....نصرت نے پہلے نماز پڑھی اور پھر سیرت فاطمہ کو دیکھنے لگی کیونکہ وہ ایک جگہ ٹکتی کب تھی اور مسجد میں کافی رش تھا اس کے بعد میں نماز پڑھنے کے

لئے مسجد کے ایک کونے میں چلی گئی وہ وقت، وہ نماز ہمیشہ یاد رہتی ہے دسمبر کی ٹھنڈی ہوائیں، ڈوبتی شام کا منظر اور مسجد کے خوبصورت اور روشن میناروں سے گونجتی اللہ اکبر کی صدائیں دل میں ایک عجیب ہلچل مچا رہیں تھیں..... مسجد کے صحن میں کبوتروں کے غول اتر رہے تھے اور سیرت فاطمہ ان کو بھاگ بھاگ کر اڑا رہی تھی اور پھر خوشی سے قہقہے لگا رہی تھی بہت ہی دلکش مناظر تھے لیکن ان سب دلفریب مناظر سے ہٹ کر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھی ایک غمگین مسافر..... جو اپنے وطن سے دور بہت دور اپنی زندگی کی کل متاع کسی کو سونپنے آئی تھی اس کے دل کو کچھ بھی نہیں بھا رہا تھا..... وہ اپنے رب کے حضور سر جھکائے جانے کیا کیا مانگ رہی تھی تڑپتے سجدے، مچلتی دعائیں اور آنکھوں میں دریاؤں کی سی طغیانی لئے وہ اپنے مالک وخالق کو اپنا درد دل سنا رہی تھی ہاں خلوص دل سے کئے ہوئے سجدے کبھی رائیگاں نہیں جاتے وہ ایک سجدہ ایسا تھا کہ سر اٹھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا دل کرتا تھا یوں ہی سجدے میں پڑی رہوں اور اپنے اللہ سے بار بار یہ فریاد کروں..... اے اللہ اے میری تنہائیوں کے رفیق تو نے ہر قدم پر میری دستگیری کی مجھے سہارا دیا ورنہ میں کیا میری اوقات کیا ہے..... اے میرے مہربان رب مجھے تھام لے اپنی رحمت سے تھام لے مجھے اماں خنساء جیسی ہمت عطا فرما پہاڑوں جیسا حوصلہ عطا فرما میں کمزور ہوں ناتواں ہوں مجھے قوت عطا فرما اور میرے دل پر سکینہ نازل فرما آمین..... دعا مانگ کر دل کو سکون سا ملا اور میں خود کو ہلکی پھلکی محسوس کرنے لگی جیسے میں نے اپنے سارے غم اپنے رب کے حوالے کئے ہوں۔

* * *

آخری منزل کی طرف

واپس ہوٹل میں آ کر کل کے سفر کی تیاری کر لی کیونکہ صبح سویرے ہم نے نکلنا تھا فجر کی نماز کے بعد ہی ہم نے ہوٹل چھوڑا اور ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے وہاں ذیشان بھائی ٹکٹوں سمیت موجود تھے سات بجے ہم لوگ بذریعہ ٹرین دہلی سے روانہ ہوئے ایک انجانے سفر اور انجانی منزلوں کی جانب یہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا ہم نے زندگی میں پہلی بار اتنا طویل اور تھکا دینے والا سفر کیا تھا مسلسل برقعے میں ہونے کی وجہ سے ہمارے سر درد کرنے لگے دوسری پریشانی یہ تھی کہ ہمیں جگہ جگہ متعصب ہندوؤں کی خونخوار نظروں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا جو ہمارے برقعوں کی وجہ سے اندر ہی اندر جل بھن رہے تھے..... ذیشان بھائی نے ہمیں پہلے ہی یہ بات بتائی تھی کہ یہ ہندو برقعہ پوش خواتین پر بہت غصے ہوتے ہیں ہم نے بھی صاف کہہ دیا کہ ہم برقعے کے بغیر چل ہی نہیں سکتیں یہ ہماری مجبوری ہے اس لئے نہ تو ہم گاؤن اتاریں گی اور نہ ہی نقاب کھولیں گی ہندوؤں کو اگر مسلمانوں اور اسلام سے اتنی ہی نفرت ہے تو کشمیر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے کشمیر ازل سے ہی مسلمانوں کا وطن رہا ہے اس کے بعد ذیشان بھائی نے دوبارہ اس موضوع پر بات ہی نہ کی..... چونکہ سردیوں کا موسم تھا اس لئے انڈیا میں کافی ٹھنڈ تھی ہمارے سفر کے دوران رم جھم بارش برسنے لگی سفر بخوبی کٹ رہا تھا اس دوران ذیشان بھائی فاطمہ کی ایک ایک بات کا جائزہ لے رہے تھے مثلاً کھانے پینے اور سونے کے معاملے میں وہ ہر بات کو غور سے دیکھتے رہے مختلف اسٹیشنوں پر جب ٹرین رکتی تو وہ اسے چیز لینے کے بہانے باہر لے جاتے رفتہ رفتہ وہ ان سے کسی قدر مانوس ہوگئی اور انہیں ماموں کہہ کر پکارنے لگی دو دن اور ایک رات کے تھکا دینے والے سفر کے بعد ہم ایک مقام پر اترے وہاں بھی بدستور بارش ہو رہی تھی ٹرین سے اتر کر ہم ایک میدان سے گذرنے لگے ہم لوگ اسٹیشن سے باہر جا رہے تھے سامنے اسی راستے سے ہندو گنڈوں کا ایک گروپ چلا آ رہا تھا انہوں نے ماتھے پر بڑے بڑے تلک سجائے ہوئے تھے ایک کے ہاتھ میں لمبا سا ترشول تھا ترشول ایک قسم کا جنگی ہتھیار ہے جو پرانے دور کی جنگوں میں استعمال کیا جاتا تھا..... نہ جانے وہ کون لوگ تھے لیکن ان کے تیور دیکھ کر مجھے لگا کہ یہ آتے ہی ہم پر حملہ آور ہونگے ذیشان بھائی چونکہ انہی کے ہم وطن اور ہم زبان تھے اس بات سے دل کو کچھ اطمینان تھا وہ گنڈے ہمارے قریب پہنچے تو زور زور سے چلانا شروع کیا..... کالی ماتا کی جے..... کالی ماتا کی جے..... معلوم نہیں کہ وہ ہمارے کالے برقعوں کی وجہ سے ہم

پر طنز کر رہے تھے یا واقعی کالے برقعے دیکھ کر انہیں اپنی کالی ماتا کا کالا منہ یاد آ گیا تھا بہر حال مجھے ان کی حرکت پر بہت غصہ آیا یہ ایک فطری بات ہے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی کمزور ایمان والا کیوں نہ ہو اس کے سامنے جب غیر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور دینی حمیت و غیرت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ ان کافر مشرک ہندوؤں کی بکواس سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے موقعہ محل دیکھے بغیر بلند آواز سے کہا نعرہ تکبیر.....اللہ اکبر.....دونوں بھائی ششدر رہ گئے اور حیرانگی کے عالم میں میری طرف دیکھنے لگے دیدی آپ کو کیا ہوا کیا آپ کو اندازہ نہیں ہم اس وقت کہاں ہیں ان ہندوؤں کو مسلمانوں کو ستانے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے..... عامر بھائی کی بات سن کر مجھے احساس ہوا کہ واقعی میں نے جذبات میں آ کر خطرناک اقدام کیا ہے اگر لڑائی جھگڑے کی نوبت آتی تو ہم لوگ ان گنڈوؤں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جبکہ ہم نہتے ہیں اور وطن سے دور بھی ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ لوگ کھڑے غیض وغضب کی حالت میں ہماری طرف دیکھ رہے تھے ذیشان بھائی نے ہمیں تیز چلنے کا کہا بالآخر ہم باہر نکل کر رش والے علاقے میں داخل ہو گئے..... بارش اب بھی موسلا دھار برس رہی تھی بھائی ہمیں ایک دوکان کی آڑ میں کھڑا کر کے خود گاڑی لینے چلے گئے میں فاطمہ کو گود میں لئے اس اجنبی شہر، اجنبی لوگوں اور انجانے راستوں کو دیکھ رہی تھی وہ بالکل الگ ماحول الگ ثقافت اور مختلف رنگ ونسل کے لوگ تھے یہ سوچ کر میرا دل لرز گیا میں فاطمہ کو اس پردیس میں کیسے چھوڑ جاؤں کشمیر سے ہزاروں میل دور اس شہر میں میرا دل گھبرانے لگا تھا یہ اس ماحول میں ان انجانے لوگوں میں کیسے رہ پائے گی؟.....فکر نہ کرو اس نے کون سا یہاں رہنا ہے چند دنوں کی بات ہے پھر یہ پاکستان اپنوں میں جائے گی وہاں اس کو بہت پیار ملے گا نصرت نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا.....ہاں نصرت تم سچ کہتی ہو وہ لوگ اس کو بہت پیار دیں گے بہت خوشیاں دیں گے وہ تمام خوشیاں بھی جو میں اسے کشمیر کی وادی پرخار میں دینے سے قاصر تھی وہاں یہ خوب آزادی سے کھیلے گی وہاں کوئی اس سے اس کی معصوم خوشیاں نہیں چھینے گا.....میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں مجھے وہ وقت یاد آیا جب وہ باہر جا کر بچوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے ضد کرتی مگر اسے اس کی اجازت نہ ملتی کیونکہ ہم لوگ خفیہ جو رہتے تھے اس لئے یہ بھی ہمارے ساتھ قید و بند کی زندگی گذارنے پر مجبور تھی ایک مرتبہ وہ اچانک رابعہ کے بھتیجوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے گیٹ سے باہر نکلی تو آنٹی جھپٹ کر اسے واپس اندر لے آئیں پھر اس کو پیار کرتے ہوئے رو پڑی میری بچی تم باہر جا کر نہیں کھیل سکتی کیونکہ تم مجاہد کی بیٹی ہو.....اس طرح کے کئی واقعات یاد کر کے میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ چلو کم سے کم وہاں آزادی سے تو کھیلے گی نا اور انشاءاللہ باعزت زندگی گذارے گی اس کے بابا جب باہر جانے لگتے تو وہ اسی طرح ان کے ساتھ جانے کی ضد کرتی جہادیؒ اس کی معصوم ضد دیکھ کر مجھے کہتے سعدی! اس کو جاتے وقت میرے سامنے نہ لایا کرو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے پھر وہ اسے محبت سے گلے لگاتے اور کہتے جب ہم آپ کی دادی امی کے پاس جائیں گے پھر میں اپنی بیٹی کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر خوب سیر کراؤں گا۔

* * *

جدائی کا کربناک منظر

بھائی گاڑی لے کر آ گئے تھے اور آدھے گھنٹے کے بعد کار ایک خوبصورت مکان کے سامنے جا کر رک گئی ہم اندر داخل ہوئے ایک نوجوان خاتون جو ساڑھی پہنے ہوئی تھیں نے ہمارا استقبال کیا وہ ذیشان بھائی کے کوئی عزیز تھے انہوں نے ہماری خوب خاطر تواضع کی سب سے پہلے ہم نے نماز ظہر ادا کی پھر کھانا کھایا اس کے بعد ذیشان بھائی نے بچی کو تیار کرنے کا پیغام بھیجا میں فاطمہ کا الگ بیگ تیار کرنے لگی وہ اس وقت بلیوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر سب کو ہنسا رہی تھی گول مٹول سرخ وسفید رنگ کی وہ گڑیا سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی سب لوگ اس کی معصوم شرارتوں سے محظوظ ہو رہے تھے لیکن اس کی یہ ادائیں میرے دل کو تڑپا رہی تھیں وہ چند لمحوں کے بعد مجھ سے جدا ہونے والی تھی وہ ایسے غمناک لمحات تھے جن کو لفظوں میں بیان کیا ہی نہیں جا سکتا.....وہاں پر کچھ اور لوگ بھی ذیشان بھائی سے آ ملے ان میں سے ایک بھائی کی والدہ بھی ان کے ہمراہ تھیں شاید آگے کا سفر

فاطمہ نے انہی خاتون کے ساتھ کرنا تھا ہمیں ان لوگوں کی زبان سمجھ نہیں آ رہی تھی نہ ہی وہ لوگ اردو سمجھتے تھے یہاں تک کہ پانی کے لئے بھی گلاس کی طرف اشارہ کر کے مانگنا پڑتا تھا..... سیرت فاطمہ کا بیگ تیار کرتے ہوئے میں چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھی اور ساڑھی میں ملبوس وہ ادھیڑ عمر خاتون نہ جانے کب سے میری بے قراری دیکھ رہی تھیں وہ آخر ماں تھیں ایک ماں کے جذبات کا انہیں کیسے احساس نہ ہوتا چنانچہ وہ ماں میرے قریب آئیں اور مجھے گلے سے لگا کر زار و قطار رونے لگیں میرے آنسو پونچھتے ہوئے وہ مجھ سے بہت کچھ کہہ رہی تھیں جس میں سے مجھے صرف لفظ اللہ اللہ کی سمجھ آ رہی تھی شاید وہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ غم نہ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے جدائی کا وہ منظر اتنا کربناک تھا کہ عورتیں تو عورتیں مرد بھی رو پڑے..... میں سیرت فاطمہ کو لے کر گھر کے ایک تنہا گوشے میں چلی گئی تا کہ اسے جی بھر کر پیار کر لوں مجھے زار زار روتے بے تحاشہ محبت کرتے دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی پھر اپنے ننھے منھے ہاتھوں سے میرے آنسو پونچھتے ہوئے خالص کشمیری زبان میں ایک جملہ کہا جس کا مطلب تھا..... ماں چپ ہو جاؤ میں صدقے جاؤں..... اس جملے نے میرا دل چھلنی کر دیا اس وقت وہ ایک سال اور آٹھ ماہ کی تھی اپنے بابا کی شہادت کے وقت تو وہ بہت چھوٹی سی تھی صرف ایک سال چار ماہ کی اس کے باوجود وہ ہر بات کو سمجھتی تھی کیونکہ ذہانت تو اسے اپنے بابا سے ورثے میں ملی تھی چنانچہ اُس وقت بھی اگر اسے محسوس ہوتا کہ ماں جی رو رہی ہیں تو وہ اپنا کھیل چھوڑ کر میرے پاس آتی اور انہی الفاظ میں مجھے حوصلہ دیتی ماں چپ ہو جاؤ میں صدقے جاؤں اس کے چہرے سے ایسا لگتا جیسے میرا رونا اسے تکلیف دے رہا ہو تب مجھے خیال آتا کہ میں اکیلی کب ہوں جہادی میرے ساتھ ہے فاطمہ کے روپ میں پھر میں جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیتی تھی..... مگر آج اس جملے نے جیسے میرے دل میں آگ سی لگا دی کیونکہ معصوم محبت میں گندھا ہوا یہ جملہ اب میں دوبارہ نہیں سن سکتی فاطمہ اب جا رہی ہے اور اب میں اس کو جیتے جی کبھی دیکھ نہیں پاؤں گی..... اب جدائی کی گھڑی بالکل قریب آ گئی تھی عامر بھائی نے ہمیں اطلاع دی کہ فوراً تیاری کر لیں ہم سب اکٹھے نکل جائیں گے ہم لوگ رات کی ٹرین سے واپس دہلی جائیں گے اور ساتھی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوں گے میں نے جلدی سے جائے نماز بچھائی تا کہ دو رکعت نفل ادا کروں نماز کے دوران بھی آنسو میرے چہرے کو تر کر رہے تھے دل کا یہ حال تھا گویا سینے سے باہر آنے کے لئے مچل رہا ہو..... درد دل میں ڈوبی ہوئی وہ ایک دعا جسے میں بار بار اور تڑپ تڑپ کر دہرا رہی تھی اسے شاید اسی وقت شرف قبولیت بخشا گیا تھا مجھے اپنی اتنی فکر نہ تھی جتنی کہ فاطمہ کی اگر میری جدائی نے اسے پریشان کیا تو اس معصوم کا کیا بنے گا بس یہ فکر مجھے کھائے جا رہی تھی..... اپنی مجھے کوئی پروا نہ تھی کیونکہ میں نے اپنی ہر قیمتی اور عزیز چیز اللہ کی راہ میں قربان کر کے بالآخر اپنی جان قربان کرنے کی بھی ٹھان لی تھی اور جب انسان اپنی جان قربان کرنے کا فیصلہ کرتا ہے پھر تمام مشکلیں خود بخود آسان ہوتی نظر آتی ہیں..... چنانچہ میں نے اپنے اللہ سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی..... اے اللہ اے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرنے والے میری بچی کو کبھی میری کمی محسوس نہ ہونے دینا اس کے دل سے میری ہر یاد بھلا دینا تا کہ یہ میری یاد میں کبھی نہ روئے..... یا اللہ میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا تیرے سپرد کیا ہے بے شک تو سب سے بڑھ کر امانت دار ہے

تیرا غم بھی کرم ہے مولا مگر اتنا غم نہ دے
کہ آنکھوں سے بار اشک اٹھانا محال ہو

میں نے پہلے ہی حضرت امیر محترم کے نام ایک خط لکھ رکھا تھا جس میں لکھا تھا بچی کو اللہ تعالیٰ کے بعد ان کے حوالے کیا اور اسکی تعلیم و تربیت کا انہیں مکمل اختیار دیا وہ خط میں نے ذیشان بھائی کے حوالے کیا لیکن بدقسمتی سے وہ خط پہنچانا بھول گئے اور ایک عرصے بعد وہ واپس میرے پاس آیا..... اب ہم لوگ باہر سڑک پر آ گئے عامر بھائی، میں اور نصرت ہم تینوں کو انہوں نے ایک موٹر رکشہ پر بٹھایا باقی لوگ نیچے کھڑے تھے سیرت فاطمہ اس وقت میری گود میں تھی اب ذیشان بھائی نے اسے بلایا تو وہ میرے ساتھ چمٹ گئی عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کسی بھی ایسے بندے کے ساتھ خوشی سے چلا جاتا ہے جو باہر جا رہا ہو چونکہ ہم لوگ رکشے میں تھے اور وہ لوگ نیچے کھڑے تھے یہ دیکھ کر اس نے ذیشان بھائی کے پاس جانے سے صاف انکار کر دیا اگر وہ لوگ ہم سے ذرا پہلے نکل جاتے تو شاید وہ بخوشی ان کے ساتھ چلی جاتی جیسے ذیشان بھائی اسے چیزی لینے کے بہانے اکثر ساتھ لے

جاتے تا کہ وہ ان سے مانوس ہو جائے اور ان دنوں میں وہ کافی حد تک ان کے ساتھ مانوس ہو چکی تھی.....مگر جو ترتیب انہوں نے بنائی وہ بالکل نا معقول تھی نتیجہ یہ نکلا کہ جب انہوں نے فاطمہ کو زبردستی میری گود سے لے لیا تو وہ زور زور سے رونا شروع ہوگئی میرے ہاتھ میں کچھ پیسے تھے جو میں اس کو پکڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ بجائے پیسوں کے میری انگلی پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی اور پانچ سو کے نوٹ کو بار بار پیچھے دھکیل رہی تھی گویا کہہ رہی ہو ماں مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ مجھے ساتھ لے جاؤ..... وہ لوگ اس کو لے کر ایک دوسرے رکشے میں بیٹھ گئے دونوں رکشے اوپر سے کھلے تھے ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے دونوں ایک ساتھ ایک ہی سمت میں چلنے لگے فاطمہ دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے پکار رہی تھی ماں ماں اس وقت مجھے لگا کہ میرا دل پھٹ جائے گا.....اس کے جانے کے بعد یہ صدائیں ہمیشہ میری سماعتوں میں گونجتی رہتی تھیں دن میں رات میں غرض سوتے جاگتے اس لفظ کی بازگشت مجھے سنائی دے رہی تھی ماں ماں نجانے کیسا درد تھا ان صداؤں میں کہ جب بھی مجھے وہ وقت یاد آتا میری عجیب حالت ہو جاتی..... میں مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی ساتھیوں نے اس کے منہ میں فیڈر دے کر چپ کرا لیا لیکن میری آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا نصرت اور عامر بھائی کی سسکیاں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں چند قدم ساتھ چلنے کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی میری بے تاب نگاہیں دیوانہ وار اسے ڈھونڈ رہی تھیں اس اجنبی شہر میں اسے تلاش کر رہی تھیں لیکن فاطمہ دنیا کی بھیڑ میں گم ہو چکی تھی اب ہمارے راستے جدا ہو گئے ہم لوگ اسٹیشن کی طرف ایک کچے راستے پر چڑھ گئے اور فاطمہ کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہو چکی تھی.....فاطمہ خدا حافظ میری جان اب جنت میں ہی ملیں گے آپ کے بابا جانی کے پاس میرے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا.....نصرت نے میرا سر اپنے سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی عامر بھائی ہمیں تسلیاں دے رہے تھے مگر خود بار بار رومال سے آنکھیں صاف کر رہے تھے.....آج فاطمہ میرے پاس ہے.....لیکن جدائی کی یہ روداد تحریر کرتے ہوئے میرا دل بھر آیا مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں اسی موڑ پر کھڑی ہوں میں گھٹنوں پر سر رکھے اس وقت کو یاد کرنے لگی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تصور مجھے ہندوستان کے اس دور دراز شہر میں لے گیا وہ سارے مناظر ایک ایک کر کے میری آنکھوں کے سامنے آ گئے.....شام چھ بجے کے قریب ہم اسٹیشن پر پہنچے معلوم ہوا ٹرین لیٹ ہے دس بجے آنے والی گاڑی پورے چار گھنٹے لیٹ تھی انتظار سے ہر انسان کو کوفت ہوتی ہے اور جب انتظار اتنا طویل اور ان مشکل حالات میں کرنا پڑے تو واقعی مصیبت بن جاتا ہے چنانچہ شام چھ بجے سے لے کر رات دو بجے تک کا صبر آزما وقت ہم نے اسٹیشن پر گزارنا تھا دسمبر کا مہینہ بارش کا موسم نہ بستر نہ تکیہ بالآخر سفری بیگوں کے ساتھ ٹیک لگا کر انتظار کے آٹھ گھنٹے کاٹے.....یہ آٹھ صدیوں جیسے طویل لگے آنکھیں بند کرتے ہی سیرت فاطمہ مجسم میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی کبھی یوں محسوس ہوتا کہ وہ میرے پہلو میں لیٹی ہوئی ہے اسی دوران کسی بچے نے روتے ہوئے اپنی ماں کو پکارا میں پاگلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی شاید فاطمہ مجھے بلا رہی ہے روتے ہوئے بلکتے ہوئے شاید وہ میرے بغیر اداس ہوگئی اور مجھے تلاش کرتے کرتے یہاں آ گئی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی سامنے اس بچے پر نظریں ٹھہر گئیں اس کی ماں اسے پیار سے بہلا رہی تھی اور میں بت بنی ان کی طرف دیکھ رہی تھی.....دیدی حوصلہ رکھیں عامر بھائی کی آواز آئی میں چپ چاپ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی پھر وہ ہمارے لئے چائے لے آئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے ان کی قبر کو نور سے بھر دے انہوں نے دوران سفر میرا بہت خیال رکھا۔

* * *

سرینگر واپسی

رات دو بجے ٹرین آ گئی تقریباً خالی ہی تھی سب کو آرام سے لیٹنے کا موقعہ ملا تھوڑی دیر بعد سب لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے لیکن نیند کی دیوی ناراض تھی تو صرف مجھ پر.....اپنے بازو کا سرہانہ کئے میں خاموش لیٹی ہوئی تھی دل و دماغ میں خیالات و جذبات کا طلاطم برپا تھا آتے ہوئے فاطمہ میرے بازو پر لیٹی ہوئی تھی آج وہ کسی کی بانہوں میں سو رہی ہوگی کہیں روتو

نہیں رہی ہوگی کہ اچانک میں کہاں سے کہاں آ گئی کن انجانے لوگوں میں آ گئی اف اس سے آگے میری سوچ کے دائرے سمٹ جاتے تھے میں کچھ سوچ نہیں پاتی..... واپسی کے سفر کے دوران جہادی شہید بے طرح یاد آئے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا ہم تینوں نے اس سفر کے خواب دیکھے تھے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ ہمارے خالق و مالک نے کیا لکھا ہوا ہے بہر حال اس کی مرضی پر دل و جان قربان مجھے جہادی شہید کے یہ الفاظ یاد آئے: سعدی! سیرو کا خیال رکھا کرو اس کا کون ہے ہم دونوں کے سوا سب رشتوں کا پیار ہم نے ہی اسے دینا ہے۔ مجھے تصور میں وہ فاطمہ سے پیار کرتے اس کے ناز اٹھاتے نظر آ رہے تھے اور کبھی گود میں اٹھا کر یہ کہتے: ہوئے یہ بہت سعادت مند بچی ہے شہیدوں اور غازیوں کی گود میں اس کا بچپن گذرا اور محاذ جنگ پر اس نے آنکھ کھولی ہے وہ تمام مناظر میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہے تھے اور آنسو میرے بازو کو تر کئے جا رہے تھے جسے میں سرہانہ بنائے بیٹھی تھی..... واقعی انہوں نے سچ کہا فاطمہ بلاشبہ سعادت والی بچی ہے جب ہی تو بچپن میں ہی یتیمی کی آزمائش اس پر آ پڑی اور اس عمر میں ہجرت جیسی عظیم سعادت بھی اس کے حصے میں آئی واقعی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوب بندوں پر ایسی آزمائش بھیجتے ہیں اللہ پاک اسے اپنے بابا کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور دین و جہاد کا بہت کام لے آمین..... تیسرے دن ہم لوگ دہلی پہنچے وہاں ٹھہرے بغیر جموں کا سفر کیا اگلے دن دوپہر کے وقت جموں پہنچے، نصرت کہنے لگی رات ادھر رکیں گے کیونکہ تھکاوٹ سے برا حال تھا یہ ہمارے مسلسل سفر کا پانچواں دن تھا میرا رکنے کا دل نہیں کرتا تھا جی چاہتا تھا جلد از جلد واپس کشمیر پہنچ جائیں، دوسرا موسم بھی خراب تھا سرینگر جموں شاہراہ سرسبز اور بلند و بالا پہاڑوں سے گذرتی ہے جہاں موسم بدلتے دیر نہیں لگتی برف باری ہونے کی صورت میں یہ شاہراہ کئی کئی دن بند رہتی ہے عامر بھائی نے بھی میری رائے سے اتفاق کیا چنانچہ ہم سہ پہر تین بجے سرینگر کے لئے روانہ ہو گئے..... گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی رات کے کسی پہر برفباری شروع ہو گئی تمام مسافر پریشان ہو گئے کیونکہ ابھی ہم ''جواہر ٹنل'' سے کافی پیچھے تھے ''جواہر ٹنل'' ایک سرنگ نما راستہ ہے جو پہاڑوں کو کاٹ کر اندر سے بنایا گیا ہے یہی سرینگر کو جموں سے ملاتا ہے خراب موسم کی صورت میں سب سے پہلے اسے بند کیا جاتا ہے..... رات کا اندھیرا، خوفناک راستے اس پر برف کی وجہ سے بہت زیادہ پھسلن ہو رہی تھی ڈرائیور اب آہستہ آہستہ گاڑی آگے بڑھا رہا تھا اور تمام مسافروں کو کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنے کا کہہ رہا تھا..... انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں اللہ اللہ کرتے یہ خوفناک سفر کٹ گیا اور گاڑی قدرے ہموار راستے پر آ گئی فجر کے وقت قاضی گنڈ ایک ہوٹل کے پاس گاڑی رک گئی جہاں مسافروں نے نماز ادا کی اور ناشتہ وغیرہ کیا آگے کا راستہ برف کی وجہ سے بند تھا لیکن برف ہٹانے کا کام بھی جاری تھا دس بجے تک انتظار کرنا پڑا اس کے بعد روانہ ہوئے..... دوپہر دو بجے ہم لوگ سرینگر پہنچے پورا شہر برف پوش ہو رہا تھا ہم سیدھا رابعہ کے گھر گئے آنٹی مجھے گلے لگا کر رونے لگیں اور بولیں کیا سیرت ہم سے جیتے جی جدا ہو گئی؟..... میں انہیں بہت حوصلے سے ملی اور کہہ دیا کہ اگر میرے دس بچے بھی ہوتے وہ بھی اللہ کے راستے میں قربان کرتی میرا حوصلہ دیکھ کر وہ حیران ہوتیں اور بولیں ہم نے آج تک کوئی ماں اتنی سخت دل نہیں دیکھی۔

* * *

برف نے تمام راستے مسدود کر دیئے

ہمارے سرینگر پہنچنے کے بعد دوسرے دن زبردست برفباری ہوئی یہ غالباً یکم جنوری 2004 کا دن تھا ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہم بانہال کارٹ (سرینگر جموں روڈ) سے بخیر و عافیت گذر آئے..... سخت سردی نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا لوگ فیرن اور کانگڑیاں پکڑے گھروں کے اندر دبک گئے مجھے فاطمہ کی خیریت کی اطلاع کا شدت سے انتظار تھا اور اس کا حال احوال معلوم کرنے کے لئے میں سخت بے چین تھی مگر رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں نظر آ رہا تھا..... ہندوستان کی غاصب و جابر حکومت نے کشمیر اور پاکستان کے درمیان ٹیلیفون سروس منقطع کر رکھی ہے مقبوضہ کشمیر سے سعودیہ، امریکہ اور دنیا کے دیگر ملکوں

میں بہ آسانی رابطہ کیا جا سکتا ہے مگر پاکستان نہیں..... وادی کے لوگوں کی پاکستان اور آزاد کشمیر میں قریبی رشتہ داریاں ہونے کے باوجود اس سہولت سے محروم رکھا گیا ہے اب رابطے کا واحد ذریعہ سیٹلائٹ فون تھا، جہادی شہید کے ہوتے ہوئے ہم لوگ اسی فون سے صادق آباد بات کر لیتے تھے، یہ فون عام فون نہیں اس لئے صرف ذمہ داروں کے استعمال میں ہی ہوتا تھا، اب متعلقہ فون جمال بھائی کے زیر استعمال تھا اور وہ ان دنوں ترال کے پہاڑوں میں بسیرا کئے ہوئے تھے..... برفباری نے تمام راستے بند کر دیئے تھے، جمال بھائی سے رابطہ کرنا ممکن نہ تھا، اہم اور بڑی شاہراؤں پر ساتھ ساتھ برف ہٹانے کا کام جاری رہتا تھا البتہ پہاڑی علاقوں کی طرف کئی فٹ برف جمع ہوگئی.....اس حالت میں کئی دن گذر گئے مجھے بچی کے حوالے سے کوئی خبر نہ ملی دل بہت پریشان تھا کیا کروں کہاں سے معلوم کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اُن لوگوں نے بتایا تھا کہ وہ چند دنوں تک منزل پر پہنچ جائیں گے اور میں نے منزل سے مراد پاکستان لیا تھا جبکہ ان کی منزل ایک دوسری جگہ تھی میرا خیال تھا کہ وہ لوگ پاکستان پہنچ چکے ہونگے اور میں امی جی سے بات کر کے تسلی کرنا چاہتی تھی.....تقریباً پندرہ دن بعد مجھے ترال جانے کا موقعہ ملا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مجاہدین اوپر ہی ہیں اور نیچے نہیں آتے .....سارے پہاڑ برف سے ڈھکے ہوئے تھے اور اس موسم میں ان کا بستی میں آنا نہ مناسب تھا اور نہی ممکن تھا، یہ دیکھ کر میں نے جمال بھائی کی طرف کئی قاصد روانہ کئے، ایک پرچی پر صادق آباد والوں کا فون نمبر لکھا اور یہ کہ بچی کی خیریت معلوم کر کے اطلاع دیں لیکن بے رحم برفوں نے قاصدوں کو آگے جانے کا رستہ ہی نہ دیا اور وہ واپس آ گئے یہاں تک کہ میرا انتظار طویل ہوتا گیا فاطمہ کے جانے کے بعد میں بالکل تنہا ہوگئی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اور اس کے بابا مجھ سے روٹھ کر کہیں چلے گئے ہیں تین ماہ مجھے اس کی کوئی خبر نہ ملی اور اس عرصے میں میں بالکل سو نہ سکی جب کبھی آنکھ لگتی تو وہ مجھے خواب میں نظر آتی بے حد اداس اور مغموم سی .....کبھی آنکھوں میں آنسو لئے اور کبھی میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے اس طرح کے خواب اور لوگوں نے بھی دیکھے جو روز بہ روز میری تشویش میں اضافہ کر دیتے تھے آخر کیا وجہ ہے جو وہ مجھے اس قدر پریشان اور پراگندہ حال نظر آتی ہے؟..... جب میں تنہا اکیلی بستر پر لیٹتی تو مجھے وہ دونوں بے حد یاد آتے کبھی ان دونوں کی مسکراہٹوں سے میری زندگی میں رونقیں ہی رونقیں ہوا کرتی تھیں اب ہر طرف تنہائیاں ہیں اور ان کی یادیں جو ہر لمحہ دل کو تڑپاتی ہیں.....میں نے کتابوں میں کبھی لفظ وحشت پڑھا تھا اس لفظ کا مفہوم مجھے اس وقت خوب سمجھ میں آیا..... ہاں جب غم کے مارے انسان کو رات کے سناٹے میں یادیں اور تنہائیاں گھیر لیں اس حال میں جب وہ سو بھی نہ پائے اور درد دل سہہ بھی نہ پائے تب اس رات میں انسان کو وحشت سی ہونے لگتی ہے.....میں اندر ہی اندر غم کی آگ میں سلگتی رہتی تھی مگر اپنا حال بہت کم کسی پر ظاہر کرتی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی نسبت سے نوازا تھا، جہاد سے نسبت اور غازی بابا شہید سے نسبت، واقعی بہت بڑی تھی.....وہ اکثر ساتھیوں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ ساتھیو خواہ کیسی بھی پریشانی ہو کتنا ہی مشکل مرحلہ آئے کبھی کسی کے سامنے رونا نہیں لوگ آپ کے جذبات کو نہیں سمجھیں گے بلکہ یہ گمان کریں گے کہ یہ لوگ جہاد میں آ کر رو رہے ہیں اس لئے اپنے آنسو اللہ پاک کی بارگاہ میں بہا کر قیمتی بناؤ..... جہادی شہید کی سنہری باتوں سے رہنمائی لیتے ہوئے میں نے کبھی صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا حتیٰ کہ میرے قریب لیٹی ہوئی رابعہ کو بھی علم نہ ہوتا تھا کہ مجھے تمام رات نیند نہیں آتی، میں رات کا بیشتر حصہ رضائی کے اندر منہ چھپائے چھوٹی ٹیپ سنتے ہوئے گذار دیتی ان دنوں یہ نظم میں دن رات سنتی رہتی تھی۔

دل زخم زخم لوگو کوئی ہے جسے دکھائیں
کوئی ہم نفس نہیں ہے غم جاں کسے سنائیں
یکا یک جو چھا گئی ہے غم و درد کی گھٹائیں
گیا کون اس جہاں سے کہ بدل گئی فضائیں

دن گذرتے جا رہے تھے اور مجھے پہاڑوں سے برف پگھلنے کا شدت سے انتظار تھا تاکہ جمال بھائی سے رابطہ ہو سکے اور فاطمہ کی کوئی خبر مل جائے یہ دور شدید بے چینی کا دور تھا اس معصوم بچی کا خیال ہر لمحے میرے دل کو بے چین کئے رکھتا تھا جسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسے جدائی کی سزا کیونکر دی گئی اور وہ اپنے والدین سے کیوں بچھڑ گئی.....مصیبت اور پریشانی میں دل کا غمزدہ

ہونا ایک فطری بات ہے اور انسان کا اس چیز پر قطعی اختیار نہیں ہے مگر پھر بھی مجھے یہ بات پریشان کرتی کہ اس قدر رنج کرنے پر اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہوں اور مجھے ناشکروں میں نہ لکھ دیں یہ اللہ پاک کا مجھ پر احسان ہے جس نے مجھے شہید کی بیوہ ہونے کا اعزاز بخشا اور مجھ حقیر انسان کو اس قابل سمجھا کہ میں اپنے دین کے لئے قربانی دوں.....دل سے میں اللہ تعالیٰ کی رضاء پر راضی اور خوش تھی اور کسی بھی کٹھن مرحلے میں میرے قدموں میں لغزش نہ آئی البتہ طبیعت کی بے چینی خصوصاً فاطمہ کے بعد دل میں یہ وسوسہ آتا تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے وہی تو میرا سہارا ہے اسی کی رضاء حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ برداشت کر رہی ہوں اگر رب راضی نہ ہوا تو پھر کدھر جاؤں گی؟.....اسی کشمکش میں ایک رات اپنا محاسبہ کیا اپنے دل کو ٹٹولا دماغ میں جھانکا اور الحمداللہ اپنے جذبے کو سچا پایا پھر بھی قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئی اور اپنے اللہ سے معافی مانگی میرے مالک تو مجھ سے خفا نہ ہونا، کاش! مجھے علم ہوتا کہ تو مجھ سے راضی ہے پھر یہ تمام پریشانی کچھ بھی نہیں کافی دیر تک میں عاجزی کے ساتھ دعا مانگتی رہی اور پھر لیٹتے ہی مجھے نیند آ گئی ایسی نیند ایک عرصے بعد مجھے نصیب ہوئی تھی.....اس رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا دل کے بار بار منع کرنے کے باوجود یہاں وہ خواب تحریر کر رہی ہوں صرف اس غرض سے کہ جو لوگ جہاد کرنے والوں کو پاگل اور قدامت پسند خیال کرتے ہیں انہیں معلوم ہو کہ اس نفسا نفسی کے دور میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا افضل ترین عبادت ہے.....جس کی برکت سے مجھ جیسے حقیر اور معمولی انسان کو ایسی سعادت حاصل ہوئی کہ جس کے لئے وقت کے بڑے بڑے ولی ترستے ہیں.....اب جو مجاہدین اپنی تمام جوانی محاذوں پر لڑتے ہوئے زخم کھاتے ہوئے گذارتے ہیں اور بالآخر جان تک قربان کرتے ہیں ان لوگوں کی خوش بختی کا کیا عالم ہوگا ان کا اللہ پاک کے ہاں کیسا بلند رتبہ ہوگا یہ وہ علیم وخبیر ہی جانتا ہے

نوٹ

اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ مضمون عنوان دے کر لگا دیں اگر مناسب نہ لگے تو حذف کر لیں آپ کو اختیار ہے

چنانچہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اور جہادی شہید ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں اتنے میں آواز آئی کوئی میرا نام لے کر مجھے بلا رہا تھا وہ کھڑکی کی طرف جا کر دیکھنے لگے اور مجھ سے کہا سعدی! جلدی جاؤ آپ کو حضور ﷺ بلا رہے ہیں.....اچھا میں پہلے وضو کرتی ہوں یہ کہہ کر میں فوراً وضو کرتی ہوں اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتی ہوں، آپ ﷺ ایک کھلے میدان میں تشریف فرما ہوتے ہیں وہی سراپا جو اکثر کتابوں میں پڑھا ہے سرگیں آنکھیں شانوں تک آتی زلفیں اور سبز رنگ کا جبہ زیب تن ہوتا ہے ارشاد ہوا کہ میرے بالوں میں کنگھی کرو..... میں پشت مبارک کی طرف کھڑے ہو کر موئے مقدس میں کنگھی کرتی ہوں چند بال ٹوٹ جاتے ہیں جنہیں میں اپنی بغل میں چھپا دیتی ہوں کہیں آپ ﷺ ناراض نہ ہوں کنگھی کرنے کے بعد سامنے بیٹھ گئی آپ نے پوچھا ٹوٹے ہوئے بال کیا ہوئے؟ میں نے فوراً نکال کر سامنے کئے اور عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ یہ میں نے تبرک کے طور پر رکھے تھے.....آپ نے تبسم فرمایا اور موئے مبارک میں نے رکھ لئے.....اس کے بعد فرمایا کہ ترال جانا ہے، میں نے نعلین مبارک اور عصاء پیش کئے دونوں چیزیں مجھے اچھی طرح یاد ہیں اس کے بعد میں آپ ﷺ کے ساتھ ترال کے علاقے ڈار میں پہنچی، وہاں ایک سکول یا مدرسے میں جہاں بہت سے بچے پڑھ رہے تھے قیام فرمایا..... پھر واپس تشریف لے آئے، مین روڈ پر کھڑے ہو کر کافی دیر ان پہاڑوں کی طرف دیکھتے رہے جہاں مجاہدین جیش محمد ﷺ بسیرا کئے ہوئے تھے پھر مجھے دعائیں دے کر رخصت ہو گئے اور میں ان پہاڑوں کی جانب چلنے لگی میں پوری رات یہ خواب دیکھتی رہی صبح جب آنکھ کھلی تو عجیب سرشاری کی کیفیت مجھ پر طاری تھی مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا اللہ مجھ سے راضی اور خوش ہے تب ہی تو

مجھ گنہگار کو یہ سعادت بخشی اس احساس سے آنکھیں نم ہوگئیں اور میں نے اللہ پاک کے حضور شکرانے کے سجدے ادا کئے۔

* * *

رب کی مصلحت پر قربان ہونے کو جی چاہا

اس خواب نے جیسے دل کے زخموں پر مرہم رکھ دیا اب وہ پہلے جیسی بے قراری بھی نہ تھی یہاں تک کہ تین ماہ گذر گئے پہاڑوں سے برف کی چادر سرکنے لگی اور کشمیر کی حسین وادیوں میں پھر سے بہار آ گئی صرف وہ نہیں آیا جو ہر سال بہار کی آمد پر بڑے پیار سے کہتا تھا..... بہار کا موسم مبارک ہو..... مارچ کے آخری دنوں میں میں ایک بار پھر ترال گئی معلوم ہوا کہ جمال بھائی زیزبل میں آ گئے ہیں ملاقات کا وقت قاصدوں کے ذریعے طے ہوا چنانچہ ایک دن میں زیزبل چلی گئی جمال بھائی نیسیٹلائٹ فون کے ذریعے غازی بابا شہید کے گھر کا نمبر ملایا خوش قسمتی سے رابطہ جلدی ہوگیا ان کی شہادت کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب میری گھر والوں سے بات ہو رہی تھی آنسوؤں اور آہوں کا نہ تھمنے والا سلسلہ تھا بات کرنا دشوار ہو رہا تھا امی جی نے مجھے بتایا کہ فاطمہ ان کے پاس 16 مارچ کو پہنچی یہ سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی تو فاطمہ تین ماہ کہاں رہی کس حال میں رہی؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہ تھا ایک مدت بعد میں خود اس مقام پر پہنچی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھے خواب میں پریشان حال اور غمگین کیوں نظر آتی تھی یہاں تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں لیکن مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ فاطمہ نے وہ تین ماہ بڑی مشکل سے گذارے ہونگے..... بہرحال اس وقت امی جی سے یہ بات سن کر مجھے اللہ پاک کی مصلحت پر قربان ہونے کو جی چاہا اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ فاطمہ اپنی دادی امی کے پاس نہیں پہنچی تو وہ وقت میرے لئے اور زیادہ کٹھن ثابت ہوتا لیکن اللہ پاک کے حکم سے رابطہ نہ ہوا اور میں یہ سمجھتی رہی کہ فاطمہ پہنچ گئی ہوگی..... امی جی نے مجھے بتایا کہ بچی ان کے پاس خوش اور مطمئن ہے فاطمہ سے بھی میری مختصر سی بات ہوئی اور سب گھر والوں سے بھی سب لوگ مجھے پاکستان آنے پر اصرار کر رہے تھے لیکن میں نے معذرت کی اور کہا کہ بچی کو ادھر بھیجنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں بھارتی فوج سے انتقام لوں اور شہادت پاؤں فون پر ہونے والی یہ ملاقات انتہائی جذباتی اور رقت امیز تھی مگر فاطمہ کے حوالے سے میرا دل کافی حد تک مطمئن ہوگیا..... اس کے بعد میں نے جمال بھائی سے کام کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا: باجی! آپ نے بچی کو بھیج کر اتنا بڑا اور کٹھن کام بخوشی کر لیا اب آپ کو روکنے کا ہمارے پاس کیا جواز ہے مرکز نے بھی اجازت دی ہے لیکن موسم کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوئی اب انشاءاللہ بارود بنانے کا کام شروع ہوگا آپ مطمئن رہیں اور دعا کریں اللہ نے چاہا تو آپ کی خواہش جلد پوری ہوگی ان کی بات سے مجھے اطمینان ہوا پھر میں واپس آ گئی۔

* * *

شہادت میری آرزو

مجاہدین دوبارہ سے سرینگر میں منظّم ہو رہے تھے اس کے علاوہ سوپور شہر میں بھی اچھی فیلڈ بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے موسم بدلتے ہی مجاہدین نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اللہ پاک نے مجھ حقیر سے بھی کچھ کام لیا میں عموماً نصرت یا رابعہ کے گھر ٹھہرتی اور ساتھی ضرورت پڑنے پر فون کے ذریعہ رابطہ کر دیتے تھے میں اور نصرت مجاہدین کا تعاون کر کے بے حد خوشی محسوس کرتیں ہم دونوں ایک دو مرتبہ سوپور کسی کام سے گئی تھیں..... مجاہدین چونکہ میرے حالات سے بھی واقف تھے اور میرے جذبہ

جہاد کا بھی انہیں اچھی طرح علم تھا اس لئے انہوں نے مجھے بالکل الگ نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی کام کے ذریعے جہاد سے جوڑے رکھا.....اگر وہ مجھے الگ کر دیتے اور کوئی کام نہ لیتے تو جہاد اور جہادی شہید سے دوری اس کے بعد فاطمہ کی جدائی مجھے توڑ کر رکھ دیتی چنانچہ اس بات سے میرا دل مطمئن تھا کہ راستہ بھی وہی مشن بھی وہی اور منزل بھی وہی ہے صرف ہم سفر بچھڑ گئے ہیں اس روز میں نے سوپور سے کچھ رقم سرینگر پہنچانی تھی سرینگر اور سوپور کے راستے میں متعدد چھوٹے بڑے کیمپ آتے ہیں ایک دو جگہوں پر تلاشی بھی ہوتی تھی کسی بھی قسم کا سامان ساتھ ہوتے وقت (۱) عدد آرجس گرنیڈ اپنے ساتھ رکھتی تھی تا کہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں جہاں گرفتاری کا خطرہ ہو گرنیڈ بلاسٹ کر کے گرفتاری کی بجائے شہادت کو گلے لگایا جائے.....کہیں جاتے وقت میں نصرت کو ہمیشہ بتا دیا کرتی تھی کہ آج میں فلاں جگہ جا رہی ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ میری شدید خواہش تھی کہ میری قبر غازی بابا شہید کے قدموں میں بن جائے ہم نے قبرستان کے گورکن کو بھی کہہ رکھا تھا کہ ان کے قدموں میں کسی کو دفن نہ کریں کسی مجاہد کی وصیت ہے کہ اسے یہاں دفن کیا جائے بابا جی نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ وہ یہ جگہ خالی رکھیں گے اس دن تیاری کے دوران میں نے نصرت کو یاد دلایا کہ

بپا ہے جنگ طوفانی شہیدوں کا پتہ رکھنا

آپ فکر نہ کرو میں اپنی جان پر کھیل کر آپ کو اس جگہ پہنچاؤں گی نصرت نے جواب دیا پھر کچھ سوچ کر بولی ویسے سعدی! آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے اس لئے خیال رکھنا.....کیا خواب دیکھا ہے میں نے پوچھا.....میں نے دیکھا کہ آپ نے سفید رنگ کی قمیض پہنی ہوئی ہے اور وہ خون سے تر بہ تر نظر آ رہی ہے.....ارے واہ یہ تو بہت مبارک خواب ہے لگتا ہے آج بلا وا آ جائے گا اسلئے آج زیادہ خیال رکھنا خبریں سنتی رہنا.....شاید کسی پڑھنے والے کو اس بات پر تعجب ہو لیکن محاذ پر خصوصاً کشمیر کے محاذ پر رہنے والے جانتے ہیں کہ اس میں کوئی قبل از وقت تعجب والی بات نہیں کیونکہ کشمیر کے چپے چپے پر بھارتی فوج کے کیمپ اور بنکرز ہیں اور مجاہدین ان کے درمیان میں کام کرتے ہیں اس لئے وہ لوگ ہر وقت گویا موت کے منہ میں ہوتے ہیں اور ہر لمحہ موت کے لئے تیار بھی.....لیکن کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ جو لوگ موت کے پیچھے بھاگتے ہیں موت ان سے دور بھاگتی ہے اور جو لوگ موت سے دور بھاگتے ہیں موت ہر وقت ان کے تعاقب میں رہتی ہے.....حتیٰ کہ وہ جینے کی آرزو میں پل پل مرتے ہیں.....میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا میں نے شہادت کو پانے کی خاطر کیا کیا جتن نہ کئے سجدوں میں گڑگڑا کر کتنی ہی دعائیں مانگیں اور اسلحہ لے کر بھارتی فوج کے سامنے یوں بے خوف وخطر چلتی رہی کہ بعض اوقات مجھے یاد بھی نہیں ہوتا تھا کہ میرے پاس خطرناک اسلحہ ہے لیکن موت کا وقت مقرر ہے انسان وقت سے پہلے کبھی مر نہیں سکتا اس بات پر ہر مسلمان کا ایمان ہونا ضروری ہے.....بہر حال بات کہیں اور نکل گئی سوپور سے مجھے عامر بھائی سے پیسے وصول کرنے تھے میں ان کے گھر گئی تو ان کی والدہ صاحبہ مجھے گلے لگا کر رونے لگیں اللہ خیر کرے جانے کیا بات ہے ان کے رونے کی وجہ نہ سمجھتے ہوئے میرے دل میں کئی خدشات ابھرنے لگے.....میری بیٹی اللہ نے تمہارے مقدر میں یہ زندہ جدائی بھی لکھی تھی انہوں نے روتے ہوئے کہا اور میں بات کی تہہ تک پہنچ گئی.....اچھا یہ سیرت فاطمہ کی وجہ سے رو رہی ہیں بہنیں الگ سے اظہار افسوس کرنے لگیں میں نے انہیں بتایا کہ بس دعا کریں اللہ پاک مجھ سے راضی ہوں کئی لوگوں کے بچے بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں آخر وہ لوگ بھی صبر ہی کرتے ہیں اگر اللہ پاک نے مجھ سے اپنے دین کی قربانی لی تو یہ میرے لئے اعزاز ہے میری باتیں سن کر خالہجی نے خوشی کا اظہار کیا اور مجھے صبر واستقامت کی دعائیں دیں.....عامر بھائی گھر میں موجود تھے رقم بھی انکے پاس تھی پانچ لاکھ کی رقم تھی جسے پرس میں رکھنا مناسب نہ تھا کیونکہ تلاشی کے دوران بھارتی فوج کو اتنی رقم دیکھ کر فوراً شک ہوتا ہے کہ یہ مجاہدین کی رقم ہے چنانچہ میں نے تھوڑے پیسے پرس میں رکھے باقی ایک مخصوص طریقے سے کمر کے ساتھ باندھ لئے اوپر سے برقعہ پہن لیا خالہ جی نے مجھے روک کر کہا کہ کھانا کھا کر جاؤ کیونکہ انہوں نے مچھلی پکائی ہے عامر بھائی کے گھر والے واقعی مچھلی کا زبردست سالن بناتے تھے اس لئے تھوڑا سا کھانا کھا لیا.....ظہر کی نماز پڑھ کر اللہ پاک سے خوب دعائیں مانگیں کہ مجاہدین کی امانت خیر وعافیت سے ان تک پہنچا دے اس کے بعد سرینگر روانہ ہو گئی راستے میں تلاشی ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی اور پیسے خیریت سے سرینگر

پہنچے، راجوری کدل کے مقام پر اسی دن رقم ساتھیوں کے حوالے کر دی اور خود رابعہ کے گھر چلی گئی۔

* * *

قیدی بھائی سے ملاقات

اپریل 2002 میں سرینگر کے ڈسٹرکٹ کمانڈر بھائی عبدالرحمٰن قندھاری بھارتی فوج پر ایک حملے کے دوران زخمی حالت میں گرفتار ہو گئے ان کی داستان جہاد ہند کا شہباز جرنیل میں تفصیل سے آ گئی ہے اس لئے یہاں تفصیلات میں جانے سے گریز کیا جا رہا ہے بھائی عبدالرحمٰن نہ صرف ایک باصلاحیت اور تجربہ کار مجاہد تھے بلکے غازی بابا شہید کے قریبی دوست بھی تھے غازی بابا نے ان کی رہائی کے سلسلے میں کئی کوششیں کیں لیکن دشمن کو جوں ہی عبدالرحمٰن کی اصلیت معلوم ہوئی تو انہیں سنٹرل جیل سرینگر سے کوٹ بھلوال جیل جموں منتقل کیا گیا..... غازی بابا کی شہادت کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے بظاہر پر کرنا ناممکن نظر آ رہا تھا لیکن مجاہدین کی نظر میں بھائی عبدالرحمٰن ایسی شخصیت تھے جو اس خلا کو کسی حد تک پورا کر سکتے تھے..... سرینگر میں ساتھیوں کو سیٹ اپ بحال کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ رکاوٹ کا باعث تھی وہ تھی رہائش کا غیر مستحکم نظام چونکہ عبدالرحمٰن سرینگر کے رہنے والے تھے اور ایک لمبا عرصہ وہاں کام کرتے رہے تھے اس لئے مقامی لوگوں سے ان کے قریبی اور مضبوط روابط تھے ان کی اپنی مخصوص ہائیڈیں جو تھیں وہ بھی ساتھیوں کے علم میں نہ تھیں اب وہاں تمام مجاہدین پاکستانی تھے جن کے لئے ٹھکانوں کی کمی کئی مسائل پیدا کر سکتی تھی زبان کا مسئلہ بھی الگ تھا..... اب مجاہدین یہ چاہتے تھے کہ اگر وہ رہا ہو جائیں تو کئی مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں یا کم سے کم ان سے ملاقات کر کے کچھ ہائیڈوں کا پتہ لیا جائے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ساتھیوں نے ایک بار پھر ان کی رہائی کی کوششیں تیز کر دیں ان کے گھر والے بھی اس حوالے سے کوشش کر رہے تھے بھائی کو جیل میں مجاہدین کی مشکلات کا پتہ چل گیا تھا انہوں نے عثمان بھائی کو پیغام بھیجا کہ کسی قابل اعتبار شخص کو ان کے پاس بھیجا جائے..... چونکہ عثمان بھائی ان کے ساتھ کام کرتے رہے تھے اور ان کی صلاحیتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے یہ پیغام ملتے ہی انہوں نے ترال جا کر چیف کمانڈر جمال بھائی سے ملاقات کی اور انہیں تمام صورتحال سے آگاہ کیا اب مسئلہ یہ تھا کہ کس کو بھیجا جائے کیونکہ مجاہدین قندھاری کی سخت گیر طبیعت سے واقف تھے وہ ہر کسی پر اعتبار ہرگز نہ کرتے، ان کا ایک واقعہ لطیفے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور بہت مشہور ہو گیا تھا ہوا یہ کہ غازی بابا نے صفاپورہ سے ایک ساتھی ان کے پاس سرینگر بھیجا ساتھی باصلاحیت اور قابل تھا مگر چونکہ سرینگر کی فیلڈ میں نیا تھا اس لئے وہاں کام کرنے کا طریقہ کار سمجھنے میں وقت تو لگنا ہی تھا..... ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ساتھی نے ایک ہائیڈ سے (جہاں وہ رہ رہے تھے) دوسری ہائیڈ والے گھر میں ایک اماں جی کو سامان دے کر بھیجا چونکہ اصول یہ تھا کہ ایک ہائیڈ والے کو دوسرے پوائنٹ کا نہیں بتایا جاتا تھا جسکا نئے ساتھی کو علم نہ تھا اس بات پر قندھاری سخت غصہ ہوئے اور ساتھی کو سمجھانے کے بجائے عیدگاہ گراؤنڈ میں بلایا اُن سے سامان (اسلحہ) لے لیا اور صفاپورہ کی گاڑی پر بٹھا کر یہ کہہ کر چلتا کیا کہ آپ بابا کے پاس ہی رہو..... ان کی اس حرکت پر جہادی کو وقتی طور پر بہت غصہ آیا اور انہیں سیٹ پر کہا..... قندھاری اب میں غازی بابا کو ہی تمہارے پاس بھیج دوں گا کیونکہ اور کوئی ساتھی تمہیں پسند ہی نہیں آتا..... جہادی شہید اس واقعے کا ذکر کر کے بہت ہنستے تھے..... چنانچہ عثمان بھائی نے جمال بھائی کو مشورہ دیا کسی قابل اعتبار یا جانپہچانے بندے کو بھیجا جا سکتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بندہ اتنا لمبا سفر کر کے جائے اور عبدالرحمٰن اس کو یوں ہی واپس بھیج دے..... مشورے کے بعد میرا جانا طے ہوا کیونکہ سول میں کام کرنے والے خاص اور اہم افراد گرفتار ہو کر مشکوک ہو چکے تھے چونکہ میں انہیں جانتی تھی اس لئے دونوں نے میرا جانا ہی مناسب سمجھا اس کام کے لئے مجھے لڑگام (ترال) جانا پڑا وہاں سفر کی ترتیب وغیرہ بنائی گئی سفر طویل اور دشوار تھا اکیلے جانا ممکن

نہ تھا اس لئے میرے ساتھ بہن جی اور مشتاق بھائی کی ترتیب بنالی گئی.....عبدالرحمٰن نے ان کے گھر سے کچھ کاغذات لانے کا بھی کہا تھا ترال سے واپس آ کر میں سب سے پہلے ان کے گھر گئی انکی والدہ صاحبہ سے متعلقہ کاغذات حاصل کئے پھر بہن جی سے ملاقات کر کے انہیں سفر کے لئے تیار کیا وہ لوگ تو نکلے ہی کشتیاں جلا کر تھے اس لئے فوراً تیار ہو گئے.....اپریل 2004 کے آخری دن تھے ہم لوگ صبح سویرے گھر سے نکلے لال چوک سے قیدی بھائی کے لئے کپڑے اور ضرورت زندگی کی دیگر چیزیں خرید لیں اور اللہ کا نام لے کر سفر پر روانہ ہو گئے شام تک ہم بخیر و عافیت جموں شہر پہنچ گئے اگلا دن ملاقات کا تھا رات ٹھہرنے کے لئے ہوٹل میں دو کمرے لے کر قیام کیا تقریباً رات آٹھ یا نو بجے کا وقت تھا دروازے پر دستک ہوئی.....ہم نے سوچا کہ مشتاق بھائی ہونگے تصدیق کرنے کے لئے پوچھا کون ہے؟.....پولیس.....دروازہ کھولیں یہ سن کر ہم سٹپٹا گئیں پولیس والوں کا یہاں کیا کام ہے کہیں مخبری تو نہیں ہوئی بہن جی نے خدشہ ظاہر کیا اب دروازہ زور زور سے بجنے لگا کیونکہ ہم دروازہ کھولنے میں پس وپیش کر رہی تھیں اسی دوران دوسرے کمرے سے مشتاق بھائی باہر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں کشمیری زبان میں آواز دی ان کی آواز سن کر ہم نے دروازہ کھولا پولیس والے دروازے پر ہی کھڑے رہ کر سوال و جواب کرنے لگے مثلاً کہاں سے آئے؟ کیوں آئے؟ ہم نے صاف صاف بتایا کہ ایک عزیز سے جیل میں ملاقات کرنے جانا ہے بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ یہ سب وہاں ہوتا ہے یعنی سیکورٹی وغیرہ کے لئے.....اس ہوٹل میں کشمیر سے آئے ہوئے اور لوگ بھی ٹھہرے ہوئے تھے وہ لوگ بھی اپنے عزیزوں سے ملاقات کی غرض سے آئے تھے ان سے ہمیں یہ معلومات ملیں کہ جیل کے اندر جانے کے لئے تلاشی کے سخت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اور برقعے میں ہرگز اندر نہ جانے دیں گے یہ بات میرے لئے انتہائی پریشانی کا باعث تھی ایک تو کاغذات کا مسئلہ تھا دوسرا اور بڑا مسئلہ بے پردہ ہونے کا تھا میں اور بہن جی رات دیر تک اس بات پر سوچتے رہے ان کی بیٹی امبر فاطمہ بھی ساتھ تھی کبھی ہم سوچتے کہ اس کے کپڑوں یا جرابوں میں کاغذ چھپا دیں گے لیکن اگر تلاشی ہوئی پھر کیا ہوگا غرض رات بھر کئی منصوبے بنتے اور بگڑتے رہے صبح جلدی اٹھے اور نماز پڑھ کر اپنے پروردگار کے آگے جھولی پھیلائی اے ہمارے خالق و مالک ہم اتنے دور سے صرف تیرے دین کے کام کے لئے یہاں آئے ہیں یا اللہ ہمارا سفر کامیاب بنا اور ہماری مدد فرما یا.....اللہ کافروں کو اندھا کر دے اور ان کے مقابلے میں مجاہدین کی نصرت و مدد فرما دے آمین.....

* * *

کوٹ بھلوال جیل

ناشتہ کر کے جلدی ہوٹل سے نکلے کیونکہ ہم نے اللہ کی راہ میں اسیر مجاہدین کے لئے کچھ کھانے پینے کا سامان بھی خریدنا تھا جموں کے ایک بازار سے روسٹ چکن، مٹھائی اور کچھ پھل خریدے وہاں سے کوٹ بھلوال جیل تک تقریباً ایک گھنٹے کا راستہ تھا ہم لوگ ایک بس میں سوار ہوئے جو کچھا کھچ بھری ہوئی تھی سواریوں میں اکثریت ڈوگروں یا ہندوؤں کی تھی جو ہمیں برقعے میں دیکھ کر اس طرح گھور رہے تھے کہ اندر کا خبث باطن آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا سرینگر میں مجھے ایک بہن نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ جموں کالج میں ایک مسلمان لڑکی نقاب اوڑھ کر گئی تو ہندو طالب علموں نے نہ صرف اس کا نقاب نوچ ڈالا بلکہ نقاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اس واقعے کو یاد کر کے مجھے خوف سا آیا اور اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں ان کافروں کے شر سے پناہ مانگنے لگی.....بہر حال اللہ کے حکم سے بخیر و عافیت منزل پر پہنچے اور ابھی گاڑی سے اترے ہی تھے کہ ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہوا یہ کہ میرے علاقے کا ایک آدمی جو C.B.I میں کام کرتا تھا فوراً میرے سامنے آیا اور سلام کر کے بولا بے شک آپ برقعے

میں ہیں مگر میں نے آپ کو پہچان لیا آپ یہاں کیسے؟..... مجھے اس شخص کا اس جگہ یوں اچانک نازل ہونا انتہائی ناگوار گذرا وہ انتہائی شاطر قسم کا انسان تھا جبھی تو صرف آنکھیں کھلی ہونے کی صورت میں بھی پہچان لیا اس کی حرکت سے مجھے سخت غصہ آیا اور کہا پہچان لیا ہے تو کیا ہوا آپ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ قربانی دینے کے لئے گھروں سے نکلے ہیں نہ کہ تنخواہ کی خاطر وہ ہمارا دور کا رشتہ دار تھا مگر آنا جانا نہ ہونے کے برابر تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا پورا گھرانہ بھارت کا نمک خوار تھا وہ خود C.B.I میں تھا اور دوسرا بھائی بی ایس ایف میں تھا اس لحاظ سے دونوں بھائی بھارتی فوج کی صف میں کھڑے تھے اس وجہ سے مجھے ان سے نفرت تھی میری چوٹ وہ خوب سمجھ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا ارے چھوٹی آپ تو ماشاءاللہ بہت بڑی ہوگئی ہو بڑی بڑی باتیں کرتی ہو مگر مجھے تو آج بھی اسی طرح تختی اٹھائے سکول جاتے ہوئے نظر آتی ہو یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں آپ کو نقصان پہنچاؤں گا آپ تو ہمارے علاقے کا فخر ہو بخدا مجھے آپ پر فخر ہے آپ نے وہ کام کیا جو ہم نہ کر سکے..... پھر وہ غازی بابا کی شہادت پر رنج وغم اور افسوس کا اظہار کرنے لگا اور مشتاق بھائی سے کہنے لگا آپ پریشان نہ ہوں یہ میری چھوٹی بہن ہے آپ لوگوں کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے میرا بھائی بی ایس ایف میں کام کرتا ہے لیکن اس نے آج تک کسی مجاہد کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ہر موقع پر ان کی مدد کی اور انہیں راستہ فراہم کیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا کہ آپ لوگ بھی ہمارا خیال رکھیں ہم مجبوری کی وجہ سے یہ نوکری کرتے ہیں ورنہ ہمارے دل اور ہمدردی تو صرف مجاہدین کے ساتھ ہے میں نے جواب دیا اگر آپ غلط کام نہیں کریں گے تو کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا اور برائے مہربانی اس بات کا کسی سے بھی ذکر نہ کیجئے گا کہ آپ نے مجھے یہاں دیکھا ہے اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ ہرگز کسی سے ذکر نہیں کرے گا اس کے بعد کچھ ضروری کارروائی ہوئی اس کے بعد ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی گیٹ کے اندر جا کر تلاشی کے مرحلے سے گزرنا سخت آزمائش بن گئی وہ لوگ اس بات پر اڑ گئے کہ آپ برقعہ پہن کر اندر نہیں جا سکتے..... میں نے بھی دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں پردہ ہمارے دین کا حصہ ہے اس کے علاوہ میرا بھائی مجاہد ہے اگر میں بغیر برقعے کے اندر گئی تو وہ ناراض ہو جائیں گے اس پر وہ بولے ٹھیک ہے آپ باہر ٹھہرو یہ دونوں (بہن جی اور مشتاق بھائی) ملاقات کر لیں یہ بات تو ناممکن تھی کیونکہ اصل کام میرا تھا چنانچہ میں نے کہہ دیا کہ اتنی دور سے آ کر ملاقات کئے بغیر کیسے جاؤں گی بہرحال بڑی مشکلوں اور دعاؤں کے بعد میں کامیاب ہوئی اور مکمل برقع میں اندر داخل ہوئی..... لیڈی پولیس نے میری اتنی سخت تلاشی لی کہ نہ صرف برقعہ اتروایا بلکہ سر کے بال بھی کھلوا دیئے میں نے سکون سے تلاشی دی اور برقعہ پہن کر باہر آ گئی اب آگے سامان کی تلاشی ہونی تھی جس کے لئے ایک مرد سیکورٹی اہلکار تیار بیٹھا ہوا تھا اس وقت تک کاغذات میں نے کپڑوں والے شاپر میں ہی رکھے تھے وہاں میں نے یہ چال چلی کہ شاپر کے ایک کونے میں کاغذ کا کونہ پھنسا دیا پھر اسی کونے کو پکڑ کر پورا شاپر فوجی کے سامنے انڈیل دیا، شاپر کو زور زور سے ہلایا تاکہ اسے تسلی ہو کہ اب شاپر میں کوئی چیز نہیں رہی اس نے ایک ایک کپڑا کھول کر دیکھا اور ایک طرف رکھتا چلا گیا اور میں وہ کپڑے گول مول کر کے شاپر میں ٹھونستی گئی اس کے بعد کھانے والا سامان چیک ہوا اور ہمیں اندر بھیج دیا گیا اندر پہنچ کر سنتری نے زور زور سے اُن مجاہدین کے نام پکارے جن کی ملاقات آئی تھی ہم نے احتیاطاً کرہامہ گاندربل سے تعلق رکھنے والے ایک اسیر مجاہد شبیر احمد کا نام لکھوایا تھا کیونکہ مشتاق بھائی کے کارڈ پر بھی وہاں کا ہی ایڈریس لکھا ہوا تھا سرینگر کے مجاہد خصوصاً عبدالرحمٰن کے بارے میں زیادہ پوچھ تاچھ کا خطرہ تھا ہمارے سامنے ایک کوٹھڑی نما چھوٹا سا کمرہ تھا جس پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں تھوڑی ہی دیر میں اُدھر ایک نوجوان آ کھڑا ہوا سلاخوں کے اندر سے وہ ہماری طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو یہ شبیر احمد تھا جن کا ہم نے نام لکھوایا تھا سنتری کے جانے تک مشتاق بھائی نے اس سے سلام و دعا کا سلسلہ جاری رکھا بعد میں عبدالرحمٰن کا بتایا..... اس کوٹھڑی کے متصل ایک بڑا اور کشادہ کمرہ تھا اس پر بھی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور اندر کافی سارے نوجوان جمع تھے شاید یہ سب لوگ ملاقات کے لئے ادھر لائے گئے تھے ان اسیروں پر نظر پڑتے ہی میں ٹھٹک گئی کیونکہ ان میں ہمارے علاقے کے کئی لوگ تھے جن میں مجاہدین کے خاص آدمی چیف ولی اللہ اور میرے چچازاد بھائی عمر مختار خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ تمام لوگ غازی بابا کی شہادت کے موقع پر پابند سلاسل کر دیئے گئے تھے اور چھ سات ماہ گذرنے کے باوجود ابھی تک رہائی

کے انتظار میں تھے اسی دوران میری نظر صفا پورہ سے تعلق رکھنے والے ایک انڈین نواز بلکہ غدار گل خان پر پڑی ان سب غداروں نے آج ہی ادھر آ کر مرنا تھا میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اس طرف سے رخ پھیر لیا گل خان سر پر قراقلی ٹوپی رکھے اور لمبا سا فیرن پہنے بڑی اکڑ سے بارک کے سامنے ٹہل رہا تھا اور یقیناً شاہینو کو کرگس بننے کا درس دے رہا تھا کہ تم شجاعت کو چھوڑ کر بزدلی اختیار کر لو تو میں جلد ہی انڈین حکومت سے تمہاری رہائی کا پروانہ لے آؤں گا..... کیونکہ بے گناہی کی سزا بھگتنے والے جوان ایسے ہی موقعوں پر ان غداروں کے دام میں آ جاتے ہیں یہ سب لوگ مخلص مجاہدین کے ساتھ تعاون یا انہیں گھر میں پناہ دینے کے جرم سے قید کر لئے گئے تھے اور سرینگر کے بجائے جموں کی جیل میں پہنچا دیئے گئے تھے گل خان مکمل طور پر انڈیا کا حامی تھا اور ان اسیروں کی صرف علاقائی بنیاد پر مدد کر رہا تھا بہر حال اس پر کسی مجاہد کی مخبری یا شہید کروانے کا کوئی الزام نہ تھا اس لئے مجاہدین سے بچا ہوا تھا ورنہ مجاہدین ایسے غداروں کو زیادہ دیر مہلت نہ دیتے تھے.....مختار بھائی جان پر نظر پڑی تو دل پر چوٹ سی لگی وہ بہت کمزور اور بیمار سے لگ رہے تھے دل میں آیا کہ ان کا حال احوال پوچھ لوں مگر اتنے سارے لوگوں خصوصاً گل خان کی موجودگی میں یہ مناسب نہ لگا یہ سوچ کر اس طرف سے نظریں پھیر لیں اس دوران بھائی عبدالرحمٰن بھی آ چکے تھے لمبا سا فیرن پہنے اور بالوں میں چاندی کی تاریں لئے وہ عظیم مجاہد میرے سامنے آیا تو اسے دیکھ کر آنکھیں بھر آئیں..... بھائی تم دو سالوں میں بوڑھے ہو گئے؟ ہاں ..... بھلا عقاب اور شاہین بھی کبھی قید میں خوش رہ سکتے ہیں میں نے دل ہی دل میں سوچا ..... مجھے اندازہ تھا کہ ہر وقت کچھ کر گزرنے کی سوچ رکھنے والا قندھاری ان سلاخوں کے پیچھے ایک ہاتھ سے معذور ہو کر کس کیفیت سے گذر رہا ہوگا.....سلام دعا اور حال احوال پوچھنے کے بعد وہ کوٹھڑی کے اندر سلاخوں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گے ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی باہر کی جانب فرش پر بیٹھ گئے چند لمحے دونوں طرف گہری خاموشی چھائی رہی بھائی فرش پر نظریں گاڑے جیسیکسی گہری سوچ میں گم تھے میں ان کی کیفیت سمجھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا میں انہیں ان کے عزیز دوست اور استاد کی جدائی پر تعزیت کروں یا یہ میرے ساتھ تعزیت کریں گے چونکہ میری اس سے قبل کبھی اُن سے زیادہ بات چیت نہ ہوئی تھی اس لئے جھجک اور ان کی رعبدار شخصیت کی وجہ سے اس وقت بھی بات کرنے میں پہل نہ کی کافی دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا اور پوچھا فاطمہ کیسی ہے.....ٹھیک ہیہو گی بھائی! وہ اب اپنی دادی امی کے پاس چلی گئی ہے، اچھا!! انہوں نے حیرت سے کہا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولے استاد جی نے جانے میں بہت جلدی کی کیا واقعہ ہوا تھا..... میں نے انہیں مختصراً تمام واقعہ سنایا اور کہا بھیا بس ان کا وقت مقرر تھا باقی سب بہانہ بنا میری آواز بھرا گئی مگر ان کے قاتل ابھی تک زندہ کیوں ہیں ساتھی کیا کر رہے ہیں عثمان بھائی کدھر ہیں ان سے تو مجھے بہت امیدیں تھیں ان کا لہجہ ایک دم تیز ہو گیا اور آنکھیں جذبات کی شدت سے سرخ ہو گئیں..... پھر میں نے انہیں وہ تمام حالات بتائے جو مجاہدین پر گذر رے تھے اور پکڑے جانے والے تمام ٹھکانوں کا بھی بتایا ان سب حالات کے باوجود مجاہدین سرینگر کو بالکل خالی نہیں چھوڑے ہوئے بلکہ سیٹ اپ بحال کرنے میں دن رات محنت کر رہے ہیں پوری کہانی سننے کے بعد انہوں نے مجھے کچھ جگہوں کا پتہ بتایا اور ساتھیوں کے لئے پیغام وغیرہ دیا جو اس ملاقات کا اصل مقصد تھا یہ بات انہوں نے بہن جی اور مشتاق بھائی کے سامنے نہیں بتائی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ تین افراد کو اس بات کا علم ہو..... اس کے بعد انہوں نے اپنی بوڑھی اور ضعیف والدہ کے لئے کچھ پیغام اور ایک امانت مجھے سونپ دی ان کے بھائی ان کی رہائی کے سلسلے میں کافی دوڑ دھوپ کر رہے تھے میں نے انہیں وہ کاغذات دیئے جو ان کے گھر سے لائی تھی کاغذات دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ ان کو اندر لاتے ہوئے کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی.....ان کی وجہ سے کوئی مسئلہ نہ بنا البتہ برقعے پر انہوں نے بہت تنگ کیا یہ سننا تھا بھائی غصے سے کھڑے ہوئے اور سنتری کو آواز دے کر بلایا ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ اسے کیوں بلا رہے ہیں..... لیکن اگلا مرحلہ دیکھ کر ہمارے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے ہمارے سامنے ایک قیدی سیکورٹی اہلکار کو زبردست ڈانٹ پلا رہا تھا چونکہ ہمارا جیل میں آنے کا یہ پہلا موقعہ تھا اس لئے ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کشمیر میں نہتے لوگوں پر شیروں کی طرح دھاڑنے والے فوجی اسیر مجاہدین کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہیں یہ بات تو ہمیں بعد میں حضرت امیر محترم اور دیگر اسیران اسلام کی سرگزشت پڑھ کر معلوم ہوئی..... بھائی نے اسے انتہائی سخت الفاظ میں کہا کہ آپ لوگوں نے برقعے پر کیوں

اعتراض کیا فوجی صفائیاں دینے لگا ارے بھائی کسی نے کچھ نہیں کہا آپ کے سامنے برقعے میں موجود ہیں.....اب ملاقات کا وقت ختم ہو رہا تھا سنتری آوازیں لگا رہا تھا ہم نے شاپر کے اندر سے کپڑے اور دوسری چیزیں نکال کر بھائی کو دے دیں کھانے کا سامان دیکھ کر بولے اس کی کیا ضرورت تھی بس زندہ رہنے کے لئے دو وقت کی روٹی مل ہی جاتی ہے ہم نے کہا یہ آپ سب اسیر بھائیوں کے لئے ہے سب میں تقسیم کر دیجئے گا انہوں نے سامان ایک ساتھی کے حوالے کیا اور بولے آپ لوگ آرام سے چلے جائیں میں چھت پر کھڑا ہو کر دیکھتا رہوں گا تا کہ کوئی آپ کو تنگ نہ کرے ہم ان سے اجازت لے کر باہر آئے صحن سے گذرتے ہوئے دیکھا وہ واقعی چھت پر کھڑے تھے ہم گیٹ سے باہر آئے تو انہوں نے ہاتھ ہلا کر ہمیں خدا حافظ کہا جب تک ہمیں گاڑی نہ ملی تب تک وہ ادھر ہی کھڑے ہماری طرف دیکھتے رہے انہیں دیکھ کر دل پسیج گیا یقیناً اس وقت انہیں اپنا کشمیر، گھر اور میدان جہاد یاد آ رہا ہوگا یہ سوچ کر دل سے دعا نکلی اے اللہ بھائی عبدالرحمٰن اور اس جیل میں قید تمام بھائیوں کو رہائی نصیب فرما اور ٹھیک ایک سال بعد جب میں پاکستان آ چکی تھی بھائی عبدالرحمٰن اللہ کے فضل و کرم سے اور مجاہدین کی کاوشوں سے رہا ہو گئے۔

* * *

برہمن کا تعصب

سہ پہر تین بجے ہم واپس اسی ہوٹل میں آئے جہاں گذشتہ رات ٹھہرے تھے ظہر کی نماز پڑھی پھر کھانا کھایا مشورے سے طے ہوا کہ اگلی صبح واپسی کا سفر کیا جائے تا کہ شام تک سرینگر پہنچا جا سکے.....بہن جی نے کچھ خریداری وغیرہ کرنی تھی اس کے لئے قریبی مارکیٹ میں چلیگئے جموں شہر میں اکثریت ڈوگروں کی ہے اس کے علاوہ کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہونے کے بعد جو پنڈت خاندان وہاں سے بھاگے انہوں نے بھی جموں کو ہی اپنا مسکن بنا لیا..... ہر طرف کھڑے مندروں اور سڑکوں پر جگہ جگہ ان کے پتلوں (مورتیاں) نے اس خوبصورت شہر کو بت کدہ بنا کے رکھ دیا ہے میرے لئے جموں شہر کو قریب سے دیکھنے کا یہ پہلا موقعہ تھا اس سفر کے دوران مجھے یہ بات خوب سمجھ میں آئی کہ ہندو اور ڈوگرے مسلمانوں سے کس قدر تعصب اور نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں اس کی ایک دو مثالیں یہاں پیش کرتی ہوں تا کہ وہ مسلمان جو ہندوؤں کی ثقافت کو اپنانا باعث فخر سمجھتے ہیں وہ جان لیں کہ ہندو بنیا اسلام اور مسلمانوں کی ثقافت سے کس قدر نفرت کرتا ہے.....ہم لوگ جس دوکان میں خریداری کے لئے گئے وہ ایک ہندو کی تھی شکل وصورت اور لباس سے کافی مہذب دکھائی دیتا تھا مگر اندر سے اتنا ہی خبیث تھا سامان دکھاتے ہوئے وہ ہمیں کچھ اس طرح گھور رہا تھا جیسے اسے ہم پر غصہ آ رہا ہو ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے برقعے دیکھ کر اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہیں مگر ہمارے پاس تعصب کی بیماری کا کیا علاج تھا.....آخر کار وہ اپنی تکلیف چھپا نہ سکا اور نہایت مکارانہ انداز اپناتے ہوئے بولا.....سسٹر کوئی پرابلم یعنی کوئی تکلیف وغیرہ ہے؟..... میں اس بدبخت کے لہجے میں چھپا طنز خوب سمجھ گئی اس کے باوجود نارمل انداز میں جواب دیا جی نہیں الحمدللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے.....تو پھر آپ نے چہرہ کیوں چھپایا ہوا ہے؟.....اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب میں عورت کا بے پردہ باہر نکلنا جائز نہیں اس بات سے وہ اور جل بھن گیا کہنے لگا مگر ساری مسلمان عورتیں تو پردہ نہیں کرتیں.....اب اس خبیث سے کون بحث کرے میں نے دل میں کہا بہن جی کو اردو بولنا نہیں آتی تھی اس لئے وہ اس معاملے میں آزاد تھی لیکن میرے سامنے کوئی بدبخت کافر بکواس کرتا تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے دیتی اس کی بک بک سن کر مشتاق بھائی تیز لہجے میں بولے دیکھیں بھائی صاحب! ہر انسان کی اپنی اپنی سوچ ہے وہ اسی کے مطابق چلتا ہے آپ نے سامان دینا ہے تو دیں ورنہ دکانیں اور بھی ہیں..... چلئے بھائی جان کہیں اور سے دیکھتے ہیں میں نے ان سے کہا..... پھر ہم اس دکان سے باہر آئے اور دوسری جگہ سے سامان خریدا جب ہم ہوٹل کی طرف واپس آ رہے تھے تو ایک اور بدبخت کافر ہم سے الجھ پڑا، مجھے اس پر اتنا غصہ آیا دل کیا ایک پتھر اٹھا کر اس کا سر پھوڑ دوں بے

شک پھر جان بھی کیوں نہ چلی جائے.....کالا رنگ پیلے دانت اور سرخ آنکھوں والا وہ مکروہ شکل انسان ہمارا راستہ روک کر کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا..... یہ آپ لوگوں نے چہرے کیوں چھپائے ہوئے ہیں اور یہ کالے کپڑے کیوں پہنے ہیں سچ سچ بتاؤ کون ہو تم لوگ؟.....دل میں آیا کہ اسے کہوں تم ہوتے کون ہو پوچھنے والے اتنے میں مشتاق بھائی نے جواب دیا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں.....اچھا آپ کا مجہب (مذہب) یہ کہتا ہے کہ منہ چھپا کر چلو اور یہ کالے چولے پہنو وہ بد بخت ہمارے دین پر طنز کر رہا تھا.....آپ کے مذہب کی طرح تو نہیں کہتا نا کہ عورتیں ننگے سر ننگے بدن پھرتی رہیں یہ کہہ کر میں اور بہن جی تیزی سے آگے بڑھ گئیں، ہوٹل قریب تھا کمرے میں جا کر دم لیا پھر صبح تک باہر نہیں نکلیں مشتاق بھائی خود کھانا وغیرہ لے آتے تھے..... یہ برہمن کتنا تنگ نظر، متعصب اور اسلام دشمن ہے تمام رات میں یہ باتیں سوچتی رہی بے شک مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن ایک آزاد ملک بہت بڑی نعمت ہے جہاں وہ عزت و آزادی کے ساتھ زندگی گزار لیں ہندوستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کا سوچ کر دل کانپ اٹھا نجانے وہ لوگ انمشر کوں کے درمیان کس طرح جی رہے ہیں.....کاش تمام مسلمان متحد ہوں اور ہندوستان و کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو مکار برہمن کے چنگل سے آزادی مل جائے۔

* * *

جموں سے واپسی اور جمال بھائی سے ملاقات

اگلے دن علی الصبح سرینگر روانہ ہوئے راستے میں ''کو'' کے مقام پر گاڑی رک گئی یہاں سے جموں کی خاص سوغات سوہن حلوہ، عمدہ قسم کی مٹھائی اور مربہ جات دستیاب ہوتے ہیں سوہن حلوہ کشمیر میں نہیں ملتا اس لئے لوگ عموماً جموں سے سوغات کے طور پر لے جاتے ہیں میں نے بھی مجاہدین کے لئے سوہن حلوے کے کچھ ڈبے خریدے جنہیں پا کر پاکستانی مجاہدین کو خوشگوار حیرت ہوئی کیونکہ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ کشمیر میں بھت اور نون چائے کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ملتی، خالص پاکستانی اسٹائل کا حلوہ پا کر انہیں بے حد خوشی ہوئی.....سرینگر پہنچ کر رات بہن جی کے ہاں ٹھہر گئی، دوسرے دن لڑگام (ترال) گئی اور جمال بھائی کو ملاقات کی تمام رپورٹ دیدی.....اس کے بعد میری کارروائی کے موضوع پر بات ہوئی انہوں نے کہا کہ اس کی تیاری ہو رہی ہے تقریباً 80 کلوگرام بارود بن چکا ہے اب اس کو تیار کرنے کے لئے مزید 20 کلوگرام ایک کیمیکل کی ضرورت ہے ہمیں انڈیا کے شہر بمبئی یا بنگلور سے منگوانا پڑے گا اس پر کچھ وقت لگ سکتا ہے بہر حال آپ دعا کریں اور اپنی تیاری مکمل کر لیں کارروائی چونکہ کار کے ذریعے کرنی تھی، اس کے لئے سب سے پہلے ڈرائیونگ سیکھنی تھی، جمال بھائی نے مجھے کہا کہ آپ اس یعنی مئی کے مہینے میں ڈرائیونگ سیکھ لیں تب تک امید ہے ہمارا کام مکمل ہو جائے گا۔

* * *

فدائی کارروائی کی تیاریاں

واپس آ کر میں نے رابعہ سے مشورہ کیا وہ بھی تھوڑی بہت ڈرائیونگ جانتی تھی مگر اتنی نہیں کہ کسی کو سکھا سکے اس معاملے میں ایک مرتبہ وہ اپنا کارنامہ دکھا چکی تھی اس لئے بعد میں بھائی اسے گاڑی نہیں دیتے تھے.....دراصل وہ اپنے بڑے بھائی سے چھٹی والے دن عیدگاہ گراؤنڈ میں گاڑی چلانا سیکھتی تھی ایک مرتبہ گھر واپس آتے ہوئے بھائی سے ضد کی کہ وہ گاڑی اسے دے دیں اب وہ چلا سکتی ہے، راستہ سیدھا تھا رش بھی اتنا زیادہ نہ تھا شاہد بھائی نے اسے گاڑی دے دی اب محترمہ نے اسٹئرنگ سنبھالی ماشاءاللہ برقعہ بھی پہنا ہوا ہے صرف آنکھیں کھلی ہیں کچھ دیر سیدھا چلتی رہی لیکن پھر توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور گاڑی سڑک کے کنارے فوجی بنکر پر دے ماری بھارتی فوجی سمجھے شاید کوئی فدائی آ ٹکرایا پھر کیا تھا گنوں کے لاک کھولے اور شور مچاتے

ہوئے پوزیشنیں سنبھال لیں قریب تھا کہ وہ گاڑی پر فائر کھول دیں..... یہ صورتحال دیکھ کر دونوں بہن بھائی سخت گھبرائے شاہد بھائی فوراً گاڑی سے اترے اور ہاتھ لہرا کر پکارا سر سر ہم سول ہیں غلطی سے گاڑی ٹکرائی ہے، بڑی مشکل سے جان بچا کر نکل بھاگے، اس بات پر رابعہ کا خوب مذاق بنا سب اس کو چھیڑتے تھے کہ تجھے ٹکرانے کے لئے بنکر کے علاوہ کوئی دوسری جگہ نہ ملی یا فدائی حملے کی پریکٹس کر رہی تھی.....اس دن بھی ہم یہ واقعہ یاد کر کے خوب ہنسے رابعہ کہنے لگی کہ گھر میں گاڑی موجود ہے دونوں بھائی چلانا بھی جانتے ہیں مگر اس سے گھر والوں کو وقت سے پہلے ہی شک پڑے گا..... ہاں یہاں تو قطعی مناسب نہیں ہے کچھ اور سوچو، میں نے کہا کرن نگر میں ایک ڈرائیونگ اسکول ہے وہاں پر صرف لڑکیوں کو سکھایا جاتا ہے لیکن وہاں داخلہ بڑی مشکل سے ملتا ہے کیونکہ وہاں کافی رش ہوتا ہے رابعہ کے بتانے پر اگلے دن ہم کرن نگر گئے معلوم ہوا یہاں تین ماہ کا مکمل کورس ہوتا ہے اس کے بعد سند مل جاتی ہے ہمیں نہ تو کورس کی ضرورت تھی نہ ہی سند کی کیونکہ ہم نے کونسا مکمل ڈرائیور بننا تھا بس اتنی سوجھ بوجھ کی ضرورت تھی کہ گاڑی ٹارگٹ تک لے جاسکیں لیکن داخلہ حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ فارم وغیرہ بھرنا تھا سو فارم وغیرہ لے آئے اگلے دن اسے جمع کرایا ساتھ ایک ماہ کی فیس بھی دے دی مجھے امید تھی کہ میرا مقصد ایک ماہ سے پہلے حل ہوگا پھر میں آنا چھوڑ دوں گی.....گھر آ کر آنٹی کو بتایا کہ کمپیوٹر سنٹر میں داخلہ لیا ہے کیونکہ انہیں مطمئن کرنا ضروری تھا ورنہ روزانہ آنے جانے پر انہوں نے باز پرس ضرور کرنی تھی انہوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا اور بولیں چلو فارغ بیٹھنے سے اچھا ہے کچھ سیکھ لو گی اور ذہن بھی بٹ جائے گا اب میں روزانہ گھنٹے کیلئے ڈرائیونگ اسکول جاتی تھی اور واپس رابعہ کے گھر آ جاتی.....نصرت اور رابعہ کے علاوہ سب گھر والے یہی سمجھ رہے تھے کہ میں کمپیوٹر سیکھنے جاتی ہوں اس طرح ہمارا یہ راز آخر تک راز ہی رہا.....اتفاق سے یہ اسکول کرن نگر بی ایس ایف کیمپ کے بالکل ساتھ تھا، یہ وہی کیمپ تھا جنہوں نے غازی بابا کو شہید کیا اور سرینگر کی ہائیڈیں پکڑ لیں تھیں، گاڑی کو آتے جاتے کیمپ کے گیٹ سے گزرنا ہوتا تھا گیٹ پر بنے بنکر میں فوجی روزانہ مجھے نقاب پہنے گاڑی چلاتے ہوئے گھور گھور کر دیکھتے رہتے تھے اور میں تصور میں ان پر آگ اور بارود برسا رہی ہوتی تھی.....ایک مرتبہ جب میں گاڑی لے کر واپس آ رہی تھی عین اس وقت کیمپ کے گیٹ پر فوجی ہجوم کی صورت میں کھڑے نظر آئے شاید ان کا کسی دوسری جگہ تبادلہ ہو چکا تھا وہ انتہائی بے پروائی کے عالم میں بستر اور دیگر سامان گاڑی پر لوڈ کر رہے تھے جبکہ سامنے سے ٹریفک رواں دواں تھی ان کی طرف نہ کوئی رکاوٹ تھی نہ حفاظت ایسے وقت انہیں بڑی آسانی سے شکار کیا جاسکتا تھا میرے دل میں آیا کاش! اس گاڑی میں بارود بھرا ہوتا اور میں اسے سیدھا ان کافروں کے بیچ میں لے جا کر اڑا دیتی.....اس کیمپ کا ایک ایک فوجی مجھے جہادی شہید کا قاتل نظر آتا تھا انہیں دیکھ کر میرا جذبۂ انتقام مزید بھڑکنے لگتا تھا.....اس اسکول کا روٹ کرن نگر سے صفا کدل عید گاہ سے ہوتے ہوئے صورہ تک تھا، ان علاقوں سے میرا جذباتی تعلق تھا ان راستوں سے گذرتے ہوئے مجھے شہید بہت زیادہ یاد آتے تھے اس لئے میں نے اپنے طور پر یہ سوچ رکھا تھا کہ میں کرن نگر بی ایس ایف کیمپ پر ہی حملہ کروں گی کرتے کرتے ایک ماہ ہو گیا اور میں کرن نگر سے صورہ تک بہ آسانی گاڑی لے جانے لگی اب میں نے محسوس کر لیا کہ مقصد پورا ہو گیا چنانچہ اسکول جانا بند کر دیا۔

جون 2004 کا مہینہ شروع ہو چکا تھا مجھے یقین تھا کہ جمال بھائی کے کہنے کے مطابق جون میں کارروائی ضرور ہوگی اور مجھے کسی بھی وقت بلایا جائے گا میں اپنے دیگر کام جلد نمٹانا چاہتی تھی تاکہ آخری دن صرف یاد خدا اور توبہ استغفار میں گذارے جائیں اس بات کے پیش نظر گھر والوں کو آخری ملاقات سمجھ کر پیغام بھیجا یہ ملاقات راضیہ کدل کے مقام پر ہوئی اس مرتبہ دیدی کے ساتھ میرے بھائی جان بھی آئے تھے، بھائی نے آتے ہی پوچھا سیرت کہاں ہے اسے ساتھ کیوں نہیں لائیں؟.....اب کیا جواب دیتی کچھ سمجھ نہ آئی اور کہہ دیا بس وہ ادھر قریب ہی ہے مجھے کچھ کام تھا اس لئے ساتھ نہیں لائی انہوں نے کہا قریب ہی ہے تو فوراً اس کو لے آؤ میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں.....اب بات کر کے پھنس گئی انہیں ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اصرار کرتے رہے بالآخر بتانا پڑا کہ سیرت فاطمہ ہم سے بہت دور جا چکی ہے دونوں بہن بھائی ششدر رہ گئے کہ میں نے اتنا بڑا فیصلہ کیا اور انہیں بھنک تک نہ پڑنے دی اور وہ معصوم بچی ماں باپ کے بغیر کیسے جی رہی ہوگی انہیں مطمئن کرنا

آسان نظر نہ آیا نہی اپنے مشن کے بارے میں کچھ بتانا مناسب لگا چنانچہ یہ کہہ کر انہیں مطمئن کیا کہ میں بھی جلد پاکستان جانے والی ہوں دونوں کا اکٹھے جانا مناسب نہ تھا اس لئے مرکز نے پہلے بچی کو بلایا وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہے اب میرے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں..... یہ ایسی کہانی تھی جس پر آنکھیں بند کر کے یقین کیا جا سکتا تھا بھائی جان کو یقین آ بھی گیا لیکن بہن کو نہیں کیونکہ پچھلی ملاقات میں میں نے ان کے سامنے فدائی کارروائی کا ذکر کر دیا تھا دیدی نے مجھے علیحدگی میں لے جا کر پوچھا شانو سچ سچ بتاؤ کہیں اُدھر جانے کی تیاری تو نہیں کر رہی اگر ایسا ہے تو مجھے ضرور بتانا ارے نہیں دیدی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ ابھی سے رونے نہ بیٹھ جانا میں نے بہن کو تسلی دیتے ہوئے کہا لیکن وہ اب بھی مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو اور جاتے ہوئے بڑی دور تک مڑ مڑ کر میری طرف دیکھتی رہی۔

* * *

ماں کے نام آخری پیغام

دن گذر رہے تھے میں، نصرت اور رابعہ اب زیادہ وقت اکٹھے گذارتی تھیں ہم سب کو آپس میں بہت محبت تھی ان دنوں گھر کے آخری کمرے میں جس کے پیچھے قبرستان تھا ہم تینوں گھنٹوں بیٹھیں باتیں کرتی رہتی تھیں میری دونوں وفادار سہیلیاں بہت اداس تھیں کہ وہ کیسا دن ہوگا جب ہم آپکو رخصت کر رہی ہونگی رابعہ کہنے لگیں میں تو پھر اس کمرے میں کبھی نہیں آؤں گی آپ کے ساتھ اس کمرے میں جو محفلیں سجتی رہیں وہ بہت یاد آئیں گی..... میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا فکر نہ کرو اللہ نے چاہا تو ہم جنت میں بھی یوں ہی محفلیں سجایا کریں گی بس دعا کرو کہ اللہ پاک مجھے قبول فرمائے میں وہاں بھی اللہ سے آپ دونوں کا ساتھ مانگوں گی..... دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے نصرت بولی میں بھی آپکے بعد فدائی حملہ کروں گی اب زندگی کا کیا مزہ..... وہ دونوں غمگین تھیں لیکن میری روح و جان ایک ان دیکھی خوشی سے سرشار تھیں ان دنوں مجھے لگتا تھا کہ مجھے کوئی دکھ یا غم نہیں ہے اور میں سعادتوں کے سفر پر جانے کے لئے اس طرح تیاری کر رہی تھی جیسے ایک دلہن اپنی شادی کے موقع پر کرتی ہے حالانکہ اپنی شادی کے موقع پر میں نے کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی نہ لال جوڑا نہ سرخی پوڈر اور نہ کھنکتی چوڑیاں مجھے کسی چیز کا شوق نہ تھا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شادی میری زندگی کا مقصد نہ تھا بلکہ مقصد تو تب بھی یہی تھا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور شہادت کا رتبہ حاصل کرنا..... دوسری وجہ یہ تھی کہ جہادی کے رعب کی وجہ سے بھی ان چیزوں سے اجتناب کیا کہ کہیں وہ اس چیز کو برا نہ سمجھیں..... لیکن اس موقع پر دل چاہتا تھا کہ خاص اہتمام کیا جائے اور سج سنور کر جہادی شہید کے پاس چلی جاؤں چنانچہ مشورہ ہوا کہ لال رنگ کا جوڑا مہندی اور چوڑیاں لے لی جائیں کشمیر میں مہندی اور چوڑیاں پہننے کا رواج پاکستان کی بہ نسبت بہت کم ہے صرف شادی بیاہ یا کسی خاص موقع پر ہی ان چیزوں کا استعمال کیا جاتا ہے..... رابعہ کے خیال میں سرخ جوڑے کے بجائے سفید رنگ زیادہ موزوں تھا اس کا مشورہ ماننا پڑا اگلے دن ہم لوگ جامع مسجد (نوہٹہ) گئیں وہاں تلاش بسیار کے بعد پسندیدہ چیزیں خرید لیں واپسی پر ایک خالی کیسٹ بھی لے آئے..... گھر آ کر اپنے پسندیدہ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا میں نے اپنی امی کے لئے ایک کیسٹ ریکارڈ کرائی کافی دنوں سے ان سے ملنے اور بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا مگر ملاقات نصیب میں نہ تھی سو وہ تمام باتیں کیسٹ کے ذریعے کہہ دیں جو میرے دل میں تھیں ایک کشمیری ترانہ اور یہ نظم بھی ریکارڈ کی

اے میری ماں تو مجھے جلد اجازت دے دے
جو بھی دینا ہو بہ عنوان شہادت دے دے

کشمیری ترانہ شہیدوں پر تھا اس میں اس قدر درد و سوز تھا کہ سننے والا اپنے آنسو روک نہ پاتا تھا ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے

جب تک میری آنکھوں پر مٹی نہ پڑے (یعنی قبر میں نہ جاؤں)
تب تک اے غازی تیرا غم میرے دل سے نہ نکل سکے گا
اے شہید میں حشر کے دن تمہارا انتظار کروں گی

نصرت کہنے لگی کہ یہ ترانہ سن کر آپ کی امی تڑپ اٹھیں گی میں جانتی تھی کہ واقعی ایسا ہی ہوگا کیونکہ میری امی کو معلوم تھا کہ مجھے بچپن سے ہی نظمیں، ترانے پڑھنے کا بالکل شوق نہ تھا یہ ترانہ سن کر وہ اسے میرا درد دل ہی سمجھ لیں گی اور یہ کہ جہادی شہید کی جدائی نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے..... بہرحال میں نے سب گھر والوں سے رشتہ داروں سے معافی کی درخواست کی سب کو سلام بھیجا اور کیسٹ کو بند کر کے حفاظت سے رکھ دیا۔

* * *

اعتکاف

اگلے دن میں نے نفلی اعتکاف کرنے کا ارادہ کیا تا کہ آخری وقت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگوں اور کارروائی میں فتح و کامیابی کی دعائیں بھی چنانچہ تین دن نفلی اعتکاف کی نیت کر کے اسی کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھ گئی..... رابعہ یا اس کی چھوٹی بہن نائلہ کھانا وغیرہ پہنچا دیتی باقی کسی کو کمرے میں آنے کی اجازت نہ تھی میں تمام وقت اپنے گناہوں پر توبہ استغفار کرتی رہتی کبھی کبھی دل خوف سے لرز اٹھتا یا اللہ اگر تو نے اپنی رحمت سے بخش نہ دیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا ظاہر ہے انسان چاہیکتنا بڑا اور نیک کام کر کے دنیا سے چلا جائے بخشش کا دارومدار تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہے نہ کہ انسان کے اعمال پر.....سو یہ ایک ایسا مرحلہ تھا جس میں دل کا پگھل کر موم ہو جانا فطری بات تھی میں سجدوں میں گڑگڑا کر اللہ پاک سے بخشش کا سوال کرتی اور کارروائی میں فتح و کامرانی کی دعائیں مانگتی بس چاہتی تھی کہ اتنے کافروں کو مردار کر کے شہید ہو جاؤں کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میری قربانی رائیگاں گئی۔

چنانچہ میں نے صدق دل سے دعائیں مانگیں حتٰی کہ میرے دل کو یقین ہو چلا کہ یہ کارروائی شاندار اور کامیاب کارروائی ہوگی، اس وقت میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ میری دعاؤں کا ثمر کسی اور خوش قسمت کو ملے گا۔

تیسرے یعنی آخری دن سوچا کہ استخارہ بھی کر لوں ان دنوں امیر محترم حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب کی کتاب تحفہ سعادت کا ایک نسخہ مجھے مل گیا تھا وہ کتاب مجھے کسی مجاہد بھائی نے ہدیہ دی تھی اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا وہ میرے جیسے درد کے ماروں کے لئے لکھ دی گئی ہے میں اسے ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی اور جہاں بھی جاتی ہر کوئی مجھ سے وہ کتاب مانگتا تھا کیونکہ کشمیر میں ایسی نایاب کتابیں کم ہی ملتی ہیں.....اللہ تعالیٰ امیر محترم کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے یہ کتاب غم کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے مسلمانوں کے لئے روشنی کا مینارہ ہے چنانچہ میں رات گئے تک اسی کتاب سے دعائیں اور وظیفے پڑھتی رہی پھر استخارے کی دعا پڑھ کر سو گئی اور پھر خواب میں دیکھا کہ انصار شہید آئے ہیں اور رابعہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں باجی ان کا سامان تیار کر لیں استاد جی ان کو بلا رہے ہیں وہ پوچھتی ہیں واپس کب آنا ہے اور جانا کب ہے؟.....

انصار بھائی کھڑکی سے باہر اشارہ کر کے کہتے ہیں اس جگہ جانا ہے اور بیس دنوں کے بعد واپس آئیں گی ہم دونوں باہر دیکھتی ہیں دور ایک چھوٹی سی سرسبز پہاڑی نظر آتی ہے ادھر کافی سارے مجاہدین جمع ہیں اور غازی بابا شہید بھی ان میں شامل ہوتے ہیں اب ہم دونوں گھر سے باہر نکل کر ایک کار میں سوار ہو جاتے ہیں انصار شہید گاڑی چلا رہے ہوتے ہیں اور میں خاموش بیٹھی ہوتی ہوں کچھ دور چلنے کے بعد کیمپ آتا ہے فوجی ہمیں دیکھتے ہی سڑک پر ''پول'' گرا کر ہمارا راستہ روک لیتے ہیں اب کیا ہوگا بھائی! میں نے انصار بھائی سے پوچھا آپ فکر نہ کریں ہم گزر جائیں گے وہ اطمینان سے جواب دیتے ہیں اور پھر مجھے سمجھ ہی نہیں آتی کہ ہم کس طرح اس جگہ سے گذر گئے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم گذر آئے ہیں.....ٹھیک تہجد کے وقت میری

آنکھ کھل گئی خواب یاد آیا تو خوشی سے نعرہ مارا مجھے یقین ہوا کہ اللہ پاک مجھے اپنے راستے میں قبول فرمالیں گے مگر وہ رکاوٹ کیا ہے؟ یہ سوال بھی سر اٹھا رہا تھا بہر حال میں نے تمام معاملات اللہ پر چھوڑے اور آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگی۔

یہ 29 جون 2004 کا دن تھا مجھے جمال بھائی کی طرف سے ترال پہنچنے کا پیغام ملا میں بہت خوش ہوئی کہ یقیناً کارروائی کے متعلق کوئی بات ہوگی کیونکہ انہوں نے گذشتہ ملاقات میں مجھے بتایا تھا کہ انشاء اللہ جون میں کارروائی ہوگی..... کیا آپ دوبارہ ادھر آؤ گی رابعہ نے سوال کیا اس کے لہجے میں تشویش تھی کیوں نہیں آخر آپ سے مہندی تو لگوانی ہے نا میں نے مذاق کے انداز میں جواب دیا مگر وہ پھر بھی سنجیدہ اور اداس لگ رہی تھی میری تمام چیزیں وہ اپنی الماری میں سنبھال کر رکھتی تھی..... جاتے ہوئے میں نے اس سے وہ کیسٹ لے لی وہ میں بھائی جان کے حوالے کرنا چاہتی تھی کیونکہ مجھے خود علم نہ تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے اور کیا پتہ بعد میں ملاقات کا موقعہ ملے یا نہیں..... گھر سے نکل کر میں نے قریبی پی سی او سے بھائی جان کو فون کیا اور انہیں ایک جگہ بلا لیا میرے وہاں پہنچنے تک وہ بھی آ گئے اور یوں اچانک بلانے کی وجہ پوچھی میرے دماغ میں اور کوئی بات نہ آئی تو یہی کہا شاید میرا اچانک پار جانے کا پروگرام بن جائے ایک امانت امی کے لئے آپ کو دینی تھی جانے کیوں ہر بار میرے ذہن میں وہی بہانہ آتا تھا شاید اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی فیصلہ فرمانا تھا میں نے بھائی جان کو پیک شدہ کیسٹ دی اور ان سے وعدہ لیا کہ جب تک آپ کو میرے جانے کی اطلاع نہ ملے آپ نہ خود سنیں گے نہ ہی کسی اور کو دیں گے یہ میری آپ کے پاس امانت ہے..... وہ حیرانگی کے عالم میں کبھی میری اور کبھی کیسٹ کی طرف دیکھ رہے تھے پھر وہ بولے کیا اس طرح سب سے ملے بغیر اتنی دور جاؤ گی یہ کوئی ایک شہر سے دوسرے شہر والی بات تو نہیں ہے اور پھر وہاں سے تو آنا جانا ہی مشکل ہے..... انہیں کیا معلوم تھا کہ میں دوسرے جہان جانے کی تیاریاں کر رہی ہوں اور اس سے پہلے ماں جی سے ملنے کا بہت دل کرتا ہے بھائی جان سے ان کے بارے میں پوچھا تو یہ سن کر مجھے شدید دکھ ہوا کہ امی کافی دنوں سے بیمار ہیں پھر وہ بولے کہ وہ ایک ہفتے تک آفس کے کاموں میں مصروف ہیں اگلے ہفتے گھر جائیں گے اگر امی کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو انہیں لے آئیں گے آپ فون کرتی رہنا..... ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی اللہ نے چاہا تو ضرور ملاقات ہوگی ورنہ..... اس سے آگے میں کچھ بھی نہ کہہ پائی..... بھائی جان میری کیفیت بھانپ گئے تھے کہنے لگے آج آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں فکر نہ کرو میں اگلے ہفتے امی کو لے آؤں گا میں انہیں کیا بتاتی کہ شاید اگلے ہفتے تک میں آپ لوگوں سے بہت دور جا چکی ہونگی اور پھر ہوا بھی یہی اس کے بعد نہ میری بھائی جان سے ملاقات ہوئی نہ ہی امی سے اور اگلے ہفتے میں جدائیوں کے طویل سفر پر روانہ ہو چکی تھی اس دن میرے ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ میں شہید ہو کر اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہونے والی ہوں آج سوچتی ہوں کہ وہ جدائی اتنی مشکل اور صبر آزما نہ ہوتی کیونکہ مرنے والوں یا دنیا سے جانے والوں پر ایک نہ ایک دن صبر آ ہی جاتا ہے لیکن اپنوں سے جیتے جی جدا ہونا بہت صبر آزما اور تکلیف دہ بات ہے..... بھائی جان کو رخصت کرنے کے بعد میرے قدم خود بخود ایک پی سی او کی طرف اٹھ گئے اور بے اختیار گھر کا نمبر ملایا گھر والوں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہیڈ کوارٹر والوں نے ہمارے پی سی او سے لائن لی ہوئی ہے اور وہ گھر کے سارے فون سن لیتے ہیں یہی وجہ تھی جو اس عرصے میں کبھی گھر فون نہیں کیا مگر اس دن امی کی آواز سننے کے لئے دل بہت بے چین ہو گیا کافی دیر گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے فون اٹھایا خوش قسمتی سے فون ماں نے ہی اٹھایا ایک کمزور اور نحیف سی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو دل کیا پھوٹ پھوٹ کر روؤں میری ماں بہت بیمار اور کمزور لگ رہی تھی میری آواز سنتے ہی انہوں نے مجھے پہچان لیا کیسے نہ پہچانتی آخر ماں جو تھیں بات کرتے کرتے ان پر گریہ طاری ہو گیا ان کے دل پر جہادی شہید کی جدائی کا صدمہ تھا وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھیں، گھر فون پر کھل کر بات نہیں ہو سکتی تھی تو صرف اتنا کہہ دیا میرے بیٹے کو شاید میری ہی نظر لگ گئی اس دن بہت پیارا صحت مند لگ رہا تھا تو میرا دل خوش ہو گیا مجھے کیا پتہ تھا کہ اگلے ہفتے کیا ہوگا میں سمجھ گئی ماں 22 اگست والی ملاقات کا ذکر کر رہی ہیں..... انہوں نے فاطمہ کو بھیجنے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور مجھ سے پوچھا کہ اب تم اکیلی کس طرح رہ رہی ہو..... انہیں مطمئن کرنے کے لئے میں نے کہہ دیا ماں میں بالکل پریشان نہیں ہوں اللہ پاک نے مجھے بہت حوصلہ دیا ہے..... جانتی ہوں تم کتنی خوش ہونگی تمہارے چھ بہن بھائی میرے پاس ہیں مگر تم نہیں ہو تو کوئی خوشی خوشی نہیں لگ رہی ہر موقعے پر

تمہاری کمی کا احساس ہوتا ہے تمہارے پاس اس بچی کے علاوہ تھا ہی کیا کس کا سہارا ہے؟..... ماں کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی واقعی جس طرح گلاب کے پودے کو پھول بھاری نہیں لگتے اس طرح ماں کو ہر اولاد سے الگ الگ محبت ہوتی ہے بہر حال میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ اللہ پاک کا سہارا سب سے بڑا ہے اور وہ ہر قدم پر میرے ساتھ ہے لیکن ان کے دل کو کب قرار تھا وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں ان کے رونے سے میرا دل بھاری ہو گیا اور جلدی بات ختم کر کے فون بند کر دیا میری آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو گرنے لگے جنہیں ماں سے بات کرتے ہوئے بمشکل روک رکھا تھا پھر پی سی او سے نکل کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

* * *

جمال بھائی سے ملاقات

شام ڈھلنے سے پہلے پہلے لڑگام پہنچ گئی جمال بھائی پوائنٹ پر موجود نہ تھے گھر والوں سے معلوم ہوا کہ مجاہدین ساتھ والے پہاڑ پر ہوتے ہیں مغرب کے بعد ہی نیچے آتے ہیں اندھیرا پھیلتے ہی جمال بھائی ساتھیوں کے ہمراہ آ گئے حال احوال پوچھا اور پھر تیاری کے حوالے سے پوچھنے لگے.....سب تیاری مکمل ہے ڈرائیونگ بھی الحمدللہ کافی حد تک سیکھ لی ہے باقی سب کام بھی نمٹا دیئے اب میں بالکل تیار ہوں آج کل بلکہ ابھی میں نے پرجوش انداز میں کہا اور جمال بھائی سر ہاتھ پر ٹکائے خاموشی سے سن رہے تھے وہ کافی دیر یوں ہی چپ چاپ بیٹھے رہے ان کی طویل خاموشی میرے لئے الجھن کا باعث بن رہی تھی اور میں چاہتی تھی کہ وہ کب کارروائی فائنل ہونے کا بتائیں گے.....لیکن جب انہوں نے بات شروع کی تو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا وہ آہستہ آہستہ کہنے لگے باجی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بات کہاں سے شروع کروں آپ نے اتنی قربانی دی اس قدر محنت اور جذبے سے تمام کام کئے اللہ پاک آپ کو اس کا بہترین صلہ دیں گے انشاءاللہ..... مجھے یہ کہتے ہوئے سخت افسوس ہو رہا ہے کہ یہ کارروائی مؤخر ہو گئی ہے اور مرکز کے ساتھ آپ کے پاکستان جانے کی بات طے ہو گئی ہے میرے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں لیکن اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے ان سے پوچھا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی میں نے سب کام کر دیئے ہیں اور کارروائی مؤخر ہونے کی وجہ کیا ہے؟.....اصل میں تمام کام مکمل تھا میں نے جس کیمیکل کا آپ کو بتایا تھا صرف وہ نہ ملنے کی وجہ سے کام آگے نہ بڑھ سکا، انڈیا میں حالات خراب ہیں وہاں ہڑتالیں وغیرہ ہو رہی ہیں آپ کو تو معلوم ہے کہ یہ چیز اتنی دور سے اتنی آسانی سے نہیں لائی جا سکتی.....راستے میں تلاشی ہوتی ہے دشمن کی نظروں سے بچا کر لانا پڑتا ہے اس طریقے سے اس کام میں کافی وقت لگ جاتا ہے لیکن پھر بھی ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی یہاں سرینگر میں ہر جگہ پتہ کروایا لیکن یہاں اتنی مقدار میں نہیں ملتا جتنا ہمیں ضرورت ہے.....شاید آپ کی زندگی کے دن ابھی باقی ہیں اس لئے تمام تیاری مکمل ہو کر بھی کارروائی نہ ہو سکی.....آپ کے علم میں ہے کہ مرکز بلکہ ہم سب کی یہی خواہش تھی کہ آپ پاکستان چلی جائیں اس معاملے میں مرکز سے کافی پہلے یہ بات طے ہوئی تھی کہ اگر اتنی مدت میں ہماری تیاری مکمل ہو گئی تو ہم کارروائی کریں گے دوسری صورت میں آپ کو پار بھیج دیا جائے گا چونکہ ہماری تیاری نہیں ہو سکی اور مرکز کا بندہ مقررہ مقام پر پہنچا ہوا ہے مرکز کا حکم ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کو بھیج دیا جائے.....وہ بات کرتے جا رہے تھے اور میری آنکھوں سے بارش کی طرح آنسو بہے جا رہے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی تو نہیں بچا تھا جمال بھائی مجھے خاموش دیکھ کر کہنے لگے باجی واللہ! میں آپ کے جذبوں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور شروع دن سے ہی آپ کو اپنی بہن کی طرح سمجھتا ہوں لیکن یہ بھی بتاؤں کہ میری خود یہ دلی خواہش ہے کہ آپ سیرت کے پاس چلی جائیں ان حالات میں جب اسکے سر پر والد کا سایہ بھی نہیں ہے اسے آپ کے سہارے کی بہت ضرورت ہے وہ خاموش ہوئے تو میں نے جواباً کہا..... میں بھی آپ کو بھائی جیسا ہی سمجھتی ہوں مگر آپ کیسے بھائی ہیں کہ میرے لئے اتنا سا کام بھی نہیں کر سکے آپ کو معلوم ہے کہ میں گھر والوں کو بھی آخری پیغام بھیج

چکی ہوں بتائیں میں انہیں کیا جواب دوں؟.....میرے لہجے میں تلخی تھی احتجاج تھا.....اور پاکستان میں میرا کون ہے میں وہاں کس لئے جاؤں اور کیسے رہوں گی میں نے تو جذبہ جہاد میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے وہاں جا کر میں کیا کروں گی میری ہچکیاں بندھ گئیں..... جمال بھائی بولے وہاں بھی آپ کو جہاد کے مواقع ملیں گے آپ اس چیز کی فکر نہ کریں ان کی بات سے میرا دل مطمئن نہ ہوا کہاں محاذ جنگ، دارالحرب اور کہاں دارالامان میری تشویش اور اضطرابی کیفیت دیکھ کر انہوں نے بیس کیمپ مفتی اصغر خان صاحب سے رابطہ کیا انہیں تمام صورتحال بتائی اس کے بعد انہوں نے میری تسلی کے لئے مفتی صاحب سے میری بات کرائی.....مفتی صاحب نے میری بہت ہمت بندھائی اور کہا آپ کا ان حالات میں وہاں مزید ٹھہرنا اچھا نہیں ہے آپ ادھر آ جائیں یہاں آپ اکیلی نہیں ہم سب آپ کے بھائی ہیں.....پھر انہوں نے بھائی علی شیر شہید سے میری بات کرائی بھائی علی شیر کا تعلق مانسہرہ سے تھا وہ کافی عرصہ کشمیر میں رہ کر گئے تھے ہمارے گھر ان کا کافی آنا جانا تھا بھائی علی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے انہیں پہچانا میں نے کہا بہت اچھی طرح بھائی لیکن اس وقت مجھ پر گریہ کی کیفیت طاری تھی اور بات کرنا دشوار ہو رہا تھا انہوں نے بھی مجھے یہی کہا کہ ہم آپ کے بھائی زندہ ہیں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے آپ بے فکر ہو کر یہاں آ جائیں غرض دل کے لاکھ انکار کرنے کے باوجود مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرا رزق پاکستان میں رکھا تھا اور میں نے زندگی کے کئی اتار چڑھاؤ دیکھنے باقی تھے کئی دکھوں سے آشنا ہونا تھا اور اپنے پیارے وطن عزیز و اقارب کی جدائی کا صدمہ سہنا تھا..... جمال بھائی نے سفر کی کچھ تفصیل بتائی اور یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ وہ کچھ دنوں تک سرینگر آ رہے ہیں باقی معاملات وہیں طے کئے جائیں گے اور میں ایک مرتبہ پھر رنج والم کے صحراؤں میں بھٹکنے لگی زندگی کا خوبصورت ترین لمحہ بھی میرے لئے آنسوؤں کی سوغات لے کر آیا منزل ایک جھلک دکھلا کر پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی.....میرے یہ دو ماہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اسی دھن میں گذرتے تھے کہ اب میں جلد ہی اللہ کے راستے میں ٹکڑوں میں بکھر جاؤں گی اور جنت کی حسین وادیوں میں چلی جاؤں گی لیکن یہ کیا ہوا جس کا مجھے گمان بھی نہ تھا یا اللہ! ابھی میرے کتنے امتحان باقی ہیں اے مالک اس مسافر پر رحم فرما جس کا دل رنجوں اور غموں نے چھلنی کر دیا ہے اپنے پیارے وطن سے دور رہ کر مجھے کیسے چین آئے گا اس بات کا تصور ہی ہلکان کر دیتا تھا تمام رات انتہائی بے چینی کے عالم میں گذری آنے والے حالات کی فکر نے نیند تو کیا دل کا سارا قرار چھین لیا صبح اٹھی اور شکستہ دل لئے واپس سرینگر آ گئی.....گھر پہنچ کر چپ چاپ کمرے میں چلی گئی آنٹی رابعہ بھی چلی آئیں آنٹی کو تو ہمارے منصوبے کا کچھ علم نہ تھا لیکن رابعہ سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے اس نے افسردگی کی وجہ پوچھی تو میں رونے لگی آخر ہوا کیا بتاؤ تو سہی وہ دونوں پریشان ہو گئیں روتے روتے تمام واقعہ انہیں سنایا آنٹی بولیں تو آپ کو کون کہتا ہے کہ پردیس چلی جاؤ ہمارے گھر میں کیا کمی ہے اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے خدا کی قسم! ہم رابعہ سے بڑھ کر آپ کو عزیز رکھتے ہیں.....وہ بالکل صحیح کہہ رہی تھیں ان کا اخلاص بعض دفعہ مجھے حیران کر دیتا تھا میں نے ایک طویل عرصہ وہاں گذارا بالکل ایسے جیسے میں اپنے گھر میں رہتی تھی کبھی اچانک زبان سے نکلا کہ آج کھانے میں فلاں چیز کا دل کرتا ہے تو میری روحانی ماں رات کو وہی پکاتی تھیں آج جبکہ میں چھ سالوں سے پاکستان میں ہوں ان کی یادیں میرے دل میں بالکل اس طرح زندہ ہیں جیسے کہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی..... چنانچہ آنٹی کسی صورت میرے جانے پر تیار نہ تھیں بلکہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کے جانے کے بعد میرا گھر اداس ہو جائے گا ان ہمدرد لوگوں سے جدا ہونے پر میرا دل بھی اداس تھا ایک ایسے ملک میں جانا جہاں سے واپسی کا کوئی پکا یقین بھی نہ ہو اور نہ ہی رابطے کی کوئی صورت سارے رشتے ناطوں کی زنجیریں کاٹ کر جانا کس قدر مشکل کام ہے یہ وہی جانتا ہے جو ان حالات سے گذرا ہو..... بہرحال میں نے ہمیشہ کی طرح اپنی زندگی کی کشتی کو اللہ کے سپرد کر دیا.....اگر میرے مالک کی یہی مرضی ہے تو اسے کون بدل سکتا ہے میں نے ان کو بتایا کہ ایک ہفتے تک مجھے جانا ہوگا رابعہ حیران ہو کر بولی مگر آپ نے تو کوئی تیاری ہی نہیں کی ہے سسرال جانا ہے وہ بھی پہلی مرتبہ بھائیوں سے کچھ وقت لے لو.....سسرال کا لفظ سن کر میرے دل کو دھچکا سا لگا یہ وہ جگہ ہے جہاں پہلی مرتبہ ہر لڑکی سج سنور کر اور دلہن بن کر جاتی ہے میں کیسی دلہن ہوں جو سرتاج کے بغیر بیوگی کا سیاہ کفن پہنے سسرال جا رہی ہوں مجھے خیالوں میں گم دیکھ کر رابعہ نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولی اب پریشان نہ ہو شاید اس میں

خیر و بھلائی تھی ورنہ آپ نے تو اپنی طرف سے سب کچھ کیا تھا اب جلدی سے سامان کی لسٹ بناؤ شاپنگ کریں گے وقت بہت کم ہے اور مجھے وہ ہم سفر یاد آ رہا تھا جو کہہ رہا تھا کہ تجھے سجا کر اپنے گھر لے جاؤں گا میں نے کوئی شاپنگ نہیں کرنی ایک مسافر کا کیا ہے بس جیسے ہوں ویسے ہی چلی جاؤں گی جہادی شہید ہوتے تو اور بات تھی دو آنسو میرے چہرے پر بکھر گئے آنٹی نے مجھے گلے لگایا اور رونے لگیں تم سچ کہہ رہی ہو تمہارا دکھ ہم نہ سمجھیں تو کون سمجھے گا لیکن بیٹی دنیا میں رہنے کے لئے یہ سب ضروری ہے پھر دونوں بہنوں نے مل کر میرے لئے تین جوڑے بنوائے اور دیگر چھوٹی موٹی چیزیں بھی لے لیں۔

* * *

شب تاریک سحر ہوتے ہوتے رہ گئی

یہ آخری دن بڑی تیز رفتاری سے گذرنے لگے گھر والے چند دنوں کی مہمان سمجھ کر میرا خوب اکرام کر رہے تھے دونوں بہنیں ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی تھیں.....اکثر بیتے دنوں کو یاد کرتے اور پھر طویل جدائی کا تصور ہمیں رلا دیتا تھا رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا یا الٰہی کیا میرے جذبے میں کمی ہے یا یہ میرے صبر کا امتحان ہے میں ہر بار شہادت سے محروم کیوں رہ جاتی ہوں ڈیڑھ سال قبل جہادی کی زندگی میں پروگرام بنا اور پھر ملتوی ہو گیا اس کے بعد 30 اگست کو وہ میرے پہلو سے اٹھ کر سوئے جنت چلے گئے اور میں محروم اور اب.....اب تو یوں لگتا ہے کہ جیسے مجھے جنت کے دروازے سے واپس بھیج دیا گیا اور زندگی کی شب تاریک سحر ہوتے ہوتے رہ گئی ہے.....استخارے میں جو رکاوٹ نظر آئی تھی کیا وہ یہی تھی مگر وہ دور بھی تو ہو گئی تھی جلد یا بدیر یہ کارروائی ہو گی میرا دل کہہ رہا تھا میں اس حوالے سے جمال بھائی سے بات کروں گی شاید وہ میری بات سمجھ جائیں..... چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا میرے پاکستان پہنچنے کے ٹھیک دو ماہ بعد یہ کارروائی ہو گئی یہ سعادت غازی بابا شہید کے پڑوسی بھائی کو ملی.....اللہ پاک نے اس کارروائی میں خوب نصرت شامل فرمائی اور 25 کے قریب بھارتی فوجی واصل جہنم ہو گئے۔

* * *

جمال شہید پر ایک نظر

4 جولائی 2004 کو مجھے خبر ملی کہ جمال بھائی سرینگر پہنچ گئے ہیں میری ان سے ایک نئے پوائنٹ پر ملاقات ہوئی سب سے پہلے میں نے اُن سے استخارے کا ذکر کیا ساری بات سن کر انہوں نے کچھ دیر توقف کیا پھر بولے اب جبکہ سفر کی تمام ترتیب بن چکی ہے اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے اس لئے آپ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کریں.....اس دن بھی میں بہت زیادہ روئی یہاں تک کہ چہرے پر پڑا نقاب تر ہو گیا جمال بھائی بولے باجی آپ کی پریشانی بجا ہے اپنے وطن اور عزیز و اقارب سے دور جانا واقعی کوئی آسان کام نہیں لیکن آپ فکر نہ کریں میں نے اپنے گھر والوں کو آپ کے آنے کا بتا دیا ہے میری بہنیں آپ کو اپنی بہنوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گی اور ہمارا علاقہ بھی بالکل کشمیر جیسا ہے آپ وہاں ضرور جائیے گا.....اللہ پاک جمال محمد عباسی شہید کی روح پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں وہ بھی قافلہ شہداء میں شامل ہو چکے ہیں انتہائی نرم مزاج اور شریف انسان تھے میری بے حد عزت کرتے تھے ان کا تعلق مری کے علاقے ''کڈبگلہ'' سے تھا میرے آنے سے قبل ایک دو مرتبہ انہوں نے اپنی والدہ صاحبہ سے بات کی اور انہیں بتایا امی جی میری ایک بہن ادھر آ رہی ہے آپ یہ سمجھیں جیسے میں گھر آ رہا ہوں آپ ان کا ہمیشہ خیال رکھنا جیسے کہ ان لوگوں نے یہاں میرا خیال رکھا اور انہیں کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دیجئے گا پھر جب میں پاکستان آئی تو ان کے گھر والوں نے میرا بہت اکرام کیا اور بیٹی کی طرح سمجھا میرا وہ عظیم بھائی مئی 2005 میں شہادت کا اعلیٰ مرتبہ پا کر جنت کا مکین ہو گیا مگر ان کے گھر والوں سے خلوص و محبت کا رشتہ اب بھی قائم ہے اور

ہمیشہ قائم رہے گا چنانچہ رات دیر تک سفر کے حوالے سے بات ہوتی رہی اور 7 جولائی کو روانگی کا پروگرام طے ہوا۔

* * *

سانحہ راضیہ کدل

دوسرے دن جمال بھائی اور عثمان بھائی کام کے سلسلے میں باہر جا رہے تھے میں نے دن کے 12 بجے نوشہرہ کے ایک مقام پر انہیں سامان دینے جانا تھا وہ دونوں صبح سویرے نکل گئے اور میں دن گیارہ بجے روانہ ہوگئی میرے پاس مجاہدین کا دیا ہوا ایک بیگ تھا جس میں اسلحہ رکھا ہوا تھا اس کے علاوہ میری اپنی بیلٹ بھیکر کے ساتھ بندھی ہوئی تھی.....اتنے سارے اسلحے کے ساتھ میں جب نوشہرہ پہنچی تو وہاں ہر طرف فوج ہی فوج دیکھکر میں ٹھٹھک گئی فوجی ہاتھوں میں گنیں لہراتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے دور کہیں سے فائرنگ کی آواز بھی آ رہی تھی۔

یہ دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا، اللہ خیر کرے ساتھیوں کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں بنا کیونکہ انہوں نے اسی جگہ سے سامان وصول کرنا تھا ایک دکاندار سے اس حوالے سے پوچھا تو وہ بولا راضیہ کدل اسلامک ہائی سکول میں جھڑپ ہو رہی ہے وہاں مجاہدین موجود ہیں.....راضیہ کدل جسے راجوری کدل بھی کہا جاتا ہے وہاں سے تھوڑے فاصلے پر تھا پھر بھی جھڑپ کا سن کر میرا دل دھل گیا کہیں ایسا تو نہیں ساتھی اس طرف سے آ رہے تھے اور دشمن سے مڈبھیڑ ہوگئی.....یہ بات بعد میں سامنے آ گئی کہ وہاں کچھ بھی نہ تھا بلکہ بھارتی فوج نے محض مجاہدین کا بہانہ بنا کر اسکول پر دھاوا بول دیا وجہ یہ تھی کہ وہاں دینی اور عصری تعلیم دی جاتی تھی وہاں صبح اسمبلی میں بھارت کا قومی ترانہ نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تھی یہ باتیں بھارتی درندوں کو کھٹک رہی تھیں اور پھر انہوں نے فرضی اور من گھڑت کہانی بنا کر اسکول کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور آگ لگا کر اسکول کی لائبریری وغیرہ سب کچھ راکھ کر دیا.....بہرحال مقررہ وقت کب کا گذر چکا تھا اور وہ لوگ نہیں پہنچے تو اس بات سے مجھے فکر لاحق ہوگئی ان دنوں ساتھیوں کے پاس موبائل فون آ گئے تھے میں نے ایک پی سی او سے فون نمبر ملایا کیونکہ اب رابطے کا یہی واحد راستہ تھا لیکن فون نہ ملنے کی وجہ سے میری تشویش اور بڑھ گئی.....اب میں سامان کا بیگ اٹھائے کبھی ملاقات والی جگہ جاتی ہوں اور کبھی فون کرنے کے لئے پی سی او میں.....اب فائرنگ کی آواز بھی زیادہ آ رہی تھی لوگ آہستہ آہستہ دکانیں بند کر رہے تھے اور سکول کے جلائے جانے پر احتجاج کی فضا بن رہی تھی.....ان حالات میں میں کبھی ایک گلی اور کبھی دوسری گلی میں چکر لگا رہی تھی بڑی مشکل سے فون مل گیا ساتھیوں نے مجھے بتایا کہ وہ کس طرف ہیں فون بند کیا اور جلدی جلدی اس طرف چل پڑی جوں ہی گلی سے نکل کر بڑی سڑک پر آ گئی عین اس وقت صورہ کی طرف سے بی ایس ایف والے گنیں لہراتے ہوئے آ رہے تھے میں سڑک کے کنارے کھڑی ہو کر فوجیوں کے گذرنے کا انتظار کرنے لگی لیکن ایک گروپ کے بعد دوسرا گروپ ظاہر ہوتا تھا اس صورتحال سے میں کافی پریشان ہوگئی میری پشت پر دکان تھی دوکاندار ایک بزرگ آدمی تھا وہ دکان بند کرنے لگے تو مجھ پر نظر پڑی کہنے لگے بیٹی اندر آؤ جب تک یہ گذر جائیں.....میں فوراً دکان کے اندر داخل ہوئی مگر نظر باہر کی طرف تھی اسی لمحے میں نے جمال بھائی اور عثمان بھائی کو فوجیوں کی مخالف سمت سے آتے دیکھا وہ دونوں فوجیوں کے درمیان میں آ گئے تھے اب نہ آگے بڑھنے کے نہ ہی پیچھے ہٹنے کے یہ منظر دیکھ کر میری آنکھیں پھیل گئیں مجھے لگا اب تصادم یقینی ہے فوج نے اگر ان کو روکنے کی کوشش کی تو کچھ بھی ہوسکتا ہے.....میں ایک دم دوکان سے باہر آ گئی دونوں مجاہد دیکھ چکے تھے لیکن غیر محسوس انداز میں فوج کے بیچوں بیچ چل رہے تھے میں بھی یہ سوچ کر ان کے پیچھے چل پڑی کہ اگر جھڑپ ہوگئی تو شاید اللہ مجھے بھی شہادت دے دے بیگ میرے ہاتھ میں تھا اور میں فوجیوں کے بیچ سے گذر کر سڑک کے دوسری طرف گئی، آگے ایک گلی آ رہی تھی دونوں غیر محسوس انداز میں گلی میں داخل ہو گئے ایک فوجی اسی جگہ کھڑا ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا اتنے میں میں بھی اس کے بالکل پاس سے گذر کر گلی میں داخل ہوگئی تھوڑا آگے جا کر گلی مڑ جاتی تھی دونوں مجاہد فوجی کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس فوجی

کے پاس مزید فوجی جمع ہو گئے تھے وہ سب اسی طرف دیکھ رہے تھے اور یقیناً انہیں کچھ شک ہو گیا تھا لیکن اللہ پاک نے انہیں کچھ کرنے کا موقعہ نہ دیا گلی کا موڑ مڑتے ہی میں نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا آگے دونوں ساتھی کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے میں نے انہیں دیکھتے ہی کہا آپ ٹھہریں نہیں چلتے جائیں فوجیوں کو شک پڑ گیا ہے ایسا نہ ہو ہمارے پیچھے آ جائیں انہوں نے بیگ مجھ سے لے لیا اور ہم گلیاں کراس کرتے ہوئے نوشہرہ سے صورہ اور وہاں سے بڑھ پورہ میں جا پہنچے جہاں ایک میدان میں رک کر دم لیا اور جوس وغیرہ منگوایا کیونکہ ہمیں شدید پیاس لگ رہی تھی اور جولائی کا مہینہ تھا وہاں پر اگلا پروگرام طے ہوا میں نے آخری مرتبہ غازی بابا شہید کی قبر پر جانے کی خواہش ظاہر کی جمال بھائی بولے کہ انہیں بھی جہادی کی قبر کی زیارت کرنے کا دل چاہتا ہے چنانچہ پرسوں یعنی 6 جولائی کا پروگرام بنا لیا۔

* * *

الوداع اے ہم قدم ہم مشن بہنو

وہاں سے میں سیدھا رابعہ کے ہاں آ گئی اگلے دن یعنی 5 تاریخ کو نصرت کے گھر میں دعوت تھی سب لوگ اداس تھے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ ہمیں پھر ملا دے..... میں نے اپنے سامان میں سے کچھ چیزیں نصرت اور رابعہ کو بطور نشانی دے دیں، ایک دو چیزیں نصرت کو امانتاً دے دیں تا کہ وہ میرے جانے کے بعد وہ چیزیں میرے گھر دے آئے اور انہیں میرے جانے کا بھی بتا دیں باقی مختصر سا سامان ایک چھوٹے سے بیگ میں پیک کر لیا.....اس دن یعنی 6 جولائی شام چار بجے میں نے عید گاہ جانا تھا وہاں سے جمال بھائی وغیرہ کے ساتھ جہادی کی قبر پر اور پھر کسی دوسرے پوائنٹ پر اگلی صبح یعنی 7 جولائی کو وہاں سے ہی روانہ ہونا تھا..... گویا اس دن نصرت اور رابعہ کے ساتھ رفاقت کی آخری ساعتیں گذر رہی تھیں وہ دن عجیب کیفیت میں گذرا ہم تینوں دن میں کئی مرتبہ روئیں دوستی بھی عجیب چیز ہے دوستی اگر سچی اور بے غرض ہو تو اس سے بڑھ کر پیارا اور خوبصورت رشتہ کوئی نہیں.....ہم تینوں کی دوستی بالکل بے لوث تھی اس لئے دن بہ دن ہماری محبت بڑھتی جا رہی تھی اور اب اچانک جدائی بے حد گراں گذر رہی تھی آج بھی ان دونوں کے ساتھ گذرے ہوئے وقت کو یاد کر کے میری آنکھیں بھر آتی ہیں اور دل چاہتا ہے کاش زندگی کے کسی موڑ پر ان سے ملاقات ہو جائے یہاں آنے کے بعد کچھ عرصہ فون پر رابطہ ہوتا رہا مگر پھر سال سال بھر کے لئے رابطہ کٹ جاتا ہے وہ مجھ سے اکثر پوچھتی رہتی تھیں کہ واپس کب آؤ گی؟.....اور اس سوال کا جواب میں اپنے آپ سے پوچھتے پوچھتے تھک گئی ہوں اس وقت بھی سب کو ہی محسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک ایسے سفر پر جا رہی ہوں جہاں سے لوٹ کر آنے کی امید کم ہی رکھی جا سکتی ہے اس لئے تو سب کے دل غمگین تھے کہ کہیں یہ بچھڑنا عمر بھر کی جدائی نہ بن جائے.....تین بجے میں وہاں سے نکل رہی تھی سب لوگ رو رہے تھے آنٹی نے مجھے بتایا کہ وہ کل مجھے رخصت کرنے آئیں گے تا کہ ایک بار پھر ملاقات ہو جائے میں نے ان سب کی بے پناہ محبتوں اور رفاقتوں کا شکریہ ادا کیا بچھڑنے کا وہ منظر بے حد اذیت ناک تھا نصرت اس وقت بھی عید گاہ میرے ساتھ آئی تا کہ کچھ دیر مزید ساتھ گذاریں بہشت شہداء عجیب بہار دکھا رہی تھی رنگ برنگ پھولوں اور سرسبز بیلوں سے سجا ہوا گنج شہیداں مجھے شروع سے ہی بے حد پسند تھا اس دن ڈھلتی شام کے منظر نے اسے اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا دل کرتا تھا ادھر زندہ ہی لیٹ جائیں میں اور نصرت وہاں بیٹھے دیر تک ان خوش بختوں کا تذکرہ کرتے رہے جنہیں اس حسین سرزمین نے اپنے سینے میں جگہ دے دی اتنے میں مجاہدین آ گئے میں نے بہشت شہداء کے مکینوں کو آخری سلام کیا اور اپنی پیاری بہن نصرت سے الوداعی معانقہ کیا پھر آنسوؤں کے ساتھ ہم جدا ہو گئیں۔

* * *

غازی بابا شہید کا آخری دیدار

جمال بھائی نے بہشت شہداء کی زیارت کی انہیں بھی وہ جگہ بہت پسند آئی وہاں سے نکل کر ہم پارم پورہ گئے عثمان بھائی اور حیدر بھائی ان کے ساتھ تھے ان سب نے قبروں پر دعا کی پھر دونوں ساتھی باہر کھڑے ہو گئے تا کہ کہیں سے اچانک دشمن نہ آئے..... جمال بھائی کچھ دیر قبر پر کھڑے رہے پھر ایک سرد آہ بھر کر بولے آہ جیش کے تین مایۂ ناز کمانڈو ایک ہی قطار میں ہیں، انہوں نے غازی بابا شہید کی قبر پر سرخ گلاب کے پھول رکھے جو انہوں نے بہشت شہداء سے لائے تھے اور آنکھوں میں اتری ہوئی نمی رومال سے صاف کرتے ہوئے باہر نکل گئے..... وہ لوگ شاید جان بوجھ کر اس موقع پر مجھے تنہائی دینا چاہتے تھے تا کہ آخری بار میں دل کا بوجھ ہلکا کر لوں میں کافی دیر شہید کے قدموں میں بیٹھی رہی دل کرتا تھا کہ کاش! بھائی ساتھ نہ ہوتے اور میں ان کی قبر سے لپٹ جاؤں ان سے کہوں کہ..... اے میرے محبوب واللہ! میں نے بڑے جتن کئے کہ شہادت کو گلے لگا کر تم سے جا ملوں اور تمہارے قدموں میں دفن ہو جاؤں آپ تو شہید ہیں سب جانتے ہیں مگر میں کیا کروں موت پر میرا اختیار نہیں ہے اور نہ ہی تقدیر پر اس لئے اب مجھے آپ سے دور جانا ہوگا..... آپ کی قبر سے اور میدان جہاد سے دور جا کر دل کو کیسے قرار ملے گا؟..... اس عرصے میں جب دل غم سے بھر جاتا تو میں چپکے سے ان کی قبر پر جاتی اور ان سے باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیتی اسلحہ ہمیشہ ساتھ لے کر جاتی تھی اور سوچتی تھی شاید اس دوران وہاں دشمن آ جائے میں ان پر حملہ کروں گی اور میری ملاقات دائمی بن جائے گی ان کے قدموں میں مجھے شہادت مل جائے گی اب جبکہ میں ان کی تمام یادگاروں سے دور جا رہی تھی اس موقعے پر دل پر کیا بیت رہی تھی یہ اللہ ہی کو معلوم ہے..... دن ڈھلنے والا تھا ڈوبتے سورج کی کرنیں شہداء کی قبروں کو چوم کر چنار کی اوٹ میں چھپ رہی تھیں اور جہادی شہید کی قبر پر ان کے سرخ گلاب سورج کی کرنوں سے چمک رہے تھے..... جمال بھائی اندر آئے اور دھیمے لہجے میں بولے باجی اب چلیں کافی دیر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے واللہ! آپ کا دکھ دیکھا نہیں جا رہا لیکن ہم آپ کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں..... میں نے دل ہی دل میں جہادی شہید اور دوسرے بھائیوں کو آخری سلام کیا جاتے جاتے نم آنکھوں سے ایک نظر ان کی قبر پر ڈالی ابھی ہم قبرستان سے باہر نہیں نکلے تھے اس دوران ایک آدمی آ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں مجاہدین کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا بھائی جان خدا کے لئے آپ لوگ جلدی سے نکل جائیں، یہاں اچانک آرمی کی جیپ آ جاتی ہے..... ہم اس کی باتیں سن کر حیران ہوئے کیونکہ ساتھی دوسرے بھیس میں تھے اور میں نے بھی عام انداز میں برقعہ پہنا ہوا تھا اس کے باوجود وہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجاہدین ہیں شاید اس وجہ سے کہ وہاں مقامی شہید کوئی نہ تھا بلکہ سب مہمان تھے اس لئے اسے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ مجاہدین ہیں ہمیں اطلاع دینے کے بعد وہ آدمی بستی کی طرف چلا گیا یہی وہاں آنے جانے کا واحد راستہ تھا لیکن ہم لوگ احتیاطاً دریا کے کنارے کنارے ایک غیر معروف راستے سے نکل گئے..... حیدر بھائی وہاں سے دوسرے پوائنٹ، پر جا رہے تھے وقت رخصت انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا باجی! آپ کو دیکھ کر ہمارے حوصلے بلند ہوتے تھے کہ ہماری ایک بہن ان مشکل راستوں پر چل رہی ہے ہم تو پھر مرد ہیں ہم کس طرح گھر بیٹھ سکتے ہیں لیکن اب آپ جا رہی ہیں اللہ پاک آپ کی حفاظت فرمائے اپنے بھائیوں کو دعاؤں میں کبھی نہ بھولئے گا..... میں جہاں بھی رہوں میری دعائیں ہمیشہ آپ لوگوں کے ساتھ ہونگی میں نے جواب دیا..... حیدر شہید کا اصل نام محمد عادل تھا ان کا تعلق آزاد کشمیر کے علاقے ہٹیاں بالا سے تھا، بہت ہی پیارا اخلاص کا پیکر مجاہد تھا..... اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے وہ 2006 میں سرینگر میں ایک جھڑپ کے دوران جام شہادت نوش فرما گئے اور اب اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ پارم پورہ کے مقام پر چنار کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام فرما ہیں۔

* * *

آخری شام

عیدگاہ پہنچ کر دونوں بھائی جمال شہید اور عثمان بھائی بھی کل ملاقات کا طے کر کے علیحدہ ہو گئے میں وہاں سے نوا کدل آ گئی وہاں بہن جی والوں کا نیا گھر تھا جو انہوں نے حال ہی میں لیا تھا حالات خراب ہونے کے بعد انہوں نے بمنہ سے اپنا مکان فروخت کیا اور نوا کدل میں پرانی طرز تعمیر کا، مگر کشادہ گھر لے لیا یہ علاقہ بمنہ کی نسبت قدرے محفوظ تھا مجاہدین وہاں کبھی کبھار آتے تھے اور سامان وغیرہ بھی رکھتے تھے چونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری طویل رفاقتیں تھیں اس لئے روانگی کا پروگرام وہاں سے رکھا تا کہ ان سے ملاقات بھی ہو جائے ..... بہن جی کو تمام پروگرام کا علم تھا، وہ خود بھی اداس تھیں مجھے گھر کی تیسری منزل پر لے گئیں اور دیر تک میرے ساتھ باتیں کرتیں رہیں، جہادی شہید کا ذکر آیا تو ان کی آنکھیں بھر آئیں کاش! آج بھائی جان ہوتے ،انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا اس موقعے پر ہر کسی کو اُن کی کمی محسوس ہو رہی تھی، یہ وادی کشمیر میں میری آخری شام تھی، میں کافی دیر سے کھڑکی میں کھڑی سامنے اس گھر کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں شادی لگی ہوئی تھی ادھر ہر طرف خوشیوں بھرے قہقہے گونج رہے تھے..... نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک درد سا اٹھا وہاں سے ہٹ گئی ہاں دنیا کا یہی دستور ہے کہیں خوشیوں کے شادیانے بج رہے ہیں اور کہیں اداسیوں اور ویرانیوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں، میں نے دل ہی دل میں سوچا..... جولائی کا مہینہ تھا لیکن گرمی کا کوئی احساس نہ تھا بلکہ اس گھر میں تو ایک پنکھا بھی نہ تھا نہی کوئی خاص ضرورت محسوس ہو رہی تھی کشمیر کی دلنشین وادی کے موسم کا کیا کہنا وہاں تو خزائیں بھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتیں اس وقت بھی کھڑکی سے آنے والی خوشگوار ہوا کے جھونکے روح کو تازگی بخش رہے تھے لیکن یہ خیال میرے دل کو کچوکے لگا رہا تھا کہ اب میں اپنی جنت نظیر وادی سے دور جا رہی ہوں اس کی بہاروں سے، اس کی فضاؤں سے جدا ہو رہی ہوں .....قریبی مسجد میں عشاء کی اذان ہونے لگی اس اذان میں اس قدر سوز تھا کہ میں بے حس وحرکت سنتی رہی بالکل ایسے جیسے میں پہلی مرتبہ اذان کی آواز سن رہی تھی دل کیا، یہ آواز ٹیپ میں ریکارڈ کروں اور کشمیر سے ہزاروں میل دور جب وطن کی یاد ستائے تو اسے سنا کروں .....اس وقت تک میرا سامان بھی میرے پاس ہی تھا رات سونے سے قبل ہمیشہ کی طرح پسٹل اور گرنیڈ سرہانے کے نیچے رکھ دیا لیکن اس سے قبل کافی دیر ان چیزوں کو دیکھتی رہی اور محبتوں کے بوسے نچھاور کرتی رہی دیگر بہت سی راتوں کی طرح وہ رات بھی انتہائی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں گذر گئی۔

* * *

روانگی

صبح کے معمولات کے بعد تیاری شروع کر دی، بھائی لوگ نو بجے تک آ رہے تھے، اس کے بعد ہم نے اس جگہ پہنچنا تھا جہاں عامر بھائی کو ٹائم دیا تھا، میری تمام تیاری مکمل تھی نو بجنے سے پہلے بھائی آ گئے، کچھ دیر دعاؤں اور نصیحتوں سے نوازتے رہے، اس کے بعد میرے خلوص اور تعاون کا شکریہ ادا کیا، میں سر جھکائے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی، وہ دونوں بھی اداس نظر آ رہے تھے کیونکہ وہ خود اپنا وطن اور عزیز واقارب کو چھوڑ آئے تھے اور وطن سے دوری پر ایک انسان کے کیا جذبات ہو سکتے ہیں انہیں اس کا خوب احساس تھا..... میں نے خاموشی سے اپنا پسٹل، گرنیڈ اور بیلٹ نکال کر جمال بھائی کے سامنے رکھ دیا اس موقع پر ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور میں نے کہا: بھیا میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ دوبارہ اسلحہ حاصل کرنے کے بعد اسے جیتے جی خود سے الگ کروں گی خدا جانتا ہے کہ مجھے ان چیزوں سے کس قدر محبت ہے اور یہ میرے لئے کیا ہیں..... بالکل صحیح کہا آپ نے باجی! اللہ پاک جو شہ رگ سے بھی قریب ہے خوب جانتا ہے اور وہ اللہ آپ کی قربانیوں کو کبھی رائیگاں نہیں کرے گا وہ تو بال برابر نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتے اب آپ تیاری کریں ہم آپ کو رخصت کرنے کے لئے جا رہے ہیں یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے اور میں نے مصلیٰ بچھایا دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائے مانگنا کیا ہے کچھ پتہ نہ تھا بس میرے آنسو تھے اور اٹھے ہوئے ہاتھ کافی دیر اسی کیفیت میں گذر گئی کسی چیز کا ہوش نہ رہا بہن جی نے دروازے پر آ کر اطلاع دی کہ بھائی نیچے انتظار میں

کھڑے ہیں.....تب ہوش آیا اور اپنے اللہ کو پکارا.....اے اللہ میرے مالک اگر ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہجرت نہ فرمائی ہوتی اور ہجرت جیسے مشکل کام کو مسلمانوں کے لئے باعث اجر وثواب نہ بنایا ہوتا تو اپنا وطن چھوڑنے پر مجھے ہرگز صبر نہ آتا، اے میرے مالک میرا دل اس موقعہ پر اداس اور غمگین ہے جس طرح ہمارے نبی ﷺ کا دل مکہ سے جدائی پر غمگین تھا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جیسے تو نے حضور ﷺ کو فتح ونصرت کے پرچم لہراتے مکہ میں لوٹا دیا تھا اسی طرح مجھے بھی جلد ہی امن و آزادی کے ساتھ اپنے وطن میں لوٹایئے گا آمین.....اس کے بعد میں نے بہن جی والوں کے خلوص ومحبت اور بے پناہ تعاون پر ان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے رخصت ہوگئی، ٹھیک دس بجے ہم لال چوک پہنچے، عامر بھائی اور ان کی ہمشیرہ گاڑی سمیت منتظر کھڑے تھے میری پیاری بہنیں نصرت، رابعہ، ناز واور آنٹی سب لوگ موجود تھے ان سب نے باری باری مجھے گلے لگایا سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ سب اس لٹے ہوئے مسافر کو محبت سے بوسے دے رہی تھیں، جس کے پاس زادراہ کے طور پر زخم زخم یادوں کے سوا کچھ نہ تھا دونوں ساتھی مجھے رخصت کر کے چلے گئے کیونکہ اس علاقے میں ان کا زیادہ دیر کھڑا رہنا مناسب نہ تھا لال چوک کو سرینگر کا دل کہا جاتا ہے اور یہ علاقہ حساس علاقوں میں سرفہرست مانا جاتا ہے یہاں مقامی لوگوں سے زیادہ تعداد بھارتی فوجیوں کی ہے اور ہر گلی کوچے میں بنکر بنے ہوئے ہیں جمال بھائی چونکہ نو وارد تھے اس لئے انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا لیکن عثمان بھائی ایک عرصے سے اس علاقے میں کارروائیاں کرتے رہے تھے اور اب ان کی تصویر بھی دشمن کے پاس تھی اس وجہ سے سب نے انہیں جلدی نکلنے کا کہہ دیا وہ دونوں مجھے دعائیں دے کر چلے گئے کچھ دیر بعد گاڑی چل پڑی اس دوران سب لوگ رو رہے تھے وہ انتہائی رقت آمیز مناظر تھے گاڑی نے ایک لمبا ٹرن لیا اور دوسری سڑک پر آ گئی نصرت وغیرہ بھاگ کر سڑک پار کر گئے اور گاڑی روک کر ایک مرتبہ پھر میرے ہاتھ چومنے لگے، اب گاڑی نے رفتار پکڑ لی اور میری سماعت سے آنٹی کے آخری الفاظ ٹکرائے.....جاؤ میری بیٹی اب اللہ ہی تیرا حامی و مددگار ہے۔

* * *

الوداع اے وادیٔ کشمیر

چار پانچ گھنٹے گاڑی مسلسل چلتی رہی کشمیر کے کئی پر رونق شہروں، سرسبز کھیت کھلیانوں کو پیچھے چھوڑ کر اب ہم پہاڑی علاقے میں داخل ہو گئے تھے دوران سفر سب ہی خاموش تھے عامر بھائی تھوڑی دیر بعد پانی اور کسی چیز کی ضرورت کا پوچھتے رہتے تھے میں سیٹ کے ساتھ سر ٹکائے کسی خاموش مجسمے کی طرح بیٹھی تھی دل و دماغ میں یادوں کا طلاطم خیز طوفان برپا تھا گذرے ہوئے زمانے کی یادیں کسی فلم کی مانند دماغ کی اسکرین پر چل رہی تھیں اور آنے والے وقت میں کیا ہوگا یہ سوال دماغ میں ہلچل مچا رہا تھا.....آج میں اس خوابوں کے پاکستان کی طرف عازم سفر تھی جو ہر کشمیری کی طرح میری محبتوں کا بھی محور ومرکز تھا اور پاک سرزمین کو دیکھنے کا خواب ایک مدت سے میری آنکھوں میں بسا رہتا تھا مگر آج وہاں جاتے ہوئے دل کے کسی کونے میں خوشی کا کوئی احساس نہ تھا کیونکہ جس کے ساتھ اس سفر کے حوالے سے خواب دیکھے تھے وہ میرا ہم سفر نہ تھا اور وہ جو کہہ رہا تھا کہ تجھے سجا سنوار کر اپنے گھر لے جاؤں گا کیا اسے معلوم ہوگا کہ میں کیسے اور کن حالات میں تنہا اکیلی اس کے گھر جا رہی ہوں گاڑی ایک مقام پر ٹھہر گئی اور سب لوگ نیچے اتر رہے تھے میں بھی گاڑی سے نیچے اتری یہ بہت خوبصورت اور پرفضا مقام تھا، میری یہ ہمیشہ سے کمزوری رہی ہے کہ خوبصورت مناظر مجھے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور میں قدرت کے نظاروں میں کھو جاتی ہوں وہاں ہر طرف اونچے اونچے اور سرسبز پہاڑ کھڑے تھے سڑک کے کنارے ایک بورڈ نصب تھا اس پر نظر پڑتے ہی میں دم بخود اسے دیکھتی ہی رہ گئی بورڈ پر جلی حروف میں یہ جملہ لکھا تھا..... Stop too the last veiw of Kashmir valley.....وادی کشمیر کا آخری نظارہ کرنے کے لئے رک جایئے.....میں دیر تک اس جملے کو تکتی رہی کیا واقعی میری آنکھوں کے لئے یہ وادی کشمیر کا آخری نظارہ ہے؟ آنکھوں میں آنسو بھر آئے.....سر اٹھا کر دیکھا، حد نگاہ تک

اونچے اونچے سرسبز پہاڑ کھڑے تھے یہ پہاڑ جن سے مجھے بچپن سے انس تھا جو ہمیشہ سے میری دلچسپی کا مرکز رہے ہیں میری نگاہ میں ان پہاڑوں سے کہیں پیچھے وادی کے مرغزاروں اور نغمہ خواں آبشاروں کو دیکھ رہی تھیں اور میرا دل پکار رہا تھا.....اے میری جنت بھلا تیری بہاروں سے اور جہادی شہید کی یادگاروں سے دور میں کس طرح رہ پاؤں گی میں تو اپنا سب کچھ سارے رشتے ناطے تیرے پاس ہی چھوڑے جا رہی ہوں میرا دامن تو بالکل خالی ہے زندگی کے اس مشکل ترین سفر میں تیری یادیں ہی میرا زاد راہ ہیں.....زندگی میں پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وطن کی محبت کیا ہوتی ہے کشمیر سے دور ہوتے ہی دنیا کے سارے رنگ پھیکے نظر آنے لگے اور وطن سے دور ہو کر بہاریں تو کیا وہاں کی خزائیں بھی یاد آنے لگیں اس چٹان سے ٹیک لگائے وطن کی یاد میں میری آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے اور میں سوچنے لگی اے خدایا کیا کشمیر سے دور جا کر میری آنکھیں کبھی خشک بھی ہونگی کہ نہیں.....اور اے پیارے وطن یہ سب قربانیاں تیرے ہی لئے ہیں، میں تیرے حسین مرغزاروں، تیری وادیوں اور تیرے کوہساروں کو بھارتی مشرکوں سے پاک دیکھنا چاہتی ہوں تجھے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں اس لئے تیری آزادی پر میری ہر خوشی قربان.....اور اے میری وادی.....

جو بند ہیں کان دنیا بھر کے
میں تیری چیخوں سے کھول دوں گی
ضمیر انسانیت اے وادی
میں تیرے اشکوں میں گھول دوں گی
اداس کر دوں گی پتھروں کو
ہر ایک دل کو رلاؤں گی میں
جہان بھر کو تیری کہانی
تیرا فسانہ سناؤں گی میں

یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے اور میں امت خوابیدہ کے مردہ ضمیروں کو تیری مظلومیت کی کہانی سنا کر جگاؤں گی اور زندگی کی آخری سانسوں تک تیری آزادی کے لئے جدوجہد کروں گی، انشاءاللہ.....الوداع اے وادی کشمیر۔

* * *